دِل ایک گلشن

رضیہ حسین ایم اے

دل بہت حساس ہے اے موجِ نسیم
تجھ سے ممکن ہو تو کچھ اور بھی آہستہ گزر

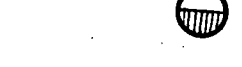

آج پھر گھٹا جھوم کے آئی ہے، بادل گرجیں گے، بجلی چمکے گی اور چھاجوں مینہہ برسے گا۔ یا پھر ہو سکتا ہے کہ رم جھم پھوار برس کر ہی رہ جائے۔ اس شہر کراچی میں پھوار ہی برس جائے تو بڑی بات ہے۔ لیکن چاہے چھاجوں مینہہ برسے یا صرف ننھی ننھی بوندیاں گر کر مطلع صاف ہو جائے بنفشہ باجی اپنے کمرے کے دریچے کی چوکھٹ پر دونوں کہنیاں ٹیکے گھنٹوں کھڑی رہیں گی۔ چپ چپ، اداس اور تنہا تنہا سی۔ ماضی کے بھروکوں میں جھانک کر جانے کن بھولی بسری یادوں سے اپنے دل کا نگر آباد کریں گی۔ کون جانے وہ کیا سوچتی ہیں، کسے یاد کرتی ہیں اور کسے بھول جانے کی کوشش کرتی ہیں۔ مگر اتنی بات ضرور ہے کہ ایسے لمحوں میں ان کے دل کا سارا درد سمٹ کر آنکھوں میں سما جاتا ہے۔ سرِ مژگاں ستارے چمکتے ہیں اور ٹوٹ کر بکھر جاتے ہیں۔ لیکن

میرے دل کو ہر بار یہ بات کیوں ستاتی ہے کہ وہ کیا سوچتی ہیں، اشکوں کے موتی کیوں لٹاتی ہیں؟ کبھی کبھی یہ خیال آتا ہے کہ شاید وہ بیتے دِنوں کی گرم دوپہروں کو یاد کرتی ہوں گی، یا پھر کہر کے دھندلکوں میں ڈوبی ہوئی رخصت ہوتی ہوئی اداس شاموں کو یاد کرتی ہوں گی۔ ممکن ہے ان گرم دوپہروں اور اداس شاموں سے کسی کا تصوّر وابستہ ہو، لیکن ایسا بھی نہیں ہو سکتا، اِتنی ذرا سی عمر میں تو وہ ہمارے یہاں رہنے کے لئے آگئی تھیں، اس کے بعد سارے برس اور ساری دوپہریں اور شامیں تو میرے سامنے ہی گزری ہیں۔ پھر ـــــ پھر؟ اور اس کے آگے شجّو رانی کا ذہن اُلجھ جاتا، دماغ ساتھ دینے سے انکار کر دیتا اور دل گھبرا جاتا۔

بنفشہ باجی کے متعلق اِتنی ڈھیر ساری باتیں شجو رانی نے برآمدے کے ٹائلوں والے چکنے شفاف فرش پر بیٹھے بیٹھے سوچی تھیں۔ اس وقت ان کے ہاتھ میں ایک انتہائی فضول سی کتاب تھی، جسے وہ اس سے پہلے بھی دو دفعہ چاٹ چکی تھیں، لیکن بقول اماں بیگم کے ان کتابوں میں تو شجو رانی کا کلیجہ گھسا ہوا تھا۔ اپنے کپڑوں سے، اپنے بالوں سے، اردگرد کے ہر فرد سے اور ہر چیز سے بے نیاز ہو کر کتابوں میں سر دیئے رہنا ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ نہ دادی اماں کی صلواتیں انہیں ان کے مشغلے سے باز رکھ سکتی تھیں اور نہ اماں بیگم کی پھٹکار۔ پر جانے بنفشہ باجی میں کیا بات تھی کہ شجو رانی کی نگاہیں گھوم پھر کر انہی کا طواف کرتی تھیں۔ حد تو یہ تھی کہ اپنی جان سے زیادہ عزیز کتابوں میں مگن رہتے ہوئے بھی بنفشہ باجی کا خیال ضرور آتا تھا۔

اور شام ڈھلتے ڈھلتے شجو رانی کا خیال درست ہی ثابت ہوا۔ بادل گہرے ہی ہوتے چلے گئے۔ گرجے تو گرجتے ہی چلے گئے۔ اور پھر تو جیسے آسمان میں سوراخ ہو گئے

ٹپ ٹپ موٹی موٹی بوندیں گرنے لگیں۔ چھٹ باجی (چھوٹی باجی) اور آپا جان کو تو بارش میں بھیگنے کا اور پانی میں چھپ چھپ پاؤں مارنے کا خاص شوق تھا۔ مگر اب جائیں کیسے پانی میں۔ اماں بیگم، دادی اماں اور بڑی اماں کا یہ حملہ کون برداشت کرتا۔

اے دیوانی ہوئی ہو کچھ، لوٹھا کی لوٹھا ہو گئیں مگر یہ اچھل کود اب تک باقی ہے

لفظ 'لوٹھا' سے چھٹ باجی کو خاص چڑ تھی۔

جیسے ہی بوندیں پڑیں، چھٹ باجی نے دیدے گھما کر اِدھر اُدھر دیکھا اور کمرے سے باہر نکلتے ہوئے بولیں۔

اے ہے، چچی جان کی ساڑھیاں اور پیٹی کوٹ تار پر سے کسی نے نہیں اتارے سب بھیگ جائیں گے۔

دوسری طرف سے آپا جان بولیں۔

لان چیئرز بھیگ کر بالکل خراب ہو جائیں گی، کسی کو توفیق ہی نہیں ہے اٹھانے کی۔

اور دونوں جلدی جلدی چپلیں گھسیٹتی پانی میں بھیگنے پہنچ گئیں۔ مانو جیسے ان کے پہنچے بنا نہ تو کپڑے اتارے جائیں گے اور نہ لان چیئرز ہٹائی جائیں گی۔ حالانکہ دوسری طرف سے فتو اور شبراتن دوڑے چلے آ رہے تھے۔

ارے بٹیا! تم کاہے بھیگت ہو، ہم کا اتار لینے دیو کپڑا۔ شبراتن نے کہا۔

چھوڑ دیجئے بی بی جی آپ، میں تو آ گیا ہوں کرسیاں اٹھانے۔ فتو نے کہا۔

بس رہنے دو تم لوگ، پہلے سے خیال نہیں تھا تم لوگوں کو؟

چھٹ باجی نے اپنی ستواں ناک سکیڑی۔

ہاں بڑے کمیرے بنے ہیں دونوں۔ جاؤ اندر۔

آپا جان نے تیوریاں چڑھائیں۔ دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرائیں۔

اب شبراتن اور فتو لاکھ ضد کر رہے ہیں مگر نہ چھٹ باجی سنتی ہیں اور نہ آپا جان کے کان پر جوں رینگتی ہے۔ باقاعدہ چھین جھپٹ شروع ہو گئی ۔۔ اتنے میں دیکھتے ہی دیکھتے بارش تیز ہو گئی اور دونوں کے وارے نیارے ہو گئے۔ اماں بیگم اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑی سارا تماشہ دیکھ رہی تھیں۔ وہیں سے حلق پھاڑ کر چلائیں۔

شمسہ۔ عمرانہ، چلو اپنے کمروں میں تم دونوں۔

مگر شمسہ اور عمرانہ ایک ہی ڈھیٹ تھیں۔ ایسی آسانی سے تھوڑی سن لیتی تھیں کسی کی بات۔ اور پھر کراچی میں بارش ہی کونسی ہر سال ہوتی تھی۔ جو یوں بھیگنے کو ملتا۔ اس موقع کو وہ آسانی سے تو گنوانا نہ چاہتی تھیں۔ اماں بیگم کی آواز ایک کان سے سنکر دوسرے کان سے اڑا دی۔ اس نافرمانی پر اماں بیگم کے تن بدن میں آگ ہی تو لگ گئی۔ دوبارہ دھاڑیں۔

شامت آئی ہے تم دونوں کی۔ اور کچھ نہیں تو اپنی عمروں اور قدوں کا ہی کچھ خیال کرو۔

اس چیخ و پکار سے دادی اماں کے کان بھی خرگوش کے کانوں کی طرح کھڑے ہو گئے۔ جلدی سے ہرن چھاپ کا تمباکو پھانک کر کتھا چونا چاٹا اور پاندان بند کر کے اپنے تخت طاؤس سے نیچے اتر آئیں۔ کھسر پھسر کرتی اماں بیگم کے پاس پہنچ گئیں۔

اے زلیخا! کس کو ڈانٹو ہو؟

شمسہ اور عمرانہ ہیں، بارش میں کھڑی بھیگ رہی ہیں۔

اماں بیگم نے کہا۔

دادی اماں کی عقاب کی سی نگاہوں نے فوراً ہی دونوں کو تاک لیا۔

بالکل ہی دو دن کی چھٹلنی بنی ہوئی ہیں۔

اماں بیگم بڑبڑائیں۔

ان دونوں لڑکیوں کی تو یہ پرانی عادت ہے۔

دادی اماں بولیں۔

اماں بیگم خاموش رہیں۔

بچپنا نہیں جاتا طبیعت کا۔ کہنے کو ایک اس سال بی۔ اے کرلے گی اور دوسری ایف۔ اے۔

دادی اماں کے غصے میں پیار کا عنصر بھی تھا۔

چھٹ باجی اور آپا جان پانی میں چھپ چھپ پاؤں مارتی اور بڑبڑ کرتی اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

ان کو اندر گئے دیر نہیں ہوئی تھی کہ شفو بٹیا جانے کدھر سے بھدر بھدر بھاگتی ہوئی آئیں اور چلیں پانی میں چھپ چھپ کرنے۔ مگر ایک سے دوسرا قدم اٹھانے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ پاؤں جو پھسلا تو برآمدے کے چکنے فرش پر یوں چت پڑی نظر آئیں جیسے آپریشن تھیٹر میں مریض لیٹتا ہے۔ بن میاں نے اس سین کو دیکھ کر تالیاں بجانی شروع کر دیں۔ شفو بٹیا کے بھونپو کی آواز سن کر چچی جان تیر کی طرح اپنے کمرے سے نکلیں اور تیز تیز قدموں سے شفو بٹیا کے قریب پہنچ کر بجائے ان کا

دلار کرنے کے دو ہاتھ جڑ دیئے۔

ابھی فراک بدلی تھی، ستیاناس کر لی۔

اور امّی، ربن بھی خراب کر لیا۔

بمن نے لقمہ دیا۔

چچی جان بمن میاں کی بات پر دھیان دیئے بغیر شفو کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹتی ہوئی اندر لے گئیں اور بمن میاں پانی میں ناڈ تیرانے کے ارادے سے جلدی سے ابّا میاں کے کمرے کی طرف بھاگے کہ شاید کوئی پرانا اخبار یا رسالہ ہاتھ آجائے۔

رمضانی نے کھانا میز پر لگا کر سب کو اطلاع کروانے کے لئے فنو کو اطلاع دی تو اسی لمحے بجلی بڑے زور سے چمکی۔ دادا جان اپنے بستر پر لیٹے لیٹے سہم گئے۔ فنو ان کا کھانا لے کر اندر پہنچا تو وہ اپنا ڈر اور خوف بھول کر اس پر برس پڑے۔

کیوں بے فنو، تُو آگیا مجھے تنگ کرنے۔

فنو نے جواب میں اپنے پیلے پیلے دانت نکوس دیئے۔

لے جا یہ کھانا یہاں سے، مجھے بھوک نہیں۔

جی ـــــ وہ بڑے صاحب۔

بڑے صاحب کا بچّہ، اس سے کہیں بہتر کھانا تو گھر کے کتّے بلیوں کو کھلاتا ہے تو۔

مجبوری ہے صاب۔

کیا مجبوری ہے؟

آپ کا مرض دُور ہو جائے گا تو آپ کو بھی خوب چٹپٹے کھانے کھلاؤں گا۔

تو پکّا بے ایمان اور جھوٹا ہے، ایک سال سے یہی کہہ کر مجھے تسلّیاں دے رہا ہے۔

فنو اپنے خطابات کو سُن کر ایک دم ہنس پڑا۔

ہنستا ہے، بے وقوف۔

دادا جان کا پارہ ہائی ہو گیا۔

فنو جلدی سے منہ بھینچ کر اپنی ہنسی روکنے لگا۔

اچھا تو یہ بتا کہ تو ہے کون، حکیم یا ڈاکٹر؟

جی۔

فنو نے حیران ہو کر ان کی طرف دیکھا۔

تجھے کیسے معلوم ہوا کہ مجھے بیماری ہے؟

سب کہتے ہیں۔

سب تو بکتے ہیں، تو اپنے آپ کو ان بکواسیوں میں کیوں شامل کرتا ہے۔

اب نہیں کروں گا صاب!

اچھا تو اسی بات پر چپکے سے باورچی خانے میں جا اور باقی لوگوں کے لئے جو کچھ پکا ہے اسی میں سے میرے لئے بھی لے آ۔

اگر بڑی بیگم صاحبہ کو معلوم ہو گیا تو.....

ڈرتا کیوں ہے۔ بڑی بیگم تجھے جان سے تو نہیں مار ڈالیں گی۔ دادا جان نے کہا۔

اچھا آج یہی کھانا کھا لیجئے، کل سے.....

فنو کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی دادا جان نے گھور کر اس کی طرف دیکھا۔

تم لوگ کیوں میرے ساتھ کتوں کا سا سلوک کرتے ہو،
دیکھنا تو سہی کیسا عذاب پڑے گا تم لوگوں کے اوپر۔
فتو جلدی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔
یہ کھانا بھی لیتا جا، ورنہ میں اٹھا کر پھینک دوں گا۔
دادا جان دہاڑے۔
مگر فتو کان دبا کے آگے بڑھ گیا۔ اسے معلوم تھا کہ دادا جان کھانا پھینکیں گے ہرگز نہیں۔ بک جھک کر آخر کھا ہی لیں گے۔ یہ روزانہ کا معمول تھا اور فتو اب اس بات کا عادی ہو چکا تھا۔
شجور انی نے اپنی کرسی سنبھالتے ہوئے میز کے چاروں طرف نگاہ دوڑائی تو انہیں بنفشہ باجی نظر نہیں آئیں۔
رمضانی، بنفشہ باجی سے کہو کھانا کھالیں۔
شجور انی نے کہا۔
بنفشہ بی بی کھانا نہیں کھائیں گی۔
کیوں ؟
کہتی ہیں بھوک نہیں۔
ارے واہ، بھوک کیسے نہیں۔
شجور انی اپنا سبز آنچل لہراتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئیں۔ بنفشہ باجی کمرے میں نظر نہیں آئیں تو وہ حیرت زدہ سی ہو کر برآمدے میں نکل آئیں۔ ریلنگ کا سہارا لئے وہ چپ چاپ کھڑی پانی میں تیرتی ہوئی کاغذی ناؤ کو تکے جا رہی تھیں۔

جو بنّن میاں ذرا دیر پہلے تیرا کر گئے تھے۔
کھانا نہیں کھائیں گی باجی !
شجور انی نے کہا تو بنفشہ چونک پڑی۔
ایں ! نہیں !
کیوں ؟
بھوک نہیں۔
آپ کو میری جان کی قسم تھوڑا سا کھا لیجئے۔
شجور نے بنفشہ باجی کے گلے میں بانہیں ڈال کر کچھ اتنے پیار سے کہ وہ بھوک نہ ہونے کے باوجود انکار نہ کر سکیں۔
کھانے کے کمرے میں پلیٹوں اور چمچوں کی آواز کے ساتھ باتوں کی آواز بھی شامل تھی۔ شفو بٹیا ہنک ہنک کر کے روتی جا رہی تھیں اور چاول کھانے کے لئے ضد کر رہی تھیں۔
کیوں ضد کرو ہو بٹیا۔ انّی تو تمہیں کھانسی ہو رہی ہے۔
بس اب یہ جوتے کھائے گی میرے ہاتھ سے۔
چچی جان نے شفو کو گھورا۔
کون سے جوتے امّی۔ وہی نا جو پچھلے ہفتے ابّو میرے لئے لائے تھے۔
بنّن میاں جلدی سے بولے۔
بہت بولنے لگے ہو تم۔
چھٹّو باجی نے بنّن کو گھرکی دی۔

ہاں، پر بھی مار کھائے بغیر دُبلے ہو رہے ہیں۔

چچی جان نے ببّن میاں کی طرف دیکھا۔

ببّن میاں جلدی سے اپنی پلیٹ پر جُھک گئے۔

ابّا میاں نے سب سے پہلے کھانے سے ہاتھ کھینچا تو امّاں بیگم نے فکر مند
کی طرف دیکھا۔ ان کا فکر مند ہونا کچھ بے جا بھی نہیں تھا۔ ان کے چہیتے خوش خ
شوہر نامدار اتنی جلدی کھانے سے ہاتھ روک لیں؟ بات تعجّب کی ہی تو تھی۔

خیریت تو ہے، آپ نے اتنا تھوڑا سا کھانا کھایا؟

ہاں، بس۔

ابّا میاں نے اپنے مٹکے پر ہاتھ پھیرا۔

کھانا پسند نہیں آیا۔

امّاں بیگم نے پوچھا۔

کھانا تو بہت اچھا ہے بیگم، مگر....

مگر

شام کو فاروقی کے ساتھ ہوٹل چلا گیا تھا، بس وہیں ذرا....

ابّا میاں نے کنکھیوں سے امّاں بیگم کے اتار چڑھاؤ کا جائزہ لیا۔

ہاں تو یوں کہیئے، میں نے ناحق پالک گوشت پکانے میں آپ کے لئے
محنت کی۔

امّاں بیگم نے مصنوعی ناراضگی سے کہا۔ لیکن پیار تھا کہ چہرے سے جھلکا
تھا۔ اور کسی نے اپنی باتوں میں مگن ہو کر چاہے اس طرف دھیان دیا ہو یا نہ

مگر شجّو رانی جو زمانے بھر کی دادی تھیں، ان کی نگاہوں نے سب کچھ تاڑ لیا اور
دماغ نے سب کچھ محسوس کر لیا۔ عمر کی چھوٹائی بڑائی سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اور پھر وہ تو
تھیں ہی گھاگ۔ اچھی طرح جانتی تھیں کہ امّاں بیگم کو ابّا میاں کی خوش خوراکی بہت
بھاتی تھی۔ ان کا بس نہیں چلتا تھا کہ سارا دن باورچی خانے میں گھسی ابّا میاں کے
لئے کھانے پکاتی رہیں۔

ابّا میاں کے بعد بنفشہ باجی بھی اٹھ کھڑی ہوئیں۔ دادی امّاں نے فوراً انہیں
اتنا کم کھانے پر ٹوکا۔

میں کہوں تو اتنا کم کیوں کھا دے ہے۔ سوکھتی چلی جا رہی ہے لکڑی کی ~~طرح~~
(طرح)

بس، اتنی ہی بھوک تھی دادی امّاں۔

جب کچھ کہو، یہی جواب دیوے ہے۔

بنفشہ کرسی کی پشت پکڑے ان کی تقریر سنتی رہی۔

تھوڑا سا کسٹرڈ ہی کھا لو بنفشہ۔

بڑی امّاں بولیں۔

صبح ناشتے میں کھا لوں گی۔

صبح تک کہاں دھرا رہے گا۔ یہ لڑکے بھلا چھوڑیں گے؟

امّاں بیگم نے کہا۔

ہاں بنفشہ بیگم ابھی کھا لو، ورنہ بیکار میں صبح پچھتاؤ گی۔

شکیل بھائی بولے۔

اور اگر موڈ نہیں ہے تو اپنا حصہ مجھے دے دو۔

سجاد بھائی مسکرائے۔

لے لیجئے۔

بنفشہ نے کہا اور باہر چلی گئی۔

لڑکی کا جی آج کچھ ماندہ ہے۔

دادی اماں نے کہا۔

ہاں دوپہر سے بڑی چپ چپ ہے۔

چچی جان بولیں اور ببن میاں کی طرف متوجہ ہوگئیں۔ جن کا ہاتھ لگنے سے گلاس میز پر الٹ گیا تھا اور کچھ پانی ان کی سالن کی پلیٹ میں گر گیا تھا۔

اس کے ہاتھوں میں تو ہر وقت کھجلی ہوتی رہتی ہے۔

چچی جان اپنی خوب صورت سی پیشانی پر تیوریاں ڈال کر بولیں۔

ببن میاں نے مسکین صورت بنا کر ان کی طرف دیکھا۔

چلو اٹھو، لبن کھا چکے بہت، کسی طرح پیٹ ہی نہیں بھرتا۔

چچی جان نے حکم صادر کیا۔

ببن میاں رونی صورت بنا کر اٹھنے لگے تو بڑی اماں کو ترس آگیا۔

"اے ہے کیوں اٹھا رہی ہو اسے عائشہ، ابھی اس غریب نے کسٹرڈ تو کھایا ہی نہیں۔"

"دے دو اسے ذرا سا کسٹرڈ شمسہ!"

چچی جان نے کہا۔

شجو رانی نے غور کیا کہ بڑی اماں آج سب کو کسٹرڈ بہت کھلا رہی ہیں۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے۔ قریب بیٹھی چھٹ باجی سے کھسر پھسر کرنے پر معلوم ہوا کہ کسٹرڈ بڑی اماں نے پکایا ہے۔

"ہوں تو یہ بات ہے"

شجو رانی نے فلسفیوں کی طرح گردن ہلائی اور تھوڑا سا کسٹرڈ اپنے سامنے رکھے ہوئے پیالے میں نکال لیا۔ ایک چمچہ منہ میں ڈالتے ہوئے بولیں۔

"اچھا نہیں ہے کسٹرڈ۔"

"اس لڑکی کو تو کوئی چیز پسند ہی نہیں آتی۔"

بڑی اماں چڑ کر بولیں۔

"شبراتن نے ٹھیک طرح سے پکایا ہی نہیں تو۔۔۔۔"

"شبراتن کا ہے کو پکاتی۔ میں نے سرمارا ہے اپنا۔"

"ارے آپ نے پکایا ہے!؟"

شجو رانی نے انتہائی مسکین صورت بنا کر کہا اور جلدی جلدی کسٹرڈ کھانے لگیں۔

بنفشہ کمرے سے نکل کر برآمدے میں جا رہی تھی کہ صوفیہ سے مڈبھیڑ ہوگئی۔

"کہاں کے ارادے ہیں بنفشہ بیگم؟"

"کہیں کے نہیں، بس ذرا۔۔۔"

"کھانا کھا چکیں؟"

"جی۔ آپ نے ابھی تک نہیں کھایا؟"

"ابھی نہیں۔ ڈیڈی کا انتظار کر رہی تھی۔

"چھوٹے چچا اب تک نہیں آئے؟"

"ان کی کوئی میٹنگ ہے۔ دیر سے آئیں گے۔"

"آج آپ بھی کلب نہیں گئیں؟"

"نہیں، آج میرا موڈ نہیں تھا کلب جانے کا۔"

اتنے میں بنفشہ نے دیکھا کہ دادا جان مسہری پر تکیوں کے سہارے بیٹھے شعلہ بار نگاہوں سے صوفیہ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ صوفیہ کی شامت ہی آئی تھی جو وہ ان کے کمرہ کے سامنے رک گئی تھی۔ بنفشہ نے سوچا کہ دادا جان یقیناً صوفیہ کی عریاں بانہوں کو دیکھ کر پیچ و تاب کھا رہے ہوں گے۔

چھوٹے چچا کا ضرورت سے زیادہ موڈرن ہونا اور بیوی اور بیٹی کو بے جا آزادی دینا دادا جان کو سخت ناپسند تھا۔ ان کا خیال تھا کہ چھوٹی بہو اور ان کی بیٹی انتہائی فیشن ایبل لباسوں میں کلب جا کر خاندان کی شرافت کے پرخچے اڑا رہی تھیں۔ ناچ، گانا ان کے نزدیک خاندان کے اصولوں کی خلاف ورزی تھی۔ وہ یہ سوچ سوچ کر پچھتاتے تھے کہ ان کے مرحوم بھائی افتخار حسین خاں نے اپنے بیٹے کو ولایت بھیج کر سخت غلطی کی تھی۔ سچی بات تو یہ تھی کہ چھوٹی چچی اور صوفیہ کو باقی سب لوگوں کے ساتھ رہنا پسند بھی نہیں تھا۔ بس ذرا دادی اماں کا لحاظ تھا ورنہ وہ تو کب کی اپنے میاں کو لے کر اس گھر سے اڑنچھو ہو گئی ہوتیں۔ حالانکہ دادی اماں نے اپنے بیٹے کو قریب رکھنے کے لئے ان تینوں کو اس حد تک سہولت دے رکھی تھی کہ کوٹھی کا بالکل علیحدہ حصہ ان کے لئے وقف کر دیا گیا تھا۔ ان کا خانساماں بھی الگ تھا۔ جو بقول خود اسی کے فرانسیسی چینی، جاپانی، انگریزی، ایرانی اور ترکی اور نہ جانے کون کون سی اقسام کے کھانے تیار

کرنیکا اسپیشلسٹ (اسپیشلسٹ) تھا۔ ہندوستانی کھانے تو ان ماں بیٹی کے من کو بھاتے ہی نہ تھے۔ دادی اماں کو پکا یقین تھا کہ کسی موئی فرنگن کی روح ان دونوں ماں بیٹیوں میں حلول کر گئی ہے۔ شبراتن بوا بھی اس سلسلے میں ان سے سو فیصد اتفاق کرتی تھی۔

اتنے میں دادا جان کی بارعب آواز سنائی دی۔

"ہزار مرتبہ کہہ چکا ہوں کہ یہ واہیات لباس پہن کر میری نظروں کے سامنے نہ آیا کرو۔ مگر یہ ماں بیٹیاں تو سنتی ہی نہیں۔ صاحبزادے نے کھلی چھٹی دے رکھی ہے بیوی اور بیٹی کو۔"

صوفیہ نے ایک نظر دادا جان کی طرف دیکھا اور بڑبڑاتی ہوئی دوسری طرف چلی گئی۔

"ہونہہ، بالشت بھر کی چھوکری اور ہمارے اوپر بڑبڑاتی ہے۔ بس اپنی سن مانی کارروائیاں کرنے دو ان ماں بیٹیوں کو تو خوش رہیں گی۔ عجیب زمانہ آگیا ہے۔ بزرگوں کی کوئی عزت ہی نہیں رہ گئی۔ یہ سب قرب قیامت کے آثار ہیں۔"

دادا جان اپنے آپ بڑبڑائے چلے جا رہے تھے۔

پھر، یکدم ہی انہوں نے بنفشہ کی طرف بڑے غور سے دیکھا اور بولے۔

"تم وہاں کھڑی کون سا کارنامہ انجام دے رہی ہو، ادھر آؤ۔"

بنفشہ نے سہمے ہوئے انداز سے ان کی طرف دیکھا اور حکم کی تعمیل میں کمرے میں داخل ہو گئی۔

"جی دادا جان۔"

"جی اور جناب کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

دادا جان کچھ جھنجھلا کر بولے۔

"جی پھر؟"

"کھانا کھایا تم نے۔"

"جی۔ کھایا۔"

کیا کھایا؟

"آلو گوشت، روٹی اور میٹھی چٹنی۔"

"بس یہی پکا تھا؟"

نہیں اور بھی کئی چیزیں تھیں۔"

"ارے یہ وہی تو پوچھ رہا ہوں۔ باقی لوگوں نے کیا کچھ کھایا؟"

بنفشہ نے انتہائی معصومیت سے ساری چیزوں کے نام گنوا دیئے۔

"ہوں، مال اڑانے کے لئے تم لوگ ہو اور پرہیزی کھانا کھانے کے لئے میں ہوں۔"

دادا جان تلملا کر بولے۔

بنفشہ ان کی بات کا کیا جواب دیتی۔ سر جھکائے خاموش کھڑی رہی۔

"اور آج تم تھیں کہاں صبح سے؟"

دادا جان کو ایک دم اس کی غیر حاضری کا خیال آگیا۔

"جی۔ وہ — میں صبح تو کالج گئی تھی اور دوپہر سے گھر میں ہی ہوں۔"

"آج تم نے مجھے اخبار پڑھ کے بھی نہیں سنایا۔"

"میں دوپہر میں آئی تھی اخبار سنانے کے لئے تو آپ سو رہے تھے۔"

بنفشہ نے سہم کر کہا۔

"ارے بھئی کسی وقت اٹھا بھی تو ہوں گا کہ مستقل سوتا ہی رہا۔"

"اب سنا دیتی ہوں۔"

بنفشہ نے کہا۔

"اب کیا سنا دوگی۔ میں نے خود پڑھ لیا ہے۔"

"جی اچھا۔"

"اچھا کیا مطلب، اور کسی کو تو توفیق ہی نہیں ہے۔ تم نے بھی جان چرانا شروع کر دیا۔"

بنفشہ ٹکر ٹکر ان کا منہ تکنے لگی۔

"اب میرا منہ کیا تک رہی ہو۔ میں تم لوگوں کا محتاج تو ہوں نہیں۔ مجھے پڑھ کر سناؤ گی تو تمہاری ہی انگریزی اچھی ہوگی۔"

بنفشہ کو بھی یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ دادا جان اس سے اخبار یا میگزین صرف اس لئے پڑھوا کر سنتے ہیں کہ انگریزی کچھ امپروو (Improve) ہو، لیکن سوائے شجو رانی کے سبھی انگریزی پڑھنے سے گھبراتے تھے۔ اور خاص طور سے چھٹ باجی کا تو دل بیٹھنے لگتا تھا انگریزی پڑھتے وقت، ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ جاتے تھے۔ اور صورت سے ایکدم ہونق معلوم ہونے لگتیں۔ اپنے بارے میں یہ ساری تفصیلات خود انہوں نے ہی بنفشہ کے گوش گزار کی تھیں۔

انگریزی پڑھنے سے تو بنفشہ بیگم کو بھی دلچسپی نہ تھی۔ اب یوں مارے باندھے سے تو سبھی کام کر لیا کرتے ہیں۔ اب رہ گئیں شجو رانی تو ان کے بارے میں قصہ

یہ تھا کہ ان کی انگریزی تو بہت اچھی تھی اس لئے دادا جان کی منظورِ نظر پوتیوں میں سے تھیں۔ لیکن دوسری طرف وہ مسخری بھی تھیں اور دادی اماں کا خیال تھا کہ ان کی زبان بھی ایک نہ دو پورے پانچ ہاتھ کی ہے۔

اب کس سوچ میں کھڑی ہو؟ دادا جان نے کہا۔" یہ میز پر رکھا ہوا میگزین مجھے پڑھ کر سناؤ۔

بنفشہ کا موڈ تو اس وقت صرف چپ چاپ بیٹھ کر سوچنے کا تھا۔ مگر بزرگوں کے حکم سے سرتابی کرنا اس نے سیکھا ہی نہیں تھا۔ کرسی دادا جان کی مسہری کے قریب کھینچ بیٹھ گئی۔

بنفشہ دادا جان کے کمرے سے نکلی تو دس بج چکے تھے۔ وہ برآمدے کی ریلنگ پر دونوں ہاتھ ٹیک کر کھڑی ہو گئی۔ اور باہر تاریکی میں جانے کیا تلاش کرنے لگی۔ اوپر آسمان پر گھپ اندھیرا چھایا ہوا تھا اور بارش تھی کہ رُکنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ سڑک کے دونوں جانب جلتے ہوئے بلبوں کی روشنی کا عکس پانی میں جھلملا رہا تھا رات کی رانی کی مسحور کن خوشبو چنبیلی کی سگندھ سے گلے مل رہی تھی۔ ڈرائنگ روم سے ابا میاں، چچا جان، اماں بیگم اور بڑی اماں کی آواز آ رہی تھی۔ بحث کا موضوع سلیمان بھائی تھے، جو عنقریب ہی جرمنی سے آنے والے تھے۔ سلیمان بھائی چھوٹے چچا کے بیٹے اور صوفیہ بیگ کے چہیتے دلارے تھے۔

"اے بھیا، تم دیکھ لینا وہ لڑکا یہاں نہیں ٹکے گا۔"

اماں بیگم نے چچا میاں سے کہا۔

"نہیں بھابی، سلمان اپنی ماں بہن سے بالکل مختلف ہے۔"

چچا میاں نے غالباً پائپ کا دھواں نکالتے ہوئے کہا۔

"ارے میاں، برسوں ہو گئے اسے باہر گئے ہوئے، اب تک ویسا ہی تھوڑا ہو گیا"

"بھئی میں تو کہتا ہوں کہ وہ کیسا بھی ہو، کہیں رہے، کچھ بھی کرے، تم لوگوں کو بحث میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔"

ابا میاں نے لاکھ روپے کی بات بتائی،

اس کے بعد ان لوگوں میں جانے کیا کھسر پھسر ہوتی رہی۔

بنفشہ نے بھی اپنا دھیان دوسری طرف ہٹا دیا۔ شاید چھٹ باجی کے کمرے میں بڑے زوروں میں تاش کی بازی جمی ہوئی تھی۔ آپا جان، چھٹ باجی، شکیل بھائی، اور سجاد بھائی نے ایک چیخم دھاڑ مچا رکھی تھی۔ بنفشہ کی نگاہ دادا جان کے سامنے والے کمرے کی طرف اُٹھ گئی۔ یہ بڑے بھیا کا کمرہ تھا، جس میں گھپ اندھیرا تھا اور بڑے بھیا بقول دادی اماں کے جانے کہاں ٹکریں مارتے پھر رہے تھے۔ صبح سے بارش کے آثار دیکھ کر سبھی کوشش کر کے جلدی سے گھر آ گئے تھے۔ مگر انہیں تو گھر جیسے کاٹنے کو دوڑتا تھا۔

بڑی اماں کا کہنا تھا کہ بڑے بھیا نے گھر کو سرائے سمجھ رکھا تھا۔ اور ان کا کہنا کچھ غلط بھی نہ تھا۔ کہیں ہفتوں میں چلتے پھرتے ان سے علیک سلیک اور دو چار رسمی باتیں ہو جاتی تھیں۔ ورنہ گھر والے ان کی صورت دیکھنے کے لئے ترسا کرتے تھے۔

"اللہ جنے کون سے مشگلے (مشغلے) اس لڑکے کو باہر دوڑاتے ہیں؟"

دادی اماں سوچ سوچ کر پریشان ہو جاتیں۔

فتو کا کہنا تھا کہ بڑے بھیّا کسی بہت بڑے بجنس (بزنس) میں مصروف رہتے ہیں۔

اور بڑی اماں تو بے چاری اپنے بیٹے کے فکر میں دن بدن گھلتی جارہی تھیں۔ بچوں کو چھوڑ کر گھر کے ایک ایک فرد سے پوچھا کرتیں۔

"اے بھیّا، تمہیں پتہ ہے کچھ، یہ شعیب دن بھر کہاں رہتا ہے؟ اور کیا کرتا ہے؟"

"اے بیٹا، تم سے اس نے کبھی کوئی ذکر کیا، آخر چکر کیا ہے؟"

"بھابی، شعیب بالکل بھائی صاحب پر گیا ہے۔ دن بھر لائبریریوں کی خاک چھانا کرتا ہوگا۔"

ابّا میاں دلاسہ دیتے۔

"چکر وکر کیا ہوگا بڑی اماں، آخر ہر مہینے اتنے ڈھیر سارے روپے لاکر آپ کے ہاتھ پر رکھتے ہیں تو دفتر کے علاوہ اور کہاں جاسکتے ہیں۔"

"اے ہے تو کیا سارا دن اور ساری رات دفتر میں رہتا ہے؟ مجھے چلاتا ہے لڑکے۔

بڑی اماں شکیل بھیا کو ڈانٹ دیتیں۔

"آپ فکر کیوں کرتی ہیں رات کو تو گھر آکر سوتے ہیں۔"

سجاد بھائی ہنستے۔

"ہاں اور کیا، سرائے ہے، رات بسر کرنے آجاتے ہیں۔"

بڑی اماں ساری فکر، پریشانی اور پیار بھول کر غصّہ میں آجاتیں۔

"بڑی اماں یہ بھی ممکن ہے انہوں نے کہیں چپکے سے شادی کرلی ہو؟" شکیل بھائی کی رگِ شرارت پھڑک اٹھتی۔

"اے لڑکے تیرے منہ میں خاک، چپکے سے کیوں کرے گا شادی، ابھی تو مجھے اس کے سہرے کے پھول دیکھنے ہیں۔"

بڑی اماں وسوسوں میں گھر کر کہتیں۔

بڑے بھیّا کے متعلق سوچتے ہوئے بنفشہ کا ذہن بھٹک گیا۔ سینے میں درد کی اک لہر سی اٹھی اور پورے جسم میں سرایت کرگئی۔ پلکوں کی جھلملاتی ہوئی چلمن کے اس پار دیکھا تو ماضی کے ویران اور سونے آنگن میں پھول بکھرے پڑے تھے دل میں ٹیسیں اٹھتی تھیں تو خاموش آہیں دل کو اندر ہی اندر سلگانے لگتی تھیں کچھ بھولے بسرے چہرے یاد آکر آنکھوں کے ساحل کو سمندر بنا دیتے اور پھر آنکھوں کے سامنے بس صرف دھندلکے چھا کر رہ جاتے، ایسے میں اگر شجر رانی کہیں دیکھ لیتیں تو ان کی بھیگی پلکیں اپنی گلابی گلابی انگلیوں سے چھو کر کہتیں:

کیوں روتی ہیں بنفشہ باجی؟

"روتی تو نہیں شجیعہ! وہ تو ــــ بس ذرا ..."

اور اس کے آگے ان سے کوئی جواب نہ بن پڑتا۔ اپنی پلکیں جھپکاتے ہوئے وہ زبردستی مسکرانے لگتیں۔

اور اس وقت بھی ایسا ہی ہوا۔ یادوں کی گھٹا جھوم کے آئی، دل کے خاموش افق پر لہرائی اور نینوں سے رم جھم رم جھم پھوار برسنے لگی۔ مگر اس وقت کسی کی نرم اور گلابی انگلیوں نے بھیگی پلکوں کی چلمن کو آہستگی سے چھوتے ہوئے یہ نہ پوچھا:

"کیوں روتی ہیں بنفشہ باجی!"

پوچھنے والی تو اس وقت کتابوں کا کیڑا بنی ہوئی تھی۔

اور بنفشہ کو جی بھر کے رونے کا موقع مل گیا۔ اس کا دل تو صبح ہی سے رونا کو چاہ رہا تھا۔ اگر اس وقت شجیہ آجاتی تو بنفشہ کو جلدی سے اپنی آنکھوں کو پیدا سے رگڑ، پلکیں جھپکا کر کہنا پڑتا۔

"روتی تو نہیں شجیعہ، وہ تو بس ذرا ....."

اور پھر دل پہ منوں بوجھ رہ جاتا، دماغ اُلجھ کر رہ جاتا۔

اوپر گہرے کالے بادل اِدھر اُدھر دوڑتے پھر رہے تھے۔ بارش تھم گئی تھی بجلی کے تاروں پر چپکتے ہوئے بارش کے قطرے ٹپ، ٹپ کی آوازوں کے ساتھ نیچے گر رہے تھے اور پانی میں گول دائرے بن بن کر مٹ رہے تھے۔ بنفشہ کے سینے میں سوئے ہوئے طوفان کروٹیں بدل بدل کر جاگ اٹھے تھے۔ دماغ جھنجھنا اٹھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام کر ریلنگ سے کمر ٹکالی۔ بے شمار لمحے بنا آہٹ کے گزر گئے۔ اور پھر باہر سڑک پر بہتے ہوئے پانی میں شٹراپ شٹراپ کی آوازیں بلند ہوئیں۔ گیٹ کھلنے کی آواز آئی۔ بجری کی روش پر کسی کے مضبوط قدموں کی آواز گونجی۔ سیڑھیوں پر جوتے رگڑ رگڑ کر مٹی صاف کی گئی۔ لیکن اس تمام کارروائی کے دوران بنفشہ اسی طرح کھڑی رہی۔ ہاں، اتنا ضرور ہوا کہ اس نے چپکے سے اپنی پلکوں پر چلتے ہوئے خاموش چراغوں کو آنچل میں چھپا لیا۔ جب آنے والا اس کے قریب آکر رُک گیا تو اس نے نظریں اٹھا کر دیکھا۔ اور اپنی آواز پر قابو پا کر کہا۔

"السلام علیکم! شعیب بھائی۔"

وہ بڑے بھیّا کو ہمیشہ شعیب بھائی کہہ کر مخاطب کرتی تھی۔

"جیتی رہو۔"

وہ مسکرائے اور ایک لمحے کے لئے ان کی نگاہیں اس کے چہرے پر جم کر رہ گئیں۔

"کیا بات ہے بنفشہ؟"

"جی! کچھ بھی نہیں۔"

"پھر تم کیوں روئی تھیں؟"

"میں کب روئی تھی؟ وہ تو مجھے نزلہ ہو رہا ہے نا اسی لئے آنکھیں ....."

"تم مجھے بیوقوف نہیں بنا سکتیں بنفشہ بیگم۔ میری آنکھیں صرف ایک لمحے میں دل کی گہرائیوں میں جھانک لیتی ہیں۔"

بنفشہ نے سوچا کہ شعیب بھائی کچھ غلط بھی نہیں کہتے۔ لیکن اس نے ان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ سر جھکائے کھڑی رہی۔

"اچھا آؤ، میرے کمرے میں آجاؤ۔"

بڑے بھیّا نے کہا۔

بنفشہ نے کسی کی حکم عدولی کرنا سیکھا ہی نہیں تھا۔ وہ چپ چاپ گردن جھکائے ان کے پیچھے چل دی۔ بڑے بھیّا نے اپنے کمرے میں پہنچ کر لائٹ آن کی اور بنفشہ کو کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے باتھ روم میں گھس گئے۔ بنفشہ ان کے نفاست سے سجے ہوئے کمرے کا جائزہ لینے لگی۔ تھوڑی دیر بعد بڑے بھیّا انسان کی جون میں باتھ روم سے برآمد ہوئے تو بنفشہ نے تحسین آمیز نگاہوں سے ان کے سراپے کو دیکھا لیکن ان کے سانولے سلونے چہرے پر نظر پڑتے ہی اس کے دل کو تکلیف ہوئی۔ کیسا کملایا ہوا لگ رہا تھا ان کا چہرہ۔ صاف معلوم ہو رہا تھا

کہ انہوں نے صبح سے کچھ نہیں کھایا ہے۔ اسے یوں اپنی جانب محویت سے تکتے دیکھا تو بڑے بھیا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

"کیا جائزہ لیا جا رہا ہے؟"

وہ اس کے قریب رُک کر بولے۔

"آپ کا مُرجھایا ہوا چہرہ دیکھ رہی ہوں۔"

"مُرجھایا ہوا چہرہ۔ بہت خوب۔"

بڑے بھیا اس کے جملے سے محظوظ ہوتے ہوئے بولے۔

"آپ نے کھانا نہیں کھایا نا۔"

"ہاں تم ٹھیک کہتی ہو۔"

بڑے بھیا نے کہا۔

"میں آپ کے لئے کھانا لاؤں؟"

"ہاں ضرور، لیکن بہت جلدی۔"

"بہت جلدی تو نہیں لا سکتی۔"

"پھر بھی کتنے منٹ لگیں گے؟"

"دس منٹ تو ضرور لگیں گے۔"

"اچھا جاؤ، تمہیں دس منٹ کی اجازت دیتے ہیں مابدولت۔"

بنفشہ کمرے سے باہر نکلتی ہی تھی کہ فتو اپنی اسفنج کی چپلیں گھسیٹتا ہوا آگیا اس کے ہاتھوں میں کھانے کی ٹرے تھی۔ وہ الٹے قدموں کمرے میں واپس آگئی فتو نے کھانا میز پر رکھ دیا۔

"ایک بوتل پانی بھی لے آؤ فتو۔"

بنفشہ نے کہا۔

"ابھی لایا بی بی۔"

بڑے بھیا کھانے پر نظریں جمائے جانے کن سوچوں میں ڈوب گئے۔

"کیا سوچ رہے ہیں شعیب بھائی؟"

"ہوں۔"

بڑے بھیا چونک گئے۔

"کھانا کھائیے۔"

"اکیلے۔"

"ہاں، ظاہر ہے باقی لوگ تو کھا چکے ہیں۔"

"اکیلے تو مجھ سے دنیا میں کوئی کام نہیں ہو سکتا۔"

بڑے بھیا کا لہجہ بہت عجیب تھا

"تم میرا ساتھ نہیں دے سکتیں۔"

"نہیں۔"

"کسی بھی معاملے میں میرا ساتھ نہیں دے سکتیں؟"

"کم از کم اس وقت کھانا کھانے میں تو آپ کا ساتھ بالکل نہیں دے سکتی"

"بہت افسوس ہوا مجھے یہ سُن کر۔"

"اور کس معاملے میں آپ کو میری مدد کی ضرورت ہے؟"

"وقت آنے پر بتا دوں گا۔ سچ مچ مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے بنفشہ"

بڑے بھیّا کی آواز بہت دھیمی تھی، اور ان کا سر کرسی کی پُشت سے ٹِکا ہوا تھا ان کے چہرے پر اس لمحے جو کیفیت تھی، اسے دیکھ کر بنفشہ سوچ میں پڑ گئی۔

"اچھا اس وقت تو کھانا کھایئے، ٹھنڈا ہو رہا ہے۔"

بڑے بھیا کچھ کہے بغیر کھانے کی طرف متوجہ ہو گئے۔

بڑے بھیّا نے ابھی کھانا شروع ہی کیا تھا کہ کمرے کے باہر چپلوں کی کھسر پھسر سنائی دی۔ اور بڑی اماں پردے سرکا کر اندر داخل ہو گئیں۔ بیٹے کو کھانا کھاتے دیکھ کر چہرہ پھول کی طرح کھل اُٹھا۔ ان کو دیکھتے ہی بڑے بھیّا احتراماً کھڑے ہو گئے۔

"السلامُ علیکم امّی جان!"

"جیتے رہو بیٹے۔"

بڑی امّاں نے اپنے بھاری بھرکم جسم کو کرسی میں فِٹ کر لیا۔ ایک نگاہ قریب بیٹھی ہوئی بنفشہ پر ڈالی اور گلا صاف کر کے بولیں۔

"کہاں رہ جاتے ہو بیٹا!"

ہمیشہ کی طرح انہوں نے اپنا فضول سا سوال دُہرایا۔ ظاہر ہے جس سوال کا کوئی جواب نہ ہو فضول ہی کہلائے گا۔

"کام تھا بہت ضروری۔"

بڑے بھیّا نے بھی ہمیشہ کی طرح نپا تُلا جواب دیا۔

"اللہ جانے کون سے ضروری کام ہیں جو آج تک ختم نہیں ہوئے۔"

بڑی امّاں نے اس انداز سے کہا جیسے اپنے آپ سے سوال کر رہی ہوں۔ بڑے بھیّا کی تو عادت تھی کہ اس قسم کی باتوں کے جواب میں وہ منہ میں گھنگھنیا

ل کر بیٹھ جاتے تھے۔ بڑی اماں بیچاری بک بکا کر اپنے آپ ہی چپ ہو جاتی ہیں۔

"آج تو صبح ہی سے بادل گھرے ہوئے تھے۔"

بڑی امّاں نے تمہید باندھی۔

"جی ہاں!"

"صبح سے ہی بارش کے آثار تھے۔"

بڑی امّاں نے کہا۔

"جی!"

"سبھی لوگ بارش کا خیال کر کے جلدی گھر آ گئے تھے۔"

بڑی اماں نے لفظ "جلدی" پر خاصا زور صرف کیا۔

"اچھا!!"

بڑے بھیّا نے ایک ذرا سی حیرت کا اظہار کیا۔

"مگر بیٹا! تمہیں توفیق نہ ہوئی کہ اپنا وہ بہت ضروری کام جلدی سے نمٹا ے گھر آ جاتے۔"

"وہ کام جلدی نہیں ہو سکتا تھا امّی!"

بڑے بھیّا مسکرائے۔

"آخر وہ کون سا منحوس کام ہے تمہارا جو کسی طرح ختم ہونے میں ہی نہیں آتا۔"

بڑی امّاں کے تیور ایک دم کڑے ہو گئے۔

"امّی خدا کے لئے لفظ منحوس تو نہ استعمال کیجئے۔"

بڑے بھیّا سنجیدہ ہو گئے۔

بڑی امّاں خاموش بیٹھی ان کی صورت تکتی رہیں۔ کچھ دیر کمرے میں بالکل خامو
رہی لیکن آخر کب تک؟ بڑی امّاں کی زبان میں پھر کھجلی ہوئی۔

"بیٹا! اب تم شادی کر لو۔"

"کب   ابھی؟"

بڑے بھیّا بے ساختہ بولے تو بنفشہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ بڑی ا
نے کہا ہی اس طرح تھا جیسے بڑے بھیّا کو ابھی پکڑ کے سہرا باندھ دیں گی۔ اور قاضی
بلا کے نکاح پڑھوا دیں گی۔

"دیکھو میاں یہ مذاق میں ٹالنے والی بات نہیں ہے۔"

"میں نے کب کہا کہ یہ مذاق میں ٹالنے والی بات ہے لیکن...."

"لیکن؟"

بڑی امّاں نے پوچھا۔

"یہ کہ ایسی کیا جلدی ہے؟"

"جلدی کیسے نہیں ہے۔ اب نہیں کرو گے تو کیا بڑھاپے میں کرو گے؟"

"ابھی میری عمر ہی کیا ہے امّی؟"

بڑے بھیّا نے مستقل غیر سنجیدگی اختیار کر رکھی تھی۔

"تمہاری عمر کے لڑکے تو بچّوں کے باپ بن جایا کرتے ہیں۔"

"لیکن مجھے باپ بننے کا کوئی شوق نہیں ہے۔"

بڑے بھیّا کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"تمہیں باپ بننے کا شوق ہو یا نہ ہو مجھے دادی بننے کا بہت شوق ہے۔"

بڑی امّاں نے کچھ اس انداز سے کہا کہ بنفشہ ہنس پڑی۔

"نانی تو بن چکی ہیں آپ، دادی بننا بھی ضروری ہے۔"

بڑے بھیا بولے۔

بڑی امّاں نے اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے انہیں گھورا۔

"ماشاءاللہ آپ کی دونوں بیٹیاں اب بال بچّوں والی ہیں۔"

بڑی امّاں نے پھر بھی ان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

"اچھا چلیئے غصّہ تھوک دیجئے، یہ بتایئے آپ نے کوئی لڑکی پسند کر لی ہے
ے لئے؟"

"لڑکیوں کا کوئی کال پڑا ہے۔ تم آج حامی بھرو، میں دس لڑکیاں پسند کر لوں
تمہارے لئے۔"

"لیکن میں دس لڑکیوں سے تو شادی نہیں کر سکتا۔"

"ارے تم ایک سے کر لو تو بڑا احسان ہوگا مجھ بڑھیا پر تمہارا۔"

"اب مشکل یہ ہے امّی کہ اگر کہیں میری اور آپ کی پسند جدا جدا ہوئی تو کیا ہوگا"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ تو نے اپنے لئے کوئی لڑکی پسند کر لی ہے؟"

"ابھی اس سلسلے میں کچھ کہنا مشکل ہے۔

بڑبھیا نے ایک نگاہ بنفشہ پر ڈالی جو نامعلوم سوچوں میں ڈوبی سر جھکائے بیٹھی تھی۔

کچھ دنوں کی مہلت تمہیں اور دی جا رہی ہے۔ اس کے بعد کوئی عذر نہیں جائے گا۔

بڑی اماں نے اٹھتے ہوئے کہا اور کسی تھانیدار کی طرح بڑبھیا کا اوپر سے نیچے تک جائزہ لے کر کمرے سے باہر چلی گئیں۔ بنفشہ بھی کھانے کے برتن اٹھا کر چلی گئی بڑبھیا دریچے کے چوکھٹ سے کمر ٹکائے اسے جاتا دیکھتے رہے۔

بنفشہ باورچی خانے سے نکل کر اپنے کمرے میں پہنچی تو بادل بڑی زور سے بجلی چمکی اور بارش دوبارہ شروع ہوگئی۔ اس نے اداس نظروں سے دریچے سے با

دیکھا اور بستر پر اوندھی پڑی شجیعہ کے پاس آکر بیٹھ گئی۔ وہ معمول کے مطابق کسی کتاب پر جھکی ہوئی تھی لیکن اپنی بنفشہ باجی کو دیکھتے ہی شجورانی کا چہرہ ایک دم کھل اٹھا کتاب بند کر کے تکیے پر رکھتے ہوئے مسکرائیں اور بولیں:

کہاں غائب تھیں آپ؟

باہر تھی پھر شعیب بھائی اپنے کمرے میں لے گئے۔

اچھا اب کیا ارادہ ہے؟

سوؤں گی۔

میں لائٹ بند کر دوں؟

نہیں تم پڑھو، میں چادر منہ پر لے لوں گی۔

بنفشہ نے کہا اور کپڑے بدلنے غسل خانے میں چلی گئی۔

اور کسی کو چاہے یاد ہو یا نہ ہو لیکن شجورانی کو بہت اچھی طرح یاد تھا کہ جب بنفشہ باجی اس گھر میں رہنے کے لئے آئی تھیں تو بہار کی آخری شام ڈوب چکی تھی اس وقت ان کی عمر اتنی نہیں تھی کہ بہار اور خزاں کی پہلی اور آخری شاموں کے متعلق ان کی معلومات ہوتیں۔ بالشت بھر کی چھوکری تو تھیں ہی۔ عمر یہی کوئی سات آٹھ سال ہوگی۔ آنکھوں میں چیڑ اور نتھنوں میں ناک بھرے سڑسڑ کرتی کدکڑے لگاتی پھرتی تھیں۔ ناک صاف کرنا ان کو اس وقت تک نہیں آیا تھا۔ دونوں نتھنوں کو کلے والی انگلی اور انگوٹھے کے درمیان دبا کر ناک کو بجائے نیچے سڑکنے کے اوپر سڑک جایا کرتی تھیں حالانکہ اماں نے کئی بار انہیں اپنے ساتھ بٹھا کر باقاعدہ پریکٹیکل کر کے ناک صاف کرنے کا طریقہ بتایا تھا۔ شجورانی بڑے انہماک سے اس پریکٹیکل کو دیکھتیں۔ لیکن جب

خود پریکٹیکل کرتے کا وقت آتا تو سڑکی آواز کے ساتھ ناک کو اوپر کر جاتیں جو ہا
کے راستے ہوتی ہوئی پیٹ میں پہنچ جایا کرتی تھی۔

ہاں تو اس روز قصہ یہ ہوا تھا کہ بنفشہ باجی کے آنے سے گھنٹہ آدھ گھنٹہ
پہلے سجاد بھائی نے بڑی آپا سے کہا تھا۔

آج بہار کی آخری شام ہے اور یہ بہار کا آخری گلاب ہے۔

شجورانی اس وقت مالی کی لونڈیا سوسن کے ساتھ رسی کودتی ہوئی وہیں آکر
کھڑی ہوگئی تھیں اور سجاد بھائی کا جملہ سن کر انہوں نے ذہن نشین کر لیا تھا تاکہ گھر
کے دوسرے افراد کو سنا کر اپنی ذہانت کا سکہ بٹھا سکیں۔ یہ ان کی خاص عادت تھی کہ
جہاں کسی سے کوئی بات سنی چھپکلی کی طرح دیدے ساکت کر کے اسے سنا اور دوسرے
لوگوں کے درمیان بیٹھ کر اس جملے کو لفظ بہ لفظ دہرا دیا۔ سب کہتے:

ماشاءاللہ بڑی ذہین بچی ہے۔

اور بچی کو اپنی اہمیت کا احساس ہونے لگتا۔

جس وقت ابا میاں بنفشہ باجی کے ساتھ گھر میں داخل ہوئے تو شجورانی برآمدے
کی سیڑھیوں پر بیٹھی سوسن کے سر میں سے دو موٹی موٹی پہلوان جیسی جوئیں پکڑنے میں مصروف
تھیں جو تھیں تو اوپر ہی لیکن بڑی تیزی سے پھسلتی ہوئی شجورانی کو جل دینے کی کوشش
کر رہی تھیں۔ مگر شجورانی جوئیں پکڑنے میں بڑی ماہر تھیں۔ ایک دفعہ تو اماں نے انہیں
جمعدارنی کی لونڈیا کے سر میں سے جوئیں پکڑتے دیکھا تھا۔ اماں کے تن بدن میں آگ
ہی تو لگ گئی اس گندگی پر۔ بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتی ہوئی اندر لے گئیں اور چھٹ باجی کے
ہاتھ سے بڑا والا آئیل کھینچ کر، جس سے وہ کاپی پر لائنیں کھینچ رہی تھی، کسی بدمزاج اور

ظالم ماسٹرنی کی طرح ایسی پٹائی کی تھی کہ شجورانی کے نیل پڑ گئے تھے۔

ابا میاں کے سیڑھیوں تک پہنچنے سے پہلے ہی وہ سوسن کے سر میں سے جوئیں پکڑ
کر انگوٹھے کے ناخن سے مار بھی چکی تھیں۔ سوسن تو ابا میاں کے پہنچتے ہی چھلانگ مار کر
سیڑھیوں سے اتر گئی اور اپنی کوٹھڑی کی طرف بھاگ گئی شجورانی جلدی سے کھڑی ہو کر
اپنے کپڑوں کی دھول مٹی جھاڑنے لگیں جن کے اصل رنگ روپ کا کچھ پتہ نہیں چل رہا
تھا۔ بالوں میں گھاس کے تنکے پھنسے ہوئے تھے اور خاک اتنی بھری تھی کہ بال سیاہی مائل
بھورے ہو گئے تھے۔ معلوم ہوتا تھا جیسے صبح سے شام تک خاک اٹھانے کا ہی کام کرتی
ہیں۔ انہوں نے ابا میاں کو سلام جھاڑنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ بس ہونق بنی رہ
گئیں منہ کھلا کا کھلا اور آنکھیں پھٹی رہ گئیں۔ نگاہیں بنفشہ پر ٹکی ہوئی تھیں جو ابا میاں کے
پیچھے دبکی ہوئی کھڑی تھی، انداز کسی سہمی ہوئی کبوتری کا سا تھا۔ شجورانی نے سر سے پاؤں تک
اس کا جائزہ لیا۔ کیسی صاف ستھری تھی اور ایک وہ تھیں کملا جمعدارنی کی لونڈیا سے بھی بدتر۔

یہ کون لڑکی ہے ابا میاں کے ساتھ؟

انہوں نے دل ہی دل میں سوچا اور پوچھنے کے لئے منہ ہلایا ہی تھا کہ ابا میاں
نے خود تعارف کرا دیا:

دیکھو بیٹی تمہارے لئے ہم نے ایک سہیلی ڈھونڈی ہے۔

سہیلی کے نام پر تو شجورانی غبارے کی طرح پھول گئیں۔

مگر یہ سوچ کر ان کا منہ ایک دم لٹک گیا کہ ابھی تھوڑی دیر بعد اس کے ابا میاں
آکر اسے لے جائیں گے۔

ان کے ابا میاں ان کو کب لینے آئیں گے؟

شجورانی نے پوچھ لیا۔

یہ اب اسی گھر میں تمہارے ساتھ رہیں گی بیٹی۔

ابا میاں نے کہا۔

کیوں؟ شجورانی نے پوچھا۔

چھوٹی باجی اور آپا جان کی طرح یہ بھی تمہاری بہن ہیں۔

ابا میاں نے کہا۔

میری بہن ہیں تو اب تک یہ کہاں رہتی تھیں؟

شجورانی کی حیرت نے ایک دفعہ پھر انہیں کارٹون بنا دیا۔

ہوں۔ یہ دوسرے شہر میں رہتی تھیں۔

ابا میاں نے کہا۔

شجورانی کے چھوٹے سے ذہن میں کھد بد ہونے لگی وہ اچھی طرح سمجھ رہی تھیں کہ ابا میاں صاف صاف گھپلے بازی کر رہے تھے۔ یہ کیا بات ہوئی کہ بہن میری ہیں اور رہتی کسی دوسرے شہر میں تھیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ میری سہیلی ہیں لیکن انہوں نے اپنی عادت کے خلاف اس وقت زیادہ سوال وجواب نہیں کئے اور اپنی بھوری بھوری آنکھوں سے اس سوٹ کیس کا جائزہ لینے لگیں جو ابا میاں نے سیڑھیوں پر رکھ دیا تھا ابا میاں نے قریب سے گذرتے ہوئے فتو کو آواز دے کر سوٹ کیس اسے تھماتے ہوئے کہا:

یہ سوٹ کیس میرے کمرے میں لے جا کر رکھ دو، میں ابھی آتا ہوں۔

فتو کے جانے کے بعد ابا میاں ان دونوں کو لے کر اپنے کمرے کی طرف چل دیئے

جب ابا میاں نے اماں بیگم سے کہا:

لو بیگم، بنفشہ آگئی۔

تب جا کر کہیں شجورانی کو معلوم ہوا کہ اس لڑکی کا نام بنفشہ ہے۔

اماں بیگم نے جب بنفشہ کو سینے سے لگایا تو وہ ایک دم ہی سسکیاں لے کر رونے لگی۔ شجورانی نے حیرت سے پوچھا۔

لو اس میں رونے کی کیا بات ہے؟

تھوڑی دیر بعد جب اماں بیگم نے بنفشہ کو کھانے پینے کی چیزیں دے کر اور پیار دلار کر کے چپ کرایا تو اتنے میں دیکھا کہ دادی اماں کھسر کھسر کرتی چلی آرہی ہیں۔ ان کے بعد تو جیسے لائن ہی لگ گئی۔ ایک کے بعد دوسرا منہ اٹھائے چلا آرہا ہے۔ ہر شخص اپنا پیار بنفشہ پر نچھاور کئے دے رہا تھا۔

شجورانی گھور گھور کر سب کو دیکھے جا رہی تھیں اور دل ہی دل میں کہہ رہی تھیں۔

لو! بہن، سہیلی میری اور مجھے ہی بات کرنے کا موقع نہیں مل رہا۔

آخر تنگ آکر وہ تقریباً چیختے ہوئے بولیں:

ابا میاں نے کہا ہے یہ میری سہیلی ہے اور میری بہن بھی ہے۔

تو ہم کب اپنی سہیلی بنائے لے رہے ہیں اسے۔

آپا جان ہنس کر بولیں۔

جاؤ بھائی تم اپنی سہیلی کے پاس جاؤ۔

چھٹ باجی نے بنفشہ سے کہا۔

شجورانی بنفشہ کے گلے میں ہاتھ ڈال باہر چلی گئیں۔

اپنی ڈھیر ساری سہیلیوں، کپڑوں، جوتوں اور رہنوں کی باتیں کرتے ہوئے انہوں نے بنفشہ پر اپنی ذہانت کا رعب جمانا بھی ضروری سمجھا اور ٹہلتی ہوئی گلاب کے پودوں کے قریب پہنچ گئیں۔

تمہیں پتہ ہے بنفشہ! سجاد بھائی کہہ رہے تھے کہ آج بہار کی آخری شام ہے اور یہ بہار کا آخری گلاب ہے۔

بنفشہ نے چپ چاپ شجورانی کی یہ بات سن لی کوئی جواب نہیں دیا اور جواب دیتی بھی کیا؟

شجورانی کی مرضی تو یہ تھی کہ وہ بنفشہ کو صرف بنفشہ کہیں۔ لیکن بنفشہ کو اپنے آپ کو باجی کہلوانے کا بہت شوق تھا۔ اس نے خاص طور سے تاکید کی تھی۔

دیکھو، میں تم سے ایک سال بڑی ہوں مجھے بنفشہ باجی کہا کرو۔

شجورانی نے تھوڑی سی ردّوکد کے بعد یہ بات مان لی، مگر جب ایک دن دادی اماں کے سامنے ان کی زبان سے بنفشہ باجی نکلا تو دادی اماں نے فوراً ٹوکا:

اسے باجی کیوں کہے ہے۔ تجھ سے زیادہ بڑی تھوڑی ہے وہ!

ان کو باجی کہلوانا اچھا لگتا ہے دادی اماں۔

شجورانی نے جھٹ سے کہا۔

کیوں بیٹی، تجھ میں اور اس میں ایک ہی سال کا تو فرق ہے؟

دادی اماں نے بنفشہ کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

میری کوئی بہن نہیں ہے نا۔ اس لئے میرا دل چاہتا ہے کہ....

اچھا بیٹی جیسے تو خوش رہے۔

اس کے بعد کبھی کسی نے شجورانی کو بنفشہ باجی کہنے پر نہیں ٹوکا۔

اور یہ بات تو شجورانی کو بہت بعد میں معلوم ہوئی کہ بنفشہ باجی کی اماں تو معلوم نہیں کہاں رہتی ہیں اور ابا کا انتقال ہو گیا ہے۔ ان کے ابا نے اپنی وفات سے پہلے ابا میاں کو تار دلوایا تھا۔ بس اللہ کی مرضی تھی جو ابا میاں ان کی وفات سے کچھ دیر پہلے پہنچ گئے۔ انہوں نے اپنی بیٹی کا ہاتھ ابا میاں کے ہاتھ میں دے کر وعدہ لیا کہ اپنے جیتے جی بنفشہ کو کوئی تکلیف نہ ہونے دیں گے۔ ابا میاں نے اپنے جان سے زیادہ عزیز دوست کی آنکھیں بند ہونے سے پہلے بنفشہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی کہ وہ اسے اپنی بیٹیوں کی طرح عزیز رکھیں گے۔

شجورانی جب بھی بہار کی اس آخری شام کو یاد کرتیں جب بنفشہ باجی اس گھر میں ہمیشہ کے لئے آئی تھیں تو نگاہوں میں ان کی سہمی ہوئی صورت گھوم جاتی اور وہ سوچتیں کہ جبھی تو بنفشہ باجی اتنی خوفزدہ تھیں اور اداس بھی اور جبھی وہ دادی اماں کے گلے لگتے ہی سسک پڑی تھیں۔

بس وہ پہلے دن کی اداسی شجورانی کے دل و دماغ پر نقش ہو کر رہ گئی تھی۔ شاید اپنی اداسی اور سوگواری کی ہی وجہ سے انہیں بنفشہ باجی سے محبت بھی ہو گئی تھی جو وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ بتدریج بڑھتی رہی۔

ورنہ شجورانی اور کسی کو پسند کرتیں؟

اس روز رات بھر بارش ہوتی رہی۔ اگلے دن بنفشہ کی آنکھ بہت دیر سے کھلی۔ اس نے شجورانی کے بستر کی طرف دیکھا جو خالی پڑا تھا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور کسلمندی سے پاؤں نیچے لٹکا کر ہلاتی رہی۔ دو تین منٹ اسی طرح گذر گئے۔ کالج جانے

کا بالکل موڈ نہیں تھا مگر دو تین دن پہلے بھی وہ اپنی سستی کی وجہ سے چھٹی کر چکی تھی۔ روز روز گھر بیٹھنا مناسب نہیں تھا۔ اٹھنے کا ارادہ کر ہی رہی تھی کہ شجو بیگم منہ چلائی ہوئی کمرے میں داخل ہوئیں۔ وہ تو اپنا کالج یونیفارم پہنے بالکل تیار تھیں ناشتہ کرکے اپنی کتابیں اٹھانے آئی تھیں۔ شجورانی کو بالکل تیار دیکھ کر بنفشہ نے کالج نہ جانے کا قطعی فیصلہ کر لیا۔

ارے آپ اٹھ گئیں؟

ہوں!

میں تو سمجھ رہی تھی کہ آج لمبا پروگرام ہے سونے کا؟

رات مجھے بڑی دیر سے نیند آئی تھی۔ اس لئے جلدی آنکھ ہی نہ کھل سکی۔

اچھا تو پھر اب کیا پروگرام ہے؟

پروگرام ——؟

ہاں! کالج جائیں گی؟

نہیں۔ بالکل موڈ نہیں۔

خیریت تو ہے، ابھی چار روز پہلے بھی آپ نے چھٹی کی تھی؟

سچی بات تو یہ ہے کہ پڑھنے کو میرا بالکل دل نہیں چاہتا۔

دادا جان کے سامنے بھولے سے بھی یہ بات نہ کہئے گا۔ ایسی خبر لیں گے کہ یاد ہی کریں گی۔

شجورانی نے ہنس کر کہا۔

ہاں، اس میں تو کوئی شک نہیں شجیعہ بیگم۔

بنفشہ نے کہا۔

اچھی بات ہے پھر، خدا حافظ، ہم تو چلتے ہیں۔

شجورانی نے میز پر سے اپنا پرس اور فائل اٹھاتے ہوئے کہا۔

اچھا خدا حافظ!

بنفشہ نے کہا اور اُٹھ کر دریچے میں کھڑی ہوگئی۔

مطلع اگرچہ صاف ہو چکا تھا لیکن آسمان پر اب بھی کہیں کہیں گہرے کالے بادلوں کے ٹکڑے آوارہ گردی کرتے پھر رہے تھے۔

بنفشہ منہ دھو کر ناشتہ کرنے کے لئے آئی تو رمضانی میز پر سے ناشتے کے برتن سمیٹ رہا تھا اور اماں بیگم کمر پر ہاتھ رکھے کسی داروغہ کی طرح کھڑی احکام صادر کر رہی تھیں۔

بنفشہ کو دیکھتے ہی ان کے ماتھے کی سلوٹیں آپ ہی آپ دور ہوگئیں۔

کیسی طبیعت ہے بیٹی تمہاری؟

ان کے لہجے میں ڈھیروں شہد گھل گیا۔

ٹھیک ہے اماں بیگم۔

اتنی دیر سے کیوں اٹھیں؟

انہوں نے آگے بڑھ کر اس کی پیشانی کو ہاتھ سے چھوتے ہوئے کہا۔

رات کو مجھے دیر تک نیند نہیں آئی۔

ہوں، اوں اوں۔

اماں بیگم کی لمبی سی ہوں اوں اوں کچھ عجیب ہی انداز کی تھی۔ بنفشہ اسے کوئی

معنی نہ پہنا سکی۔

کالج دیر سے جاؤ گی؟

جی نہیں۔ میں آج کالج نہیں جاؤں گی۔ بنفشہ کا لہجہ سہما ہوا تھا۔

دو تین روز پہلے بھی تم نے چھٹی کی تھی۔

بنفشہ نے ان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ سر جھکائے کھڑی رہی۔

کیا بات ہے بیٹی، کوئی پریشانی ہو تو ہمیں بتاؤ۔ تم تو گم سم ہو کر بیٹھ جاتی ہو کوئی بات نہیں۔

بنفشہ کا جھکا ہوا سر اوپر نہ اٹھ سکا۔ سر اوپر اٹھاتی بھی کیسے۔ اماں بیگم اس کی آنکھوں میں تیرتے ہوئے آنسو نہ دیکھ لیتیں جوان کے پیار بھرے دو بول سنتے ہی ان کی آنکھوں میں چھلک پڑے تھے۔

مجھ سے نہ چھپاؤ بیٹی۔ میں دو تین دن سے تمہیں اداس دیکھ رہی ہوں۔

اماں بیگم نے اس کا سر اپنے سینے سے لگاتے ہوئے کہا تو بنفشہ کا صبر و ضبط جواب دے گیا۔ پہلے صرف آنسو بہے اور پھر سسکیاں بلند ہونے لگیں۔ اماں بیگم کے تو ہاتھ پاؤں کے طوطے اڑ گئے مگر انہوں نے اس وقت کچھ پوچھنا مناسب نہ سمجھا۔ انہوں نے سوچا اچھا ہے بچی رو لے، جتنے کو نسا بوجھ دل پر لئے پھر رہی ہے۔

رمضانی برتن باورچی خانے میں رکھ کر میز صاف کرنے آیا تو اماں بیگم نے اس سے پانی نکلوا کر بنفشہ کو پلایا۔ خس کے عطر میں مہکتے ہوئے اپنے آنچل سے اس کے آنسو پونچھے۔ بنفشہ کی سسکیاں ذرا رکیں تو اماں بیگم نے پوچھا:

کیوں رویا کرتی ہو بیٹی۔ اپنی صحت کا ستیاناس کر رکھا ہے تم نے۔

پچھلی باتیں یاد آجاتی ہیں تو دل بھر آتا ہے۔

بنفشہ نے کہا۔

خاک ڈالو پچھلی باتوں پر جو وقت گذر گیا اسے یاد کرنے سے فائدہ؟

اماں بیگم کا دل ایک دم دکھ کر رہ گیا۔

تم ضرورت سے زیادہ ہی حساس اور ذہین ہو، جبھی تمہیں سب کچھ اتنی تفصیل سے یاد ہے، ورنہ جس عمر میں تم پر یہ بپتا پڑی ہے۔ اتنی عمر کے بچوں کو تو کچھ بھی یاد نہیں رہتا۔

بنفشہ کا رونا دھونا ختم ہوا تو اماں بیگم نے رمضانی کو اس کا ناشتہ میز پر رکھنے کا حکم دیا۔ اپنے سامنے بٹھا کر ایک ایک چیز اسے اصرار سے کھلاتی رہیں۔

ناشتے سے فارغ ہو کر بنفشہ اوپر چلی گئی۔ بچی جان اور بڑی اماں اوپر کی منزل پہ رہتی تھیں۔ بالکونی میں "بڑبا" ایزی چیئر پر نیم دراز اخبار پڑھ رہے تھے۔ ان کے موٹے موٹے شیشوں والی عینک پھسل کر ناک کی پھنگی پر آگئی تھی مگر وہ اس سے بے نیاز تھوڑا سا منہ کھولے اپنی دھن میں مگن تھے۔ 'بڑبا' کا اصلی نام فضل الرحمٰن تھا جسے دادی اماں کے لاڈ پیار نے بگاڑ کر فجو کر دیا تھا۔ بچپن سے لے کر اس عمر تک بہن بھائی اور رشتے دار فجو بھائی، فجو میاں اور فجو کہتے تھے۔ اماں بیگم کے بچوں نے اپنے ابا اماں کے منہ سے سن کر فجو بھائی کہنا شروع ہی کیا تھا کہ اماں اور دادی اماں نے گھرکی دی۔

خبردار جو فجو بھائی کہا، بڑے ابا ہیں تمہارے۔

کافی کوشش کے بعد بچوں نے بڑے ابا کہنا شروع کیا۔ مگر پھر ہوا یوں کہ جلد

میں "ے" کا حرف غائب ہوگیا اور وہ صرف "بڑبا" رہ گئے۔ کوئی بڑبا کہتا اور کوئی "بڑتا" کہتا۔ اماں بیگم کے بچوں کے علاوہ چھوٹے چچا اور چچامیاں کی اولادیں بھی انہیں بُڑبا ہی کہتی تھیں۔

بُڑبا کو دیکھتے ہی بنفشہ کا ہاتھ سلام کے لئے اٹھ گیا۔

سلام علیکم بڑے ابا۔

پیشانی پر رکھا ہوا ہاتھ تو بڑبا کیا دیکھتے، ہاں بنفشہ کی آواز انہوں نے ضرور سن لی۔ ایک دم گڑبڑا سے گئے۔ اخبار ہاتھوں سے چھوٹتے چھوٹتے بچا۔

ہیں بھئی، اچھا، وعلیکم السلام۔

انہوں نے چشمے کے اوپر سے بنفشہ کا جائزہ لیا۔

ایں، یہ تم آج کالج کس خوشی میں نہیں گئیں؟

انہوں نے پوچھا۔

بنفشہ بڑی سٹپٹائی، اسے معلوم تھا کہ کالج سے چھٹی کرنے والے اور پڑھائی سے جان چرانے والے لڑکے لڑکیوں پر وہ بہت بُری طرح ناراض ہوتے تھے۔ وہ خود کتابوں کے بڑے زبردست عاشق تھے: پڑھنے کا انہیں جنون تھا۔ ان کی معلومات حیرت انگیز حد تک وسیع تھیں کسی بھی موضوع پر ان سے بحث کی جاتی، اپنی بیش بہا اور بے انتہا معلومات کی بنا پر وہ سامنے والے شخص کو ایسی زبردست پٹخنی دیتے تھے کہ بس مزا آجاتا تھا۔ بہت زیادہ پڑھ لینے کی وجہ سے وہ کافی حد تک سنکی ہو گئے تھے۔ اکثر بچوں کے نام بھول جاتے تھے۔ شکیل کو سجاد اور شجیعہ کو بنفشہ بنا دینے میں بڑے ماہر تھے۔ کبھی کھانا کھا کر بھول جاتے کہ کھا چکے ہیں اور کبھی بغیر کھائے یہ سوچ

کر اطمینان سے بیٹھے رہتے کہ کھانا کھا چکے ہیں۔

بڑی اماں ان کے ہاتھوں سخت پریشان تھیں۔ بڑبھیا سے بہت خوش تھے یونکہ کتابوں کے معاملے میں وہ انہی کی پیروی کرتے تھے۔ ان کے دوسرے بیٹے برامریکہ میں تھے، وہ بھی بڑے لائق فائق تھے۔ دونوں بیٹیاں اپنے زمانۂ طالب علمی ں ہرسال پچھلا ریکارڈ توڑ کر نیا ریکارڈ قائم کرتی تھیں۔

شہوار بھی پڑھنتو لکھنتو ہونے کے سبب ان کی سب سے چہیتی بھتیجی تھیں۔

کیوں بھئی، آج تم کالج نہیں گئیں۔

جی۔ جی نہیں۔

بنفشہ نے سہمی ہوئی آواز سے کہا۔

کیوں؟

بڑے ابا کی آواز رعب دار ہوگئی۔

بنفشہ چپ رہی۔

طبیعت خراب ہے؟

جی نہیں۔

پھر کیوں نہیں گئیں۔

میری آنکھ بہت دیر سے کھلی۔

اگر رات دیر تک پڑھتے رہنے کی وجہ سے آنکھ دیر سے کھلی تو کوئی حرج نہیں یکن ......

بنفشہ نے ان کی اس بات کی تردید یا تصدیق نہ کرنے میں ہی اپنی عافیت سمجھی۔

دو تین روز پہلے شجیعہ نے بھی یہی حرکت کی تھی ۔

بڑبا بڑبڑائے ۔

بنفشہ کو اچھی طرح معلوم تھا کہ بڑبا اپنی سنکی طبیعت کے سبب یہ بات کہہ رہے ہیں۔ وہ چاہتی تو خاموش رہ کر ان کو اس غلط فہمی میں مبتلا رہنے دیتی کہ خود اس نے نہیں بلکہ شجیعہ نے ہی چھٹی کی تھی لیکن وہ اپنی فطرت کے ہاتھوں مجبور تھی۔ آہستہ سے بولی ؛

بڑے ابا، اُس روز بھی میں نے ہی چھٹی کی تھی ۔

ایں ۔ یعنی اس روز بھی تم ہی نہیں گئی تھیں !

بڑے ابا نے کافی اونچی آواز سے کہا ۔

جی !

یہ کوئی بڑے فخر کی بات ہے ؟

نن ۔ نہیں تو ۔

پھر تم نے مجھے کیوں بتایا کہ اس روز کالج سے غیر حاضر ہونے والی بھی تم ہی تھیں ؟

جی !!

ارے بھئی اور کیا۔ اگر مجھے اسی غلط فہمی میں رہنے دیتیں تو تمہارے بٹوے میں سے کیا خرچ ہوتا ؛

بنفشہ نے ان کی اس بے سروپا بات پر حیرانی سے نہیں دیکھا۔ اسے معلوم تھا کہ بڑبا پر اس قسم کے دورے دن میں کئی بار پڑتے ہیں ۔

وہ تو خاموش کھڑی بڑبا کی گود میں پڑے اخبار کی سرخی پڑھتی رہی ۔

اخبار پڑھا آج کا ؟

بڑبا نے اسے اخبار پر نظریں جمائے دیکھ کر پوچھا ۔

جی نہیں ۔

یہ لو ، اخبار پڑھنے کی بھی توفیق نہیں ہوتی تم لوگوں کو ۔

بڑبا نے اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر کہا ۔

میں نے اس لئے نہیں پڑھا۔ میں ابھی تھوڑی دیر بعد دادا جان کو اخبار پڑھ کر سناؤں گی نا !

اچھا، اچھا۔ پھر ٹھیک ہے ۔

بڑبا نے زور زور سے سر ہلایا ۔

بنفشہ نے جانے کے لئے قدم اٹھایا ہی تھا کہ بڑبا نے پھر کنکھار کر گلا صاف کیا ۔

کالج نہیں گئیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم گھر میں بیٹھ کے ڈنڈے بجاتی ہو، اپنی کتابیں لے کر یہیں آجاؤ اور پڑھو، جہاں سمجھ میں نہ آئے پوچھ لو ۔

بڑبا نے بنفشہ کو بالکل اسی طرح تنبیہہ کی جیسے وہ پرائمری جماعتوں میں پڑھنے والی کوئی بچی ہو ۔

بنفشہ نے ابھی کچھ کہنے کے لئے زبان کھولی ہی تھی کہ اندر سے بڑی اماں نکل آئیں

کیوں بچی کے پیچھے پڑ گئے ہیں آپ ؟

بڑی اماں جھنجھلا کر بولیں ۔

تمہارے بچوں کو عقل کی بات بتاتا ہوں تو تم کہتی ہو پیچھے پڑتے ہیں۔
ساری عقل اپنے پاس ہی رہنے دیجئے۔
بڑی اماں نے کہا اور بنفشہ کو آنکھ کے اشارے سے وہاں سے ہٹ جا
کے لئے کہا۔

بنفشہ نے بھی وہاں سے ہٹ جانے میں ہی عافیت سمجھی اور چپ چاپ وہا
سے کھسک گئی۔

اپنے کمرے میں آکر وہ پھر کاہلی سے بستر پر دراز ہو گئی۔ نیند آنے کا تو سوال
نہیں تھا۔ پہلے ہی دیر تک سوتی رہی تھی۔ کتاب پڑھنے کا بھی بالکل موڈ نہیں تھا
اور کام کرنے کو بھی دل نہیں چاہ رہا تھا۔ آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر خالی الذہن رہنے
پوری کوشش کی مگر سوچوں اور خیالوں پر کس کا زور چلتا ہے۔ نہ چاہنے کے باوجود با
کے بادل ذہن کے افق پر چھا گئے۔ ہر طرف دھندلکا اور تاریکی چھا گئی۔ دھندلکو
اس پار سے کچھ چہرے جھانکنے لگے۔

کل جس وقت سے سلیمان بھائی کا تار آیا تھا کہ وہ اگلے روز وطن واپس پہنچ رہے
ہیں۔ چھوٹی چچی کی طرف والے حصے میں ایک ہنگامہ برپا تھا۔ مارا مار صفائی ہو رہی تھی۔ چ
چچی ملازموں کو ہدایتیں دے دے کر بوکھلائے دے رہی تھیں۔ ملازم بدحواس ہو کر کبھی
ایک کمرے میں بھاگتے تھے کبھی دوسرے کمرے میں۔ کبھی لان کی طرف چھلانگ لگا
تھے تو کبھی برآمدوں میں دوڑ لگاتے تھے۔ صوفیہ بیگم اپنے بھیا کا کمرہ سجانے کی کوش
میں بالکل چڑیل بنی ہوئی تھیں۔ ان کے جھونٹے بکھر کر منہ پر آ گئے تھے۔ میک اپ
ہونے کی وجہ سے وہ اور بھی بدحواس ہوئی جا رہی تھیں۔

دادی اماں بھی اپنے پوتے کی آمد کی خوشی میں ہانپتی کانپتی کبھی چھوٹی چچی کی طرف
جاتی تھیں کبھی اپنے کمرے میں واپس آتی تھیں اور کمر پکڑ کر بستر پر دراز ہوتے ہوئے
کہتی تھیں:

اے بیٹی! ذرا میری کمر تو دبا دے۔

بیٹی کو کمر دباتے ہوئے ذرا دیر بھی نہ گذرتی تھی کہ پھر اٹھ کھڑی ہوتیں:

جاؤں ذرا دیکھوں۔ خانساماں کیا کر رہا ہے؟

اب بیٹی لاکھ منع کر رہی ہے کہ دادی اماں آپ کے جانے کی ضرورت نہیں ہے
ادھر بہت لوگ ہیں۔ کوئی بھی دیکھ بھال کر لے گا۔ مگر دادی اماں کو پکا یقین تھا کہ ان
کے راؤنڈ لگائے بغیر تو کوئی شخص تنکا بھی ادھر سے ادھر نہیں ہلائے گا۔ اپنا غرارہ سنبھالے
باورچی خانے میں پہنچ جاتی تھیں اور کھڑی ہو کر دیکھتی تھیں کہ طرح طرح کے کھانے پکانے
والا اشپیشلسٹ خانساماں کیا کارنامے انجام دے رہا ہے۔ اپنی طرف سے ہدایتیں دینا
فرض سمجھتی تھی۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ انگریزی کھانوں کے متعلق ان کی معلومات صفر کے برابر
تھیں اگر انہیں اس سلسلے میں کچھ شدبد ہوتی تب بھی اس کا کچھ فائدہ نہ ہوتا کیونکہ چھوٹی
چچی کا خانساماں اپنے آگے کسی کو کچھ نہیں سمجھتا تھا پھٹ سے کہہ دیتا:

ارے بیگم صاحب، آپ کیا جانیں، میں نے دس برس انگریز کی نوکری کی ہے جتنا میں
جانتا ہوں اتنا آپ سب مل کر بھی نہیں جانتے۔ میں نے گھاس تھوڑی کھودی ہے۔

اور کہنے والا اپنی بچی کھچی عزت کو سمیٹ کر چپ چاپ وہاں سے کھسک جانے میں
ہی اپنی عافیت سمجھتا۔

اس وقت بھی دادی اماں کی شامت ہی آئی تھی جو وہ کھسر کھسر کرتی چھوٹی چچی کے

باورچی خانے میں پہنچ گئیں۔ خانساماں ایپرن باندھے ہونٹوں کے داہنے گوشے میں سگریٹ دبائے کوئی خاص قسم کی میٹھی ڈش تیار کرنے میں مصروف تھا جو بقول اس کے اور کوئی تیار ہی نہیں کر سکتا تھا۔

کیا کیا تیار کر لیا خانساماں؟

دادی اماں نے باورچی خانے میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔

بہت کچھ تیار کر لیا بیگم صاحب۔

خانساماں کا انداز فخریہ تھا۔

پھر بھی معلوم تو ہو؟

آپ کو بتانے سے کیا فائدہ۔ آپ نے تو ان چیزوں کے نام ہی نہ سنے ہوں گے۔

خانساماں کی گردن برتری کے احساس سے اکڑی ہوئی تھی۔

اے ہے آخر ایسی کون سی چیزیں تیار کی ہیں تو نے جن کا میں نے.....

اگر نام سنا بھی ہوگا تو میری ہی زبان سے سنا ہوگا۔

خانساماں نے ان کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

ہاں، بڑی مہارت حاصل ہے نا تجھے کھانا پکانے میں۔

اور کیا بیگم صاحب! جب میں انگریز کے ہاں نوکری کرتا تھا تو ایک دفعہ اس کی میم نے خوش ہو کر کہا تھا۔

آج تم نے اتنا اچھا ڈشز تیار کیا ہائے کہ ہمارا دل تمہارے ہاتھ کو کس (Kiss) کرنا بولتا ہائے۔

خانساماں کی آنکھیں بھولی بسری یادوں کے ذکر پر چمک اٹھیں۔

تو تو نہ معلوم کون سی اوٹ پٹانگ باتیں کرے ہے۔ میرے پلّے تو کچھ بھی نہ پڑے ہے دادی اماں بھلا کر بولیں۔

اسی لئے تو کہہ رہا ہوں بیگم صاب، آپ اپنے کمرے میں جا کر آرام کیجئے۔

آرام کیسے کروں لڑکا اتنی دور سے آرہا ہے اور وہ بھی اتنے برسوں بعد۔ جنے تو کیا ی سیدھی چیزیں پکا کر اسے کھلائے گا۔

ولایت سے آنے والے صاحب لوگ جس قسم کی چیزیں کھانا پسند کرتے ہیں میں پکا رہا ہوں۔ اب چاہئے آپ ان چیزوں کو اوندھی سیدھی کہیں یا.....

تو کیا جانے، تو کب ولایت ہو کر آیا ہے؟

دادی اماں نے خانساماں کو اس طرح گھورا جیسے ابھی کچا ہی چبا جائیں گی۔

مگر خانساماں کونسا خاموش رہنے والوں میں سے تھا۔ دادی اماں کی بات کا جواب ے کے لئے ابھی اس نے منہ کھولا تھا کہ چھوٹی چچی کھٹ کھٹ کرتی پہنچ گئیں۔

ارے امّی جان، آپ یہاں کیوں کھڑی ہیں؟

دادی اماں ابھی جواب بھی نہ دینے پائی تھیں کہ خانساماں جو چھوٹی چچی کو دیکھ اور بھی شیر ہو گیا تھا ان کے سر جو چڑھا ہوا تھا ہنس کر بولا:

مجھے ڈیرکشن (ڈائرکشن) دینے کے لئے کھڑی ہیں۔

چھوٹی چچی کو اس کی بات سن کر ہنسی آگئی۔ انہوں نے زبان ہونٹوں تلے بھینچ کر ہنسی کو ضبط کر لیا اور بولیں۔

آپ فکر نہ کیجئے اماں جان! آپ کے پوتے کے لئے سارے انتظامات ٹھیک رہے ہیں۔

بیٹی! ان لوگوں کا کوئی بھروسہ نہیں، ذرا آنکھ بچی اور ان لوگوں کو بیگار کی سوجھ
دادی اماں نے خانساماں کو گھور کر دیکھا۔

آپ جلدی سے تیار ہو جائیں۔ ائیرپورٹ بھی تو جانا ہے۔

چچی جان نے کہا۔

میں تو گھر پہ ہی انتظار کروں گی اس کا، تم لوگ جاؤ۔

اچھا کپڑے تو بدل لیجئے۔

کپڑے میں ابھی بدل لوں گی، بنفشہ استری کر رہی ہے۔

بنفشہ، شجیعہ وغیرہ سے کہئے جلدی سے تیار ہو جائیں۔ ٹائم بہت تھوڑا رہ گیا

چچی جان نے اپنی رسٹ واچ کی طرف دیکھا۔

صوفیہ سے بھی تو کہو، وہ ابھی تک سر جھاڑ منہ پہاڑ پھر رہی ہے۔

میں اسے باتھ روم میں ہی چھوڑ کر آ رہی ہوں۔

چھوٹی چچی پھر کھٹ کھٹ کرتی اپنے کمرے کی طرف چلی گئیں۔

دادی اماں نے ایک نظر خانساماں کی طرف دیکھا۔ کچھ کہنے کے لئے ہونٹ مگر پھر جانے کیا سوچ کر چپ رہیں اور کھسر کھسر کرتی باورچی خانے کے باہر چلی گئیں

چھوٹی چچی کے بار بار تنبیہہ کرنے پر لڑکیوں کی تیاری کہیں جا کر ختم ہوئی تو ا قافلہ سلیمان بھائی کے استقبال کے لئے ائیرپورٹ کی طرف روانہ ہوا۔ چھوٹی چچی بھائی بہن اور ان کی اولادیں پہلے ہی موجود تھیں۔ خدا خدا کر کے جہاز نظر آیا تو نے اس کی طرف تاکنا شروع کر دیا۔ جہاز بمشکل تمام رکا، سیڑھی لگائی گئی، مسافر ا اترنا شروع کیا۔ جب سلیمان بھائی کی صورت نظر آئی تو چھوٹے چچا، چچی اور صوفیہ کی با

کھل کر کانوں سے جا لگیں۔

بنفشہ کو احساس ہوا کہ سلیمان بھائی پہلے کے مقابلے میں کہیں زیادہ خوبصورت نظر آ رہے تھے۔ صحت بھی بہت اچھی ہو گئی تھی۔

سلیمان بھائی قریب آئے تو بڑی دیر تک گلے ملنے، ہار اور پھول پہنانے کی رسم ہوتی رہی۔ لڑکیوں کو انہوں نے ہیلو کہہ کر مخاطب کیا اور ہاتھ ملا کر بڑی گرمجوشی کا اظہار کیا۔ لیکن ہر جگہ انہیں ہاتھ ملانے میں کامیابی نصیب نہیں ہوئی۔ ان کے ماموں خالہ کی لڑکیوں نے ضرور بڑی بے غیرتی سے ان کے ہاتھوں میں ہاتھ دے دیئے۔ باقی لڑکیوں نے صرف اسلام کرنے پر اکتفا کی۔ بنفشہ کو دیکھ کر وہ ضرورت سے زیادہ ہی بننے لگے یوں ظاہر کرنے لگے جیسے اسے جانتے ہی نہ ہوں۔

ارے امی، یہ کون ہے؟

وہ بنفشہ کے قریب رک کر بولے۔

بنفشہ ہے یہ۔ بنفشہ کو بھول گئے؟

بڑی چچی نے کہا۔

اوہ، بہت بدل گئی ہے۔

وہ مسکرائے۔

ہنہ۔ اب ایسی بھی نہیں بدل گئی ہے۔ آپ ہی مارا ترائے جا رہے ہیں۔

شجو رانی کا دل جل کر رہ گیا۔

سلیمان بھائی کے آنے کے بعد کچھ دنوں تک دعوتوں کا سلسلہ چلتا رہا۔ دعوتوں میں سلیمان بھائی کا تو بس نام ہی نام ہوتا تھا۔ ان کے ساتھ جانے والے لوگ البتہ مزے

اڑاتے تھے۔ سلیمان بھائی ایسے انگریز کے بچے بن کر آئے تھے کہ برائے نام نمک مرچ کا کھانا بھی زبان پر نہیں رکھ سکتے تھے اور تو اور ہندوستانی کھانوں کے نام بھی بھول گئے تھے یا پھر مارے اتراہٹ کے اپنے آپے میں نہیں رہتے تھے۔

دعوتوں کے سلسلے سے فرصت ملی تو انہیں گھر کے لوگوں کی طرف توجہ دینے کا بھی خیال آیا لیکن زیادہ تر ان کی ماموں زاد اور خالہ زاد بہنیں ہی مکھیوں کی طرح ان کی جان سے چمٹی رہتی تھیں۔ جب دیکھو ان کے گھر پر ڈیرا جما رکھا ہے۔ کبھی ان کے ساتھ کلب جا رہی ہیں، کبھی کیچر دیکھنے جا رہی ہیں اور ہر لڑکی اپنے آپ کو کیل کانٹوں سے لیس کرنے میں گھنٹوں صرف کر دیتی تھی۔ ہر ایک کو یہی ڈر ہوتا تھا کہ کہیں دوسری کا داؤ نہ چل جائے۔

اس روز سلیمان بھائی کا پروگرام تو کلب جانے کا تھا۔ لیکن عین وقت پر ان کی امّی کے چند دور پار کے امیر و کبیر رشتے داروں کی آمد کی خبر نے کھنڈٹ ڈال دی۔ سلیمان بھائی اپنا پروگرام کسی صورت بھی کینسل کرنے پر راضی نہ تھے۔ مگر ممّی نے بڑے رازدارانہ انداز میں انہیں تنبیہہ کرتے ہوئے کہا:

آج کلب مت جاؤ، تمہارا یہاں موجود رہنا بہت ضروری ہے۔

اور کچھ دیر بعد جب سلیمان بھائی نے ان امیر و کبیر رشتے داروں کی انتہائی فیشن ایبل لڑکیوں کو دیکھا تو وہ اپنی ممّی کے دل کا حال جان گئے۔ ممّی کے وہ رشتے دار آئے تو آکے چپک ہی گئے جیسے صوفوں میں گوند لگا ہو۔ کھا پی لیا، باتیں بھی ہو گئیں پھر بھی جمے بیٹھے ہیں ۔۔۔ سلیمان بھائی کچھ دیر بیٹھے صوفیہ سے گپیں ہانکتے رہے۔ ماموں اور خالہ کی لڑکیاں شام کو ہی جا چکی تھیں۔ پھر جانے کیا سوجھ کر شجرانی والے حصے کی طرف چلے

گئے۔ اپنی دادی امّاں سے انہیں خاص لگاؤ تھا۔ بہت مہذب بنے ان کے پاس بیٹھے باتیں کرتے رہے، وہاں سے اٹھے تو گھر کے دوسرے بزرگوں کو سلام کرتے ہوئے دادا جان کی طرف چلے گئے۔ دادا جان کی طبیعت پچھلے دنوں کے مقابلے میں کافی بہتر تھی۔ آرام کرسی پر نیم دراز ریڈرز ڈائجسٹ کا تازہ شمارہ پڑھ رہے اور مطالعہ میں کچھ اس درجہ منہمک تھے کہ انہیں سلیمان بھائی کی آمد کا پتہ ہی نہ چل سکا۔ سلیمان بھائی نے سلام کیا تو وہ ایک دم چونک گئے۔

وعلیکم السّلام۔ میاں! چوروں کی طرح کیوں آتے ہو؟

بہت جھلائے ہوئے لہجے میں دادا جان نے کہا۔

چوروں کی طرح؟

سلیمان بھائی مسکراتے ہوئے بولے۔

ہاں اور کیا۔ کم از کم کھانس کھنکھار تو لیا کرو کسی کے کمرے میں داخل ہونے سے پہلے۔

نہ مجھے کھانسی ہے اور نہ ہی میرا گلا خراب ہے۔

سلیمان بھائی ان کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئے۔

ولایت سے تو لوگ مہذب ہو کر آتے ہیں مگر تم ہو کہ .....

مجھ سے کیا بدتہذیبی ہو گئی دادا جان؟

چھوڑو، میاں! کوئی اور بات کرو۔

دادا جان نے مزید جھنجھلاہٹ کا مظاہرہ کیا۔

آپ کی طبیعت کیسی ہے اب؟

تمہیں کیسی نظر آتی ہے ؟

دادا جان نے الٹا انہی سے سوال کر دیا۔

مجھے تو اچھی خاصی نظر آتی ہے۔

ہاں، میرا بھی یہی خیال ہے لیکن ......

لیکن — ؟ سلیمان بھائی نے پوچھا۔

سارے گھر والوں کی تو ایک ہی صلاح ہے۔

میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔

سلیمان بھائی نے کہا۔

سب تو یہی سمجھتے ہیں کہ میں بہت زیادہ بیمار ہوں۔ یوں نہ اٹھو — یوں نہ بیٹھو باہر نہ نکلو ہوا لگ جائے گی۔ یہ نہ کھاؤ، وہ نہ پیو — ! ارے میں کہتا ہوں لاحول ولا

یہ سب بے کار باتیں ہیں دادا جان۔ اس طرح تو آدمی اپنے آپکو اور بھی زیادہ محسوس کرنا شروع کر دیتا ہے۔ آپ خوب گھوما پھرا کریئے اور جو دل چاہے کھایا کیجئے

سلیمان بھائی نے اپنا قطعی فیصلہ صادر کر دیا۔

ایک تمہارے کہنے سے کیا ہوتا ہے۔ باقی سب لوگ تو اپنے آپ کو بہت عقل سمجھتے ہیں۔

سچ، سچ۔ واقعی بہت زیادتی کر رہے ہیں یہ سب لوگ آپ کے ساتھ۔

سلیمان بھائی نے افسوس سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

اور سب سے بڑی ڈاکٹرنی تو ہماری بھاوج بنی ہوئی ہیں۔

کون دادی جان !

ہاں اور کیا۔ سمجھتی ہیں ان سے بڑا ڈاکٹر تو پیدا ہی نہیں ہوا۔ ہر وقت پرہیز ج کے موضوع پہ لیکچر دیا کرتی ہیں۔

سلیمان بھائی ان کی اس بات پہ ایک دم ہنس پڑے تو دادا جان کو غصہ آگیا۔

ہنستے کیوں ہو میاں، میں کوئی لطیفہ سنا رہا ہوں۔

سلیمان بھائی نے ان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ منہ بھینچے اپنی مسکراہٹ کو نے کی کوشش کرتے رہے۔ پھر تھوڑی دیر بولے:

اگر آپ پسند فرمائیں تو آپ کا کھانا اپنے خانساماں سے بھجوا دیا کروں ؟

ارے میاں بس رہنے ہی دو۔ تمہارے یہاں جو کچھ پکتا ہے، مجھے اچھی طرح م ہے۔

کوئی قابل اعتراض چیز تو نہیں پکتی ہمارے یہاں۔

سلیمان بھائی پھر مسکرائے۔

تمہاری اماں بہن کے جسموں میں تو فرنگنوں کی روح سمائی ہوئی ہے اور تمہارے ں تو یہ سنا ہے کہ......

دادا جان ایک سیکنڈ کے لئے رُکے۔

کیا سنا ہے ؟

سلیمان بھائی نے تجسس کا اظہار کیا۔

تم تو بالکل ہی انگریز کے بچے بن کر آئے ہو ولایت سے۔

دادا جان نے کہا۔

سلیمان بھائی بڑے زور سے ہنسے۔

آپ بھی کمال کرتے ہیں دادا جان ۔

اوپر سے کمال بھی میں ہی کرتا ہوں ۔

دادا جان نے جھنجلا کر دوبارہ ڈائجسٹ کھول لیا۔ سلیمان بھائی نے بھی با
موضوع بدل دیا۔

کونسا مضمون پڑھ رہے ہیں؟

پڑھنا پڑھانا کیا ہے میاں۔ بس وقت گذاری کرتے ہیں۔

دادا جان کے لہجے میں سخت بیزاری تھی۔

ورنہ سلیمان بھائی کو اچھی طرح معلوم تھا کہ دادا جان ہمیشہ سے کتابوں کے کیڑے
ہیں۔ اس عمر میں بھی کتابیں چاٹنے میں مشہور تھے۔

سلیمان بھائی نے جب دیکھا کہ دادا جان اب بات کرنے کے موڈ میں نہیں ہ
وہ چپ چاپ کمرے سے باہر نکل گئے۔

کمرے سے باہر نکلتے ہی ہوا کا ایک جھونکا آیا اور رات کی رانی کی البیلی سی
ان کے دماغ تک کو معطر کر گئی۔ لان میں بالکل سناٹا تھا اور مدھم سی تاریکی۔ برآمد
لائٹ کسی نے بجھا دی تھی۔ چمکتے ہوئے چاند کی ہی روشنی تھی جو درختوں کے گھنے
چھن چھن کر سبز گھاس پر بکھر رہی تھی۔ بڑھیا کے کمرے میں حسب معمول اندھیرا
کے باہر دریچے سے ٹیک لگائے کوئی کھڑا تھا۔ کون تھا اتنی دور سے وہ اندازہ
بس ایک سایہ سا نظر آرہا تھا لیکن اتنا ضرور پتہ چل رہا تھا کہ سایہ مردانہ نہیں
دھیرے دھیرے ٹہلتے ہوئے قریب پہنچ گئے۔ وہ بنفشہ تھی۔ چپ چاپ سر جھکا
تھی۔ انجان سی سوچوں میں گم۔ اس نے بڑے اچھے کپڑے پہن رکھے تھے، معلوم ہ

سی تقریب میں شرکت کر کے آئی تھی ورنہ اس وقت کرن لگا دوپٹہ اوڑھنے کا کیا تک
تا پھر ہلکا ہلکا زیور بھی تھا۔

وہ حسین نہیں تھی، خوب صورت بھی نہیں تھی۔ نہ اس کا رنگ سرخ و سفید تھا۔ نہ
ک ستواں تھی اور نہ آنکھیں بہت بڑی بڑی۔ لیکن پھر بھی وہ اچھی لگتی تھی۔ ایک بار
دیکھنے کے بعد اسے نہ صرف دوبارہ بلکہ بار بار دیکھنے کو دل چاہتا تھا۔ دیکھنے والوں کے
دل کے نہاں خانوں میں یہ جذبہ بیدار ہوتا کہ چپکے سے من مندر کے دروازوں کو وا کر کے
سے اونچے سے استھان پر بٹھا دیں۔ اس پہ پیار و محبت اور عقیدت کے اتنے پھول
ر اتنی کلیاں نچھاور کریں کہ اس کا وجود ان کلیوں اور پھولوں کے ڈھیر میں چھپ
ر رہ جائے۔

سلیمان بھائی قریب پہنچے تو وہ ایک دم چونک گئی مارے گھبراہٹ کے وہ انہیں
سلام بھی نہ کر سکی۔

یہاں کیسے کھڑی ہو بنفشہ؟

سلیمان بھائی نے پوچھا۔

جی ۔ بس ۔ ایسے ہی۔

کس کا انتظار کر رہی تھیں؟

سلیمان بھائی نے مسکرا کر پوچھا۔

انتظار ۔ نہیں تو ۔ میں کس کا انتظار کروں گی؟

سلیمان بھائی کے اس جملے نے اسے اور پریشان کر دیا۔

کس کا انتظار ۔ یہ تو میں نہیں بتا سکتا۔

بنفشہ سر جھکائے سلیمان بھائی کے جملے پر غور کرنے لگی۔

رات کے پہلے پہر کی خاموشی۔

ہواؤں کے دوش پہ اڑتے ہوئے بادلوں کے آوارہ ٹکڑے۔

دھیرے دھیرے جھومتے ہوئے۔

سرسراتے ہوئے درخت۔

رات کی رانی اور چنبیلی کی البیلی سی خوشبوئیں۔

چمپا کی شاخوں کے درمیان سے مسکرا کر جھانکتا ہوا چاند۔

اور

نیم تاریک برآمدے میں بنفشہ کا وجود ——

فیروزی رنگ کے کرن لگے ڈوپٹے کے ہالے میں چمکتا ہوا اس

سوگوار سا چہرہ۔

لرزتی ہوئی پلکیں۔

کانپتے ہوئے ہونٹوں کے گوشے۔

سلیمان بھائی کو ایسا لگا جیسے —— جیسے ان کے دل کو کچھ ہو گیا ہو

بے شمار لڑکیاں، حسین اور پیاری پیاری جواب تک ان کی نظر سے گذر

جن کے ساتھ انہوں نے زمانہ طالب علمی میں اور بعد میں یورپ کی سیر

ہوئے اپنے وقت کے بہت سے لمحات گذارے تھے۔ ان کے ذہن

محو ہو گئیں۔ سب کا حسن بنفشہ کے سوگوار حسن کے سامنے ہیچ نظر آیا۔ انہوں

جا۔ وہ اب تک دوسری لڑکیوں کے ساتھ وقت ضائع کرتے رہے ہیں۔

سلیمان بھائی محو حیرت بنے، ایک سرشاری کے عالم میں۔

ایک بے خودی کے عالم میں۔

پلکیں جھپکائے بنا۔

اسے دیکھتے رہے۔ اسے تکتے رہے۔

سلیمان بھائی محو حیرت بنے ایک سرشاری کے عالم میں، ایک بے خو
ے عالم میں پلکیں جھپکائے بنا اسے دیکھتے رہے، اسے تکتے رہے۔ اور بنفشہ ان کی
نگاہ شوق کی گرمی سے کچھ سہمی ہوئی،
کچھ گھبرائی ہوئی،
سر جھکائے کھڑی رہی،
چپ چاپ
خاموش
اور لمحے بڑی آہستگی سے سرک کر پیچھے دھندلکوں میں گم ہوتے رہے۔
پھر سلیمان بھائی نے بہت آہستگی سے کہا۔
"بنفشہ۔"

بنفشہ نے ان کی طرف دیکھا لیکن خاموش رہی۔
سلیمان بھائی نے دوبارہ پکارا۔
"بنفشہ!"
"جی۔ سلیمان بھائی! آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں؟"
بنفشہ نے انتہائی سادگی سے پوچھا۔
"ہاں!"
"کہئے!"
"تم ... تم بہت اچھی لگ رہی ہو۔"
سلیمان بھائی کی نگاہیں اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔
"جی ... ؟"
بنفشہ پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔
"تمہیں اتنی حیرت کیوں ہو رہی ہے؟"
سلیمان بھائی کو اس کے سہمے ہوئے اور متعجب انداز پر ہنسی آگئی۔
"وہ ... در اصل بات یہ ہے سلیمان بھائی کہ اس وقت میں نے بڑے اچھے کپڑے
ہن رکھے ہیں نا، اور پھر شجیعہ نے میرا میک اپ بھی کیا تھا۔"
بنفشہ نے صاف گوئی سے کام لیا۔
سلیمان بھائی نے سوچا۔
کتنی حیرت کی بات ہے کہ اس لڑکی کو اپنی تعریف سن کر ذرا بھی خوشی نہیں
دی بلکہ اس نے تو الٹا اپنے کپڑوں اور زیور کا محتاج بنا دیا ہے اپنے حسن کو ورنہ

لڑکیوں کا تو یہ عالم ہوتا ہے کہ اپنی تعریف سن کر اور زیادہ لجانے، شرمانے اور
دکھانے لگتی ہیں۔

سلیمان بھائی کچھ اور کہنے ہی والے تھے کہ انہیں اپنے پیچھے قدموں کی
سنائی دی۔ انہوں نے مڑ کر دیکھا تو شجو رانی چلی آ رہی تھیں۔ انہوں نے بھی
زور دار کپڑے پہن رکھے تھے۔

"آخر آج تم لوگ کہاں گئی تھیں جو زرق برق لباسوں میں ملبوس نظر آ

سلیمان بھائی نے شجو رانی سے پوچھا۔

"دادی اماں کی ایک ملنے والی ہیں، ان کی نواسی کی منگنی تھی۔"

"اچھا!"

سلیمان بھائی نے سر ہلایا۔

"جی لیکن آپ یہ فرمایئے کہ اس وقت بنفشہ باجی کے پاس کیسے کھ

شجو رانی کا انداز طنزیہ تھا۔

"کیوں ان کے پاس کھڑا ہونا منع ہے۔"

"جی بالکل۔ مجھ سے اجازت لینی پڑتی ہے ان کے پاس کھڑے ہونے
ان سے باتیں کرنے کے لئے۔"

"اچھا۔ وہ کیوں؟"

"اس لئے کہ یہ میری ہیں۔"

"کب سے؟"

"جس دن سے ابا میاں ان کو اس گھر میں لائے ہیں۔"

"آپ نے خود ہی حق جتا لیا؟"

"خود کیوں جتا لیا؟"

شجو رانی چمک کر بولیں۔

"پھر؟" سلیمان بھائی نے پوچھا۔

"پھر یہ کہ ابا میاں نے کہا تھا کہ یہ تمہاری سہیلی اور تمہاری بہن ہیں۔"

شجو رانی نے بڑے فخر سے کہا جیسے انہیں ملکہ معظمہ کی بہن یا سہیلی بننے کا فخر حاصل

بنفشہ نے ان دونوں کو بحث میں مصروف دیکھا تو خاموشی سے کھسک جانے میں
فیت سمجھی۔ ابھی اس نے جانے کے لئے قدم اٹھایا ہی تھا کہ گیٹ پر بڑبھیا نظر آئے
سری طرف سے شجو رانی نے بھی اس کا ہاتھ پکڑ کر روک لیا۔ چند ہی سیکنڈ بعد بڑبھیا
رب آ گئے۔ سلیمان بھائی نے ان سے ہاتھ ملانے میں بڑی گرمجوشی کا مظاہرہ کیا۔ بنفشہ
نے دیکھا کہ بڑبھیا اس کی طرف بڑی عجیب نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔

وہ جلدی سے شجو رانی کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑا کر اندر چلی گئی۔

تیز چلچلاتی دھوپ سے بھری دوپہر میں جب کالج سے گھر جانے کا وقت آیا تو
جو رانی کو جانے کیا سوجھی۔ بنفشہ کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولیں:

"کیا خیال ہے بنفشہ باجی۔ بڑے ماموں کے گھر چلیں؟"

"بڑے ماموں کے گھر، اور اس وقت؟

بنفشہ کچھ حیران ہو کر بولی۔

"ہاں تو کیا ہوا؟"

"اتنی تیز دھوپ ہے اور گرمی۔۔۔۔"

"دھوپ اور گرمی تو ہوتی ہی رہتی ہے، اس کی وجہ سے کام تھوڑی رک جاتا ہے۔"

شبّو رانی نے بنفشہ کی بات کاٹی۔

"مگر شبیعہ! اماں بیگم سے تو پوچھا ہی نہیں۔"

بنفشہ نے کہا۔

"اماں بیگم سے جان بوجھ کر نہیں پوچھا، وہ کون سی اجازت دے دیتیں۔"

شبّو رانی کچھ بگڑ کر بولیں۔

"لیکن اگر ان کو پتہ چل گیا تو بہت ناراض ہوں گی۔"

بنفشہ نے سہمی ہوئی کبوتری کی طرح شبّو رانی کی طرف دیکھا۔

"ہم کچی گوریاں تو کھیلے نہیں ہیں، اماں بیگم کو پتہ ہی نہیں چلنے دیں گے۔"

شبّو رانی مسکرائیں۔

"نہیں بھئی مجھے ڈر لگتا ہے۔"

"بنفشہ نے صاف صاف کہہ دیا۔

"اگر یوں ڈرتی رہیں نا تو دنیا میں کبھی کامیاب نہ ہو سکیں گی۔"

شبّو رانی نے بہت بہادر بن کر کہا۔ اور سچی بات تو یہ تھی کہ تھیں بھی بہت دلیر اور نڈر۔

بنفشہ نے بہت ٹال مٹول کی، طرح طرح کے حیلے بہانے تراشے، لیکن شبّو زبردستوں کی ایک زبردست تھیں۔ ان کے آگے کسی کی دال نہیں گلتی تھی۔ ا

سے کوئی نہیں جیت سکتا تھا۔

بنفشہ بے چاری تو بہت کمزور سی لڑکی تھی اور بزدل بھی۔ چنانچہ کالج کے گیٹ سے نکلتے ہی شبّو رانی نے رکشہ پکڑا اور رکشہ والے کو سوسائٹی چلنے کا آرڈر دے دیا۔

رکشہ جس وقت بڑے ماموں کے گھر کے سامنے رکا تو بڑی ممانی دوپہر کا کھانا کھا کر فارغ ہوئی تھیں۔ ہاتھ دھو کر تولیہ سے پونچھ رہی تھیں۔ شمع اور روحی کھانے کی میز پر جمی ہوئی تھیں۔ شمع بے چاری تو خیر پانچ منٹ پہلے ہی یونیورسٹی سے واپس آئی تھی۔ کپڑے بدلے بغیر ہاتھ دھو کر کھانا کھانے بیٹھ گئی تھی۔ بھوک کے مارے اس کا برا حال تھا۔ بی۔پی کے دو سلائس آخر ہوتے ہی کیا ہیں۔ وہ تو صبح ہی آنتوں کے جانے کس گوشے میں چپک گئے تھے۔ پراٹھا کھانے کی شمع بیگم کو عادت ہی نہیں تھی۔ عادات وادات تو خیر کیا؟ بڑی ممانی کا کہنا تھا کہ ڈائٹنگ کے پیچھے اپنی صحت کا ستیاناس کئے لے رہی تھیں۔ مکھن وہ نہیں کھاتی تھیں، پراٹھے سے وہ دور بھاگتی تھیں۔ چربی والا گوشت انہیں پسند نہیں تھا۔ چاول کو دیکھ کر ان کا منہ بنتا تھا۔ بس ہر وہ چیز جس سے موٹے ہونے کا خدشہ تھا، انہیں قطعی پسند نہیں تھی۔ انہیں اپنے جسم کا بڑا خیال رہتا تھا۔ جس کی شان میں ان کی سہیلیاں اٹھتے بیٹھتے قصیدے پڑھتی تھیں۔ پھر بانو کو دیکھ کر بھی وہ عبرت پکڑتی تھیں جس کا جسم کا دن بدن پھولتا چلا جا رہا تھا۔ شمع کو پکا یقین تھا کہ بس کوئی دن ایسا آنے ہی والا ہے جب بانو کے لئے اپنے بھاری جسم کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا مشکل ہو جائے گا۔ اور پھر مجبوراً بانو کے ابّا کو اپنی بیٹی کے لئے کرین کا

انتظام کرنا پڑے گا۔

بانو شمع کے برابر والے گھر میں رہتی تھی۔ بچپن سے دونوں ساتھ کھیلتی اور سا
پڑھتی آئی تھیں۔ اب البتہ دونوں کا میدان جدا جدا ہو گیا تھا۔ بانو نے بی۔ ایڈ میں دا
لے لیا تھا۔ اسے بچپن ہی سے استانی بننے کا شوق تھا اور شمع نے یونیورسٹی میں
داخلہ لے لیا تھا۔ اس نے سوچا۔

اہم۔ اسے تو خبر کر ہی لوں گی۔ اگر قسمت نے ساتھ دیا تو پی۔ ایچ۔ ڈی بھی
کر لوں گی۔

اب رہ گئیں روحی بیگم، تو وہ نہ تو بیٹھی تھیں اور نہ ندیدی۔ لیکن ان میں ایک
بڑی کمزوری یہ تھی کہ اگر ان کی پسند کی کوئی چیز پک جاتی تو انہیں اس بات کی
بالکل پرواہ نہیں ہوتی تھی کہ ان کے پیٹ میں جگہ ہے یا نہیں، بس ان کی پوری
کوشش یہی ہوتی تھی کہ وہ چیز زیادہ سے زیادہ مقدار میں ان کے پیٹ میں سما جائے۔

اور آج بھی بڑی ممانی سے یہی غلطی ہو گئی تھی کہ انہوں نے پالک گوشت،
چاول اور مسور پکائے تھے۔ تینوں چیزیں ہی روحی بیگم کی پسند کی تھیں۔ اس لئے
باوجود اس کے کہ وہ شمع سے بہت پہلے کھانا کھانے بیٹھی تھیں، بڑی مستقل مزاجی
سے میز پر ڈٹی ہوئی تھیں۔ ان کو اس بات کی قطعی پرواہ نہیں ہوتی تھی کہ کھانا
کھانے سے جسم پر موٹاپا چھا جائے گا اور وہ بھدی ہو جائیں گی۔ اور سچی بات تو
یہ تھی کہ ان کے اوپر زیادہ کھانے یا نہ کھانے سے کوئی اثر نہیں پڑتا تھا۔
وہ اپنی خواہش کے مطابق جی بھر کے، پیٹ بھر کے، بلکہ اس سے بھی زیادہ کھانا
کھاتی تھیں اور عیش کرتی تھیں۔ شمع کی طرح وہ ضرورت سے زیادہ حساس بھی نہیں

تھیں کہ بات بات پر سوچنے اور کڑھنے لگ جائیں۔ یہی وجہ تھی کہ ان کے چہرے
پر شمع کے مقابلے میں کہیں زیادہ رونق تھی۔ اب رہ گئی خوب صورتی کی بات، تو
اس کا قصہ یہ تھا کہ بڑی ممانی کی اولادیں سب ایک سے ایک بڑھ کر خوبصورت
تھیں بلکہ ان کے لئے اگر لفظ حسین استعمال کیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ اس کی
وجہ یہ تھی کہ بڑی ممانی قدرتی طور پر حسین تھیں۔ اور بڑے ماموں کو بھی خوبصورتی کے
معاملے میں کچھ کم نمبر نہ ملے تھے۔ اس عمر میں بھی بڑی ممانی کے حسن کا یہ عالم تھا کہ دیکھنے
والے دیکھتے ہی رہ جاتے تھے۔ رنگ تھا جیسے میدہ شہاب۔ آنکھ، ناک، ہونٹ،
قد، جسم، بال کسی چیز کو بھی بنانے میں اللہ میاں نے جلد بازی سے کام نہیں لیا تھا۔
بس یوں لگتا تھا کہ ساری محنت، ساری فرصت اور ساری توجہ اللہ میاں نے
انہی پر صرف کر دی تھی۔ اتنی پیاری شکل وصورت کے ساتھ میٹھی آواز نے تو بس سونے
پر سہاگے کا کام کیا تھا، تبھی بڑے ماموں ان پر ریجھ گئے۔ پھر اخلاق بھی بڑی ممانی
نے ایسا پایا کہ ....

رکشہ جب گھر کے سامنے رکا تو بڑی ممانی نے تولیہ اسٹینڈ پر ڈالتے ہوئے سوچا۔
دیکھوں تو سہی کون ہے؟

وہ دروازے کی طرف بڑھیں تو روحی نے کہا۔

"امی اپنے یہاں کون آتا ہے۔ سامنے والے گھر میں آیا ہوگا کوئی۔"

بڑی ممانی نے روحی کی بات سن کر ایک لمحے کے لئے مڑ کر اس کی طرف دیکھا
اور کچھ گم سم سی ہو گئیں۔ جبھی کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا تو ان کا چہرہ ایک دم کھل
اٹھا۔ یہ جانے بغیر، یہ دیکھے بغیر کہ کون آیا ہے۔ ان کے لئے یہی بڑی بات تھی کہ

کوئی ان کے گھر آیا ہے۔

انہوں نے دروازہ کھولا تو ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

"ارے میری بھانجیاں آئی ہیں اور تم کہتی ہو کہ اپنے یہاں کون آئے گا"

بڑی ممانی نے دونوں بازو آگے پھیلائے اور بنفشہ اور شجیعہ کو ایک ساتھ سینے سے لگا لیا۔

ان دونوں کے سلام کی آواز اندر ہی گھٹ کر رہ گئی۔

"جیتی رہو، اللہ تمہیں خوش رکھے۔"

خوشی کے مارے بڑی ممانی کے پاؤں زمین پر نہیں ٹک رہے تھے۔

روحی اور شمع بھی کھانا چھوڑ کر اٹھ گئیں۔

سب اس طرح خوش ہو رہی تھیں، جیسے بنفشہ اور شجّو رانی نہ آئی ہو بلکہ عید کا چاند نکل آیا ہو۔

"بڑے دنوں بعد آئیں بیٹی۔"

بڑی ممانی نے کہا۔

"جی ہاں۔ موقع ہی نہ مل سکا۔"

شجو رانی نے کچھ اس انداز سے کہا۔ جیسے پورے گھر کی ذمہ داری صرف انہی کے نازک کندھوں پر آ پڑی ہو۔

روحی اور شمع بنفشہ کے گلے کا ہار بنی جا رہی تھیں۔ بنفشہ کی حالت اس وقت بہت عجیب و غریب ہو رہی تھی۔

ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

آنکھوں میں گہری سوچیں تھیں۔

دل میں ڈر، خوف اور وسوسے،

سہمی ہوئی، گھبرائی ہوئی

مسکرا مسکرا کر ان لوگوں کی طرف دیکھ رہی تھی، لیکن زبان سے ایک لفظ نہیں نکل رہا تھا۔

"شمع باجی! آپ پہلے انہیں ایک گلاس ٹھنڈا پانی پلائیے ورنہ یہ ابھی بیہوش ہو جائیں گی۔"

شجو رانی نے بنفشہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"کیوں خیریت، طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟"

بڑی ممانی گھبرا گئیں۔

"طبیعت تو بالکل ٹھیک ہے ممانی جان۔ بس یہ ضرورت سے زیادہ ہی ڈر رہی ہیں۔"

شجو رانی نے کہا۔

"کیوں؟"

بڑی ممانی نے انجان بن کر پوچھا۔ حالانکہ بنفشہ کے ڈر اور خوف کا سبب وہ اچھی طرح جانتی تھیں۔

"اصل میں بات یہ ہے کہ ہم لوگ اماں بیگم سے کہے بغیر ادھر آ گئے ہیں۔"

شجو رانی نے انتہائی لاپرواہی سے کہا۔

بڑی ممانی کا کھلا ہوا چہرہ بجھ سا گیا لیکن وہ اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے بولیں۔

" اجازت لے لینی چاہیئے تھی بیٹی نہیں۔"

" اجازت وجازت لینے میں تو پھیلے بازی ہو جاتی ہے۔"

شجو رانی مسکرائیں۔

" اماں بیگم یہی جواب دیتیں کہ فلاں دن میں جاؤں گی۔ میرے ساتھ چلنا اا جب وہ فلاں دن آتا تو کہتیں۔ بیٹی آج تو فرصت نہیں ہے۔ پھر کسی دن چلیں وہ اسی طرح بہلاتی پھسلاتی رہتی ہیں ہم لوگوں کو۔"

شجو رانی نے کہا۔

" اچھا چلو، تم دونوں ہاتھ دھو کر کھانا کھانے بیٹھو۔"

بڑی ممانی نے کہا۔

" علی اور عباس بھائی کے کیا حال ہیں ؟"

شجو رانی نے ہاتھ دھوتے ہوئے پوچھا۔

" بہت اچھے ہیں۔ علی تم دونوں کو بہت یاد کر رہا تھا۔"

شمع نے کہا۔

"عباس بھائی ہم سے ناراض ہیں جو انہوں نے ہمیں یاد نہیں کیا۔"

شجو رانی کرسی گھسیٹتے ہوئے بولیں۔

" یہ تو ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ وہ ناراض بالکل نہیں ہیں لیکن . . .

" لیکن . . ."

شجو رانی نے استفہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

" لیکن یہ کہ زبانی طور پر تو وہ یاد نہیں کرتے، ممکن ہے دل میں یاد کرتے ہوں۔"

روحی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

" کمال کر دیا روحی نے اس وقت۔ بالکل یہی جملہ میرے ذہن میں تھا، اسی لئے میں نے یہ بات ادھوری چھوڑ دی تھی کہ کہیں یہ دونوں برا نہ مان جائیں۔"

شمع نے کہا۔

" آپ تو کمال کرنے میں روحی سے بھی چار ہاتھ آگے بڑھ گئیں۔"

شجو رانی نے کہا۔

" کیوں ـــ میں نے کیا کیا ؟"

شمع نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا۔

اب ہم ایسے کہیں کے لاٹ صاحب نہیں ہیں جو اتنی سی باتوں کا برا مان جائیں گے۔"

شجو رانی نے ابرو چڑھاتے ہوئے کہا۔

بنفشہ نہ بات کر رہی تھی اور نہ مسکرا رہی تھی۔ چپ چاپ سر جھکائے کھانا کھانے میں مشغول تھیں۔ شجو رانی نے گردن گھما کر ایک لمحے کے لئے برابر بیٹھی ہوئی بنفشہ کی طرف دیکھا اور بولیں۔

آپ ہماری باتیں نہیں سن رہی ہیں ؟"

کون ـــ میں

بنفشہ ایک دم چونک پڑی۔

"جی ہاں۔ آپ ہی سے کچھ عرض کر رہی ہوں۔"

"سُن رہی ہوں۔ سب کچھ سُن رہی ہوں۔"

"ایسے سننے کا کیا فائدہ؟"

شجو رانی نے کہا۔

"کیوں۔"

بنفشہ نے پریشان ہو کر دیکھا۔

"نہ کچھ بول رہی ہیں، نہ ہنس رہی ہیں، نہ مسکرا رہی ہیں۔"

بنفشہ کو کوئی جواب ہی نہ سوجھا۔ ٹکر ٹکر شجو رانی کی طرف دیکھنے لگیں۔

"گونگے کا گڑ کھا کے نہ بیٹھا کیجئے۔ بہت کم بولنے والے اور کچھ نہ بولنے والے بھی زندگی میں ہمیشہ نقصان ہی اٹھاتے ہیں؟"

شجو رانی کا انداز بالکل بوڑھی دادیوں کا سا تھا۔

"اچھا تو پھر فائدہ کون لوگ اٹھاتے ہیں؟"

روحی نے پوچھا۔

"میری طرح بہت زیادہ بولنے والے بھی فائدہ میں نہیں رہتے۔"

شجو رانی نے بڑی سی بوٹی اپنی پلیٹ میں ڈالتے ہوئے کہا۔

"یہی تو پوچھ رہی ہوں کہ پھر فائدے میں کون لوگ رہتے ہیں؟"

روحی نے کہا۔

"بس جو اعتدال میں رہیں، وہی فائدہ اٹھاتے ہیں۔ سمجھیں؟"

شجو رانی نے کہا۔

"ہاں۔ بالکل سمجھ گئی۔"

روحی نے اپنے خوبصورت بالوں والا سر ہلا دیا۔

"اور آپ؟"

شجو رانی نے بنفشہ کی طرف دیکھا۔

بنفشہ نے بھی اثبات میں سر ہلایا، لیکن اس کا دھیان شجو رانی کی باتوں کی طرف نہ تھا۔ اس کا تو مارے ڈر کے بُرا حال تھا۔ بس یہی سوچے جا رہی تھی کہ اگر اماں بیگم کو پتہ چل گیا تو کیا ہوگا؟ سالن مزے دار ہونے کے باوجود اس کا دل کھانا کھانے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ نوالے حلق میں اٹک رہے تھے۔ بار بار پانی پی رہی تھی۔ شمع اس کے سامنے بیٹھی بڑے غور سے اس کا جائزہ لے رہی تھی۔

"تم سے تو مارے ڈر کے کھانا بھی نہیں کھایا جا رہا ہے بنفشہ۔"

"جی نہیں تو۔ میں تو خوب اچھی طرح کھا رہی ہوں۔"

بنفشہ نے جلدی سے کہا۔

"پانی پیئے جا رہی ہو بس۔"

شمع مسکرائی۔

"پیاس بہت لگ رہی ہے۔"

بنفشہ نے اپنی گھبراہٹ کو مسکراہٹ کی اوٹ میں چھپانے کی ناکام کوشش کی۔

"تم نے بہت غلطی کی شمیعہ۔ تمہیں گھر سے اجازت لئے بغیر یہاں نہیں آنا چاہیئے تھا۔"

شمع کچھ سنجیدہ سی ہو گئی۔

"چھوڑیئے شمع آپا، آپ بھی نصیحت کرنے بیٹھ گئیں۔ اپنے ماموں کے گھر ہی آئے ہیں۔ کوئی پکنک منانے یا فلم دیکھنے تھوڑی آئے ہیں۔"

شجورانی نے انتہائی بیزاری سے کہا۔

کھانا کھا کر وہ دونوں شمع اور روحی کے کمرے میں آگئیں۔ یہ دونوں کا مشترکہ کمرہ تھا جسے انہوں نے بڑی خوبصورتی سے سجایا تھا اور جس کے کونے کونے سے نفاست ٹپکتی تھی۔

چاروں مل کر بیٹھیں تو کالج اور یونیورسٹی کے قصے چھڑ گئے۔ ناول، افسانے اور فلموں پر تبصرے ہونے لگے اور لمحے اس طرح چپکے سے گزر گئے کہ احساس بھی نہ ہوا۔ وہ تو جب باورچی خانے کی طرف سے برتنوں کے کھڑکھڑانے کی آواز اور پکوڑوں کی خوشبو آئی تو ان چاروں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا جیسے کہہ رہی ہوں۔ ایں! شام ہو گئی۔ بنفشہ اور شجورانی کی نگاہیں اپنی رسٹ واچ کی طرف اٹھ گئیں۔ شمع اور روحی نے میز پر رکھی ہوئی ٹائم پیس کی طرف دیکھا۔

"روحی، باورچی خانے میں چلنا چاہیئے۔ امی بے چاری اکیلی ہوں گی۔"

شمع نے کہا۔

"ہوں۔ سوچ تو میں بھی یہی رہی ہوں۔"

روحی نے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا۔

"صرف سوچتی رہو گی یا۔۔۔۔"

"اٹھنے کا ارادہ بھی کر رہی ہوں۔"

روحی نے جلدی سے کہا۔

"تو پھر اٹھو۔"

شمع نے کہا۔

"کیا کروں۔ سستی سوار ہے۔"

روحی نے کاہلی کا مظاہرہ کیا۔

"بیکار باتیں نہیں۔ جلدی اٹھو۔"

شمع نے اسے کھینچ کر بستر سے نیچے اتار دیا۔

اتنا وقت ہو جانے کے خیال سے بنفشہ اور بھی زیادہ پریشان ہو گئی تھی۔ لیکن شجورانی تھیں کہ کسی طرح جانے کا نام ہی نہیں لے رہی تھیں۔ آخر بنفشہ سے نہ رہا گیا۔ شجورانی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر آہستہ سے کہا۔

"گھر چلو شجیعہ! اتنی دیر ہو گئی ہے۔"

"آپ اپنے ہوش و حواس میں تو ہیں؟"

شجورانی نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

بنفشہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

"آپ کی ناک میں پکوڑوں کی خوشبو نہیں آ رہی؟"

شجورانی نے نتھنوں کو سکوڑتے ہوئے پوچھا۔

"آ رہی ہے۔"

بنفشہ نے سادگی سے کہا۔

"تو پھر۔ آپ چاہتی ہیں کہ پکوڑے کھائے بغیر چلے جائیں۔"

"لیکن دیر جو ہو رہی ہے۔"

بنفشہ روہانسی ہو گئی۔

"اب جہاں اتنی دیر ہوئی ہے وہاں تھوڑی دیر اور سہی۔"

بنفشہ پریشان صورت لئے اس کی طرف تکتی رہ گئی۔

"چلئے۔ باورچی خانے میں چلیں۔"

شجو رانی نے بنفشہ کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

وہ چاروں باورچی خانے میں پہنچیں تو بڑی ممانی بے چاری پسینے میں تر پکوڑے تلنے میں مصروف تھیں۔ اتنی گرمی کے باوجود ان کے ماتھے پر ایک بل تھا۔ ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ کھیل رہی تھی جو بنفشہ اور شجو رانی کو دیکھتے ہو گئی۔

"آپ تو ناحق تکلیف کر رہی ہیں ممانی جان۔"

شجو رانی نے ہنستے ہوئے کہا۔ حالانکہ پکوڑوں کی خوشبو ناک میں آتے ہی کے منہ میں پانی بھر آیا تھا۔

"تکلیف کی کیا بات ہے؟"

ممانی جان نے کہا۔

"اتنی گرمی میں آپ اتنا اہتمام کریں گی تو اسے تکلیف ہی کہا جائے گا۔"

"گرمی سردی تو ہوتی ہی رہتی ہے اس سے کام تھوڑی رکتے ہیں۔"

ممانی جان نے پکوڑے کڑاہی سے نکالتے ہوئے کہا۔

"ہم آپ کی کچھ مدد کریں۔"

شجو رانی نے ڈرتے ڈرتے اپنی خدمات پیش کیں۔

"تم لوگ آرام کرو کمرے میں۔ میں ابھی تھوڑی ہی دیر میں سب چیزیں تیار کئے ی ہوں۔"

روحی اور شمع نے پوری کوشش کی کہ امی کی بجائے وہ کام سنبھال لیں لیکن انہوں چاروں کو باورچی خانے سے بھیج دیا۔

شجو رانی کو پھر باتیں مٹھارنے کا موقع مل گیا۔ جانے کون کون سے قصے لے کر بیٹھ ئیں۔ ہوش تو انہیں اس وقت آیا۔ جب بڑی ممانی نے چائے کے لئے آواز دی۔

چائے کی میز پر نظر پڑتے ہی شجو رانی کی باچھیں کھل کر کانوں سے جا لگیں۔ صرف ڑے ہی نہیں تھے بلکہ اور بھی کئی نمکین چیزیں تھیں جو یقیناً اسٹاک میں سے نکالی ئی تھیں۔ اور تو اور بڑی ممانی نے آٹے کا حلوہ بھی لگے ہاتھوں تیار کر لیا تھا۔ باقی ل ابھی کھڑے ہی تھے کہ شجو رانی کرسی پر ڈٹ گئیں اور جلدی سے ہاتھ بڑھا کر ایک ٹوڑا منہ میں ڈال لیا۔ بنفشہ کو بھی یہ سبھی چیزیں بہت پسند تھیں۔ لیکن اس وقت ے پسند اور ناپسند سے زیادہ ڈر اور خوف سا رہا تھا۔ جیسے جیسے وقت گزرتا جا رہا تھا، اس کا رنگ پیلا پڑتا جا رہا تھا۔ اماں بیگم کا چہرہ نگاہوں کے سامنے گھوم رہا تھا ڑی ممانی نے اسے دو تین مرتبہ ٹوکا۔

"تم کچھ لے ہی نہیں رہی ہو بیٹی، ٹھیک سے کھاؤ۔"

ہر دفعہ اس کا یہی جواب ہوتا۔

"جی ٹھیک ہے، بس میں نے بہت کھا لیا۔"

ابھی وہ لوگ چائے پی کر اُٹھے ہی تھے کہ بڑے ماموں جان، علی اور عبا
آگئے۔ ان کو دیکھتے ہی شجو رانی نے منہ میں رکھا ہوا حلوہ جلدی سے نگل کر کہا

"السلام علیکم ماموں جان اور عباس بھائی۔"

"ارے میری بھانجی آئی ہے۔ جیتی رہو۔"

ماموں جان کا تھکا ماندہ چہرہ ایک دم کھل اٹھا۔ انہوں نے آگے بڑھ کر
سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا تو ان کی نگاہ بنفشہ پر بھی پڑی جو ایک کونے میں
تھی۔

"اپنی دوسری بھانجی کو تو ہم نے دیکھا ہی نہیں۔"

انہوں نے بنفشہ کا سر تھپتھپایا۔

"دوسری بھانجی صاحبہ نے سلام تک تو کیا نہیں۔"

علی نے بنفشہ کو چھیڑا۔

"کیا کیسے نہیں تھا، تم تو اپنے کانوں میں میل بھرے رکھتے ہو۔"

شمع نے کہا

عباس نے ڈری سہمی ہوئی بنفشہ کی طرف دیکھا اور شجو رانی کے سر پر چپت
کمرے کی طرف چلے گئے۔

چائے پی کر اٹھتے ہی بنفشہ نے پھر چلنے کی رٹ لگائی۔ بڑے ماموں نے علی
رکشہ منگوایا۔ شجو رانی سب سے بڑے زوروں میں مل کر علیک سلیک کر کے
آنے کا وعدہ کر کے رکشہ میں سوار ہو گئیں۔ بنفشہ نے تو سوائے سلام کرنے کے

رکشہ جیسے ہی آگے بڑھا۔ بنفشہ نے شجو رانی کی طرف کچھ شاکی نظروں سے دیکھا۔
اور آہستہ سے بولی۔

"اماں بیگم سے کیا کہو گی۔ وہ بہت ناراض ہوں گی۔"

"آپ کیوں اپنا خون سکھا رہی ہیں۔ ڈانٹ تو مجھے ہی پڑے گی۔"

شجو رانی کا انداز بہت لاپرواہ تھا۔

"مگر اچھی بات نہیں ہے شجیعہ، جب اماں بیگم ایک بات پر ناراض ہوتی ہیں تو۔"

"ارے چھوڑیئے جی، ایک ایسی ترکیب ذہن میں آئی ہے کہ اماں بیگم بالکل ناراض
نہیں ہوں گی۔"

"ترکیب۔ کیسی ترکیب؟"

بنفشہ نے پوچھا۔

"اماں بیگم سے کہوں گی کہ کل میرا ٹیسٹ ہے۔ روحی سے ایک ضروری کتاب لینی
تھی۔"

شجو رانی نے بات ختم کر کے اس طرح بنفشہ کی طرف دیکھا، جیسے کوئی بہت بڑا
تیر مارا ہو۔

بنفشہ نے اس کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ چپ چاپ بیٹھی سڑک پر
آگے پیچھے بھاگتی ہوئی سواریوں کو دیکھنے لگی۔

رکشہ جب گیٹ کے سامنے رُکا تو بنفشہ کی رہی سہی ہمت بھی جواب دے گئی۔
اماں بیگم برآمدے میں ہی ٹہلتی ہوئی نظر آگئی تھیں۔ ان کے چہرے پر جو کیفیات تھیں
وہ آنے والے طوفان کا پیش خیمہ تھیں۔ شجو رانی نے بڑے اطمینان سے رکشہ کا کرایہ

ادا کیا اور بڑی بہادر بن کر آگے بڑھیں۔ ان کے پیچھے ہی بنفشہ بھی لرزتی کانپتی گیٹ میں داخل ہوئی۔ گیٹ سے برآمدے کی سیڑھیوں تک کا راستہ تو خاموشی سے طے ہوا لیکن سیڑھیوں پر قدم رکھتے ہی اماں بیگم کی پاٹ دار آواز گونجی۔

"کہاں تھیں تم دونوں صبح سے؟"

بنفشہ تو خیر سر جھکائے خاموش کھڑی رہی۔ لیکن شجو رانی نے بڑی دیدہ دلیری سے اماں بیگم کی طرف دیکھا۔

"صبح سے دوپہر تک تو کالج میں تھے۔ پھر اس کے بعد بڑے ماموں کے گھر گئے تھے۔"

شجو رانی نے انتہائی لاپرواہی سے دیکھا۔

"بڑے ماموں جان کے گھر۔ کیوں؟"

اماں بیگم کڑک کر بولیں۔

"جی ۔۔۔ وہ ۔۔۔"

"شجو رانی! میں دیکھتی ہوں تم بہت آزاد ہوتی جا رہی ہو۔"

اماں بیگم نے انہیں اوپر سے نیچے تک گھور کر دیکھا۔

"آزاد، نہیں تو اماں بیگم۔"

شجو رانی کی آواز میں ڈر اور خوف کا شائبہ تک نہ تھا۔

"جو بات مجھے ناپسند ہے، تم وہی کرتی ہو۔"

شجو رانی نے دل میں سوچا۔ اماں بیگم کہتی تو ٹھیک ہیں، لیکن اب کیا کیا جائے۔

"اور تمہاری یہ مجال کب سے ہو گئی کہ مجھ سے پوچھے بغیر ہر جگہ گھومتی پھرو۔"

اماں بیگم نے کہا۔

"ہر جگہ تو پوچھے بغیر نہیں جاتی"۔ شجو رانی بولیں

"تو پھر آج کیوں گئیں؟"

"بات یہ ہے اماں بیگم کہ کل میرا ٹیسٹ ہونے والا ہے اور روحی سے مجھے ایک بہت ضروری کتاب لینی تھی۔

شجو رانی نے بڑے اطمینان سے کہا۔

"کتاب لینی تھی تو مجھے بتاتیں، میں ڈرائیور کو بھیج کر منگوا لیتی۔"

اب اس بات کا شجو رانی کیا جواب دیتیں۔ ٹکر ٹکر ان کی طرف دیکھنے لگیں۔

اماں بیگم کی ڈانٹ پھٹکار کی آواز سن کر تقریباً سبھی لوگ ان کے پاس جمع ہو گئے تھے۔ بیچ میں اماں بیگم کسی تھانیدارنی کی طرح گرج رہی تھیں۔ شجو رانی کسی دلیر اور عادی مجرم کی طرح کھڑی تھیں، اور بنفشہ کا انداز بالکل ایسا تھا جیسے کسی بچے نے پہلا پہلا جرم کیا ہو۔ اماں بیگم تو ابھی اور پھٹکارنے کے موڈ میں تھیں لیکن دادی اماں اور بڑی اماں نے بیچ بچاؤ کرا دیا۔

"چلو اپنے کمرے میں جاؤ۔ اماں بیگم گرجیں۔ ان دونوں نے جانے کے لئے قدم اٹھایا ہی تھا کہ اماں بیگم نے کہا۔

"اور کان کھول کر سن لو۔ آئندہ ان کے گھر میرے بغیر جانے کی ضرورت نہیں۔"

"جی اچھا۔" شجو رانی نے جلدی سے کہا اور کھٹ کھٹ کرتی اپنے کمرے کی طرف چلی گئیں۔

اماں بیگم نے ایک نظر سہمی ہوئی بنفشہ کی طرف دیکھا اور اپنی آواز میں نرمی پیدا

کرتے ہوئے بولیں۔

"بیٹی تم اس کی باتوں میں نہ آیا کرو۔ اس کو تو عادت پڑ گئی ہے الٹی یا
حرکتیں کرنے کی۔"

بنفشہ نے ان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ بس ان کی طرف دیکھ کر
بنفشہ کمرے میں پہنچی تو شجو رانی بستر پہ آڑھی ترچھی لیٹی بڑی ڈھٹائی سے مسکا
رہی تھیں۔ بنفشہ کو دیکھتے ہی ان کی مسکراہٹ ہنسی میں تبدیل ہو گئی۔

"ہنس کیوں رہی ہو؟" بنفشہ کچھ روہانسی ہو گئی۔

"خوشی کے مارے۔" شجو رانی نے بے تکا سا جواب دیا۔

"خوشی کی کون سی بات ہے؟" بنفشہ نے حیرت سے کہا۔

"بھئی راشن ملا ہے تو خوش نہ ہوں گے؟" شجو رانی نے تکیہ اٹھا کر اپ
سر کے نیچے رکھ لیا۔ بنفشہ ان کی طرف تکے جا رہی تھی۔

"کافی دنوں سے میں محسوس کر رہی تھی کہ میری صحت دن بدن گرتی جا
اب پتہ چلا کہ ڈانٹ کھائے بغیر دبلی ہو رہی تھی۔

شجو رانی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اتنی ڈانٹ پڑی ہے اور پھر بھی تم مسکرا رہی ہو۔" بنفشہ نے تھکے ہا
سے انداز میں کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"صرف ڈانٹ ہی تو پڑی ہے۔ مار پڑتی تو ذرا مزہ بھی آتا۔"

بنفشہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

"چلیئے شکر ہے خدا کا۔ اس بہانے آپ مسکرائیں تو سہی۔"

شجو رانی نے اطمینان سے کہا۔

بنفشہ نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ آنکھیں بند کر کے جانے کن سوچوں
میں گم ہو گئی۔

رات کا کھانا کھانے میں خاصی دیر ہو گئی۔ ہوا یوں تھا کہ بنفشہ اور شجورانی تو بڑے ماموں کے یہاں چائے کے ساتھ لوازمات سے خاطر کروا کے آئی تھیں ادھر گھر میں بھی آپا جان اور چھٹ باجی نے باورچی خانے کو رونق بخشنے کی ٹھان لی تھی۔ سہ پہر سے ہی باورچی خانے میں گھس گئی تھیں۔ پکوڑے، چنے کی دال بنانے میں مصروف ہو گئی تھیں۔ شام کو چائے پر سبھی نے اپنا اپنا پیٹ نہیں بلکہ قاضی جی کا حوض سمجھ کر اسے خوب بھرا ٹھونسا تھا۔ پھر بھلا بھوک لگنے کا کیا سوال تھا۔ دادی اماں جو ہمیشہ سے کھانے پینے کے معاملے میں بڑی محتاط تھیں اور چاہے جتنی بھی مزے دار چیز پکے وہ ہمیشہ اپنا پیٹ سمجھ کر کھاتی تھیں۔ وہ بھی چھٹ باجی اور آپا جان کے ہاتھوں کے پکوڑے خوب مزے لے لے کر چٹ کر گئیں اور دادا جان بے چارے پکوڑوں کی خوشبو سونگھ سونگھ کر ایک طرف تو اپنے دل کو سمجھاتے رہے اور دوسری

طرف جی ہی جی میں سب گھر والوں کو بُرا بھلا کہتے رہے۔ سب سے زیادہ لعنت ملامت وہ "سب سے بڑی ڈاکٹرنی" یعنی اپنی "بھاوج محترمہ" کو کر رہے تھے۔

معمول کے مطابق فتو جب ان کے لئے رات کا کھانا لے کر گیا تو اسے روز کے مقابلے میں کچھ زیادہ ہی پھٹکار سننی پڑی۔ جواب میں فتو نے اپنے بڑے بڑے اور پیلے پیلے دانتوں کی نمائش کر دی اور منڈیا جھکا کر کمرے سے باہر نکل آیا۔

ہاں تو اس روز رات کے کہیں دس بجے کھانے سے فراغت نصیب ہوئی تو شجورانی بغیر ادھر ادھر ٹہل کر کھانا ہضم کرنے کے اوندھے منہ بستر پر گر گئیں۔ اور تو اور انہوں نے کتابیں چاٹنے کا پروگرام بھی ملتوی کر دیا۔ بنفشہ کچھ دیر کمرے کے دریچے میں کھڑی بالکل بے مقصد انداز سے اندھیروں کو تکتی رہی۔ پھر دبے پاؤں باہر نکل آئی۔ دادا جان کے کمرے کے قریب سے گزرتے ہوئے وہ محتاط ہو گئی۔ اسے ڈر تھا کہ اگر کہیں دادا جان نے آہٹ سن لی اور اس کی طرف دیکھ لیا تو آج بس شامت ہی آجائے گی۔ آج نہ تو وہ انہیں سلام کرنے گئی تھی اور نہ ہی اخبار پڑھ کر سنایا تھا۔ اسے فرصت ہی کہاں ملی تھی۔ اس نے کنکھیوں سے ان کے کمرے کے دریچے کی طرف دیکھا اور جلدی سے آگے بڑھ گئی۔ بڑے بھیا کے کمرے میں روشنی ہو رہی تھی۔ اس نے فی الحال برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھنے کا ارادہ ترک کر دیا اور ان کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ دروازے کا پردہ ذرا سا سرکا ہوا تھا اس کی نگاہیں اندر کی طرف اٹھ گئیں۔ بڑے بھیا اپنے بستر پر لیٹے تھے۔ کھلی ہوئی کتاب ان کے سینے پر الٹی رکھی ہوئی تھی۔ انگلیوں میں سلگا ہوا سگریٹ تھا مے وہ نہ جانے کن سوچوں میں کھوئے ہوئے تھے۔ پیشانی پر غور و فکر کی سلوٹیں نمایاں تھیں۔

بنفشہ نے آہستہ سے دروازے پر دستک دی۔ اس نے دیکھا بڑے بھیا ایک
چونک پڑے۔ خیالات کا سلسلہ جو ٹوٹ گیا تھا۔

"کون ہے، اندر آجاؤ۔"

بڑے بھیّا کی بھاری آواز کمرے کی خاموشیوں سے ٹکرائی۔ دوسرے ہی لمحے
پردہ سرکا کر اندر داخل ہوگئی۔

"السلام علیکم شعیب بھائی۔"

"علیکم السلام۔"

بڑے بھیّا کی آواز جانے کیوں بہت مدھم تھی۔ وہ بڑے غور سے بنفشہ کی
طرف دیکھ رہے تھے۔ بنفشہ ان کی نگاہوں سے کچھ گھبرا سی گئی۔

"آپ اس طرح کیوں دیکھ رہے ہیں؟" بنفشہ نے پوچھا۔

"ہوں" بڑے بھیّا صرف 'ہوں' کر کے رہ گئے۔

"میں واپس چلی جاؤں؟" بنفشہ نے پوچھا۔

"کیوں؟" بڑے بھیّا نے جواب دینے کے بجائے الٹا اسی سے سوال کر دیا

"شاید آپ کو میرا آنا ناگوار گزرا ہے۔"

بنفشہ کچھ شرمندہ سی تھی۔

"غلط فہمی ہوئی ہے تمہیں۔" بڑے بھیّا مسلسل اس کے چہرے کی طرف دیکھ
رہے تھے۔

"آپ نے تو مجھ سے بیٹھنے کے لئے بھی نہیں کہا۔

"تسویح رہا ہوں تمہیں کہاں بٹھاؤں؟" بڑے بھیّا قدرے مسکرائے۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"

بنفشہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

"تمہیں بٹھانے کے لئے جگہ کا انتخاب کر رہا ہوں۔"

بڑے بھیّا کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔

"نہ جانے آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔"

"تم اتنی کم عقل کب سے ہوگئیں کہ اتنی چھوٹی سی بات تمہاری سمجھ میں نہ آسکی۔"

"اتنے بڑے کمرے میں مجھے بٹھانے کے لئے آپ کو کوئی جگہ نظر نہیں آئی؟"

"جگہ تو بہت ہے لیکن سوال ہے انتخاب کا۔"

بنفشہ نے ایک نظر ان کی طرف دیکھا اور واپس جانے کے لئے دروازے کی طرف
بڑھ گئی۔

"بڑے بھیّا کو احساس ہوا کہ وہ ناراض ہو کر جا رہی ہے۔

"دیکھو یہ غلط بات ہے۔ تم مذاق کی باتوں کا بھی برا مان جاتی ہو۔"

بڑے بھیّا نے اس کا موڈ ٹھیک کرنے کی کوشش کی اور کتاب سرہانے رکھ کر بستر
سے نیچے اتر آئے۔

بنفشہ دروازے سے باہر نکلی تو بڑے بھیّا کی رعب دار آواز گونجی۔

"واپس آؤ بنفشہ۔"

بنفشہ کے بڑھتے قدم رک گئے۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ بڑے بھیّا دروازے کے
قریب پہنچ چکے تھے۔ وہ بغیر کچھ کہے کمرے میں واپس آگئی اور کرسی و پلنگ کے قریب
گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔ بڑے بھیّا اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے معنی خیز انداز میں اس کی طرف
دیکھ کر مسکرائے۔

"مزاج کیسے ہیں؟" وہ قدرے آگے کو جھک کر بولے۔

"ٹھیک ہیں۔"

"رہتی کہاں ہو آج کل، تمہارے درشن ہی نہیں ہوتے۔"

"یہیں رہتی ہوں، آپ خود ہی اتنی دیر سے واپس آتے ہیں۔"

"سنا ہے آج تمہیں اور شجیعہ کو بڑی زوردار ڈانٹ پڑی ہے؟" بڑبھیا

"آپ سے کس نے کہا۔"

"بس۔ اڑتی اڑاتی ہم تک بھی پہنچ گئی یہ خبر!"

"مجھے تو نہیں ڈانٹا اماں بیگم نے۔"

"اچھا اسی لئے افسردہ ہو۔"

"بے چاری شجیعہ کو ڈانٹ پڑ گئی نا۔" بنفشہ نے سچ مچ افسردہ ہو کر کہا۔

"حالانکہ اسے بہکانے والی تم ہی ہو گی۔"

"میں نے تو کچھ بھی نہیں کہا۔ وہ تو خود ہی ...."

"کم تم بھی نہیں ہو۔"

"میں بھلا کیا کرتی ہوں۔"

بنفشہ نے حیران ہو کر بڑبھیا کی طرف دیکھا۔ بڑبھیا کا موڈ آج واقعی حیران کن ان کے اوپر ایسا موڈ بہت کم طاری ہوتا تھا۔ ورنہ جب دیکھو سنجیدگی طاری ہے۔

بڑبھیا کچھ دیر بیٹھے اس کی حیرانی اور پریشانی سے محظوظ ہوتے رہے، پھر سوچ کر بولے۔

"ایک بات کہوں؟"

"کہئے۔"

"مگر پھر سوچتا ہوں نہ کہوں۔"

"کیوں۔"

"کہیں تم ناراض نہ ہو جاؤ!"

"ناراض کرنے والی بات ہی نہ کہئے۔"

بڑبھیا نے ایک لمحے کی طرف اس کی طرف دیکھا اور کچھ کہتے کہتے رک گئے۔

بنفشہ مجسم سوال بنی ان کی طرف تکے جا رہی تھی۔ مگر جب کئی لمحے گزر گئے اور بڑبھیا خاموش ہی رہے تو وہ پوچھ بیٹھی۔

"آپ کیا کہنے والے تھے؟"

"کچھ نہیں۔"

"یہ کیا بات ہوئی۔"

"ابھی وہ بات کہنے کا وقت نہیں آیا۔"

"آج تو آپ معموں میں باتیں کر رہے ہیں۔"

بنفشہ بیگم، ایک دم ہی مجھے احساس ہوا کہ جو کچھ میں کہنے والا ہوں اس کے لئے ابھی مناسب وقت نہیں آیا۔

بڑبھیا نے یہ بات اتنی سنجیدگی سے کہی کہ بنفشہ سوچ میں پڑ گئی۔ کچھ دیر وہ چپ چاپ بیٹھی زمین کو گھورتی رہی پھر بغیر کچھ کہے اٹھ کر چلی گئی۔ بڑبھیا نے اسے نہیں روکا۔ کرسی کی پشت سے سر ٹیک کر آنکھیں بند کر لیں۔ اور لمحے خاموشی سے گزرنے لگے۔

بڑے بھیّا کے کمرے سے نکل کر بنفشہ نے سوچا۔ وہ کیا کرے، کہاں جائے۔ فی الحال اپنے کمرے میں جانے کا اس کا کوئی پروگرام نہیں تھا۔ کیونکہ نہ تو اسے [نیند] آرہی تھی اور نہ اس کا موڈ پڑھنے کا تھا۔ اس کی نگاہیں چھٹ باجی اور آپا جان کے کمرے کی طرف اٹھ گئیں۔ ایک لمحے کے لئے اس نے سوچا کہ وہ ان کے کمرے میں چلی جائے [اور کچھ] دیر ان کے ساتھ ہی باتیں کر کے دل بہلائے۔ مگر دوسرے ہی لمحے اس نے اپنا ارادہ [بدل] دیا۔ اس کے دل نے کہا۔

"تمہیں کیا حق پہنچتا ہے کہ تم دوسروں کو بور کرو۔"

اس نے ہوا میں اڑتا ہوا اپنا گلابی آنچل سنبھالا اور برآمدے کی سیڑھیوں [پر] بیٹھ گئی۔ اور بڑی سنجیدگی سے بڑے ماموں جان کے گھر کے ساتھ اماں بیگم کے تعل[قات] کے بارے میں سوچنے لگی۔

کس قدر سرد مہری کا برتاؤ کرتی ہیں اماں بیگم ان لوگوں کے ساتھ۔

پہلے پہل جب وہ اس گھر میں آئی تھی اور اسے اصل حقیقت کا علم نہیں تھا وہ بہت حیرانی سے ان سب باتوں کو دیکھتی تھی۔ وہ تو بعد میں جب شجو رانی نے [بتایا] تو اسے معلوم ہوا کہ اماں بیگم اور بڑے ماموں جان کے تعلقات اس وقت سے خر[اب] ہیں جب نانی اماں مرحومہ زندہ تھیں۔ کیونکہ بڑے ماموں جان نے نہ صرف یہ کہ نا[نی اماں] کی چہیتی بھانجی کے ساتھ شادی کرنے سے انکار کر دیا تھا بلکہ اپنی پسند کی شادی [کی] وہ بھی شیعہ گھرانے میں۔ ظاہر ہے کہ شادی میں کسی نے شرکت نہیں کی۔ بڑے ما[موں] جان اپنے چند دوستوں کی ہمراہی میں ٹرخ ٹوں کرتے سسرال جا پہنچے اور الگ گھ[ر] کر رہنے لگے۔ اس واقعے کے کچھ ہی عرصہ بعد نانی اماں بہت بیمار پڑیں۔ بڑے ماموں [جان]

ڈرتے ڈرتے ان سے ملنے گئے تو نانی اماں نے انہیں گلے سے تو ضرور لگا لیا مگر ساتھ ہی ایک فرمائش بھی کر دی کہ اپنی بیوی کو طلاق نامہ تھما کر ان کی چہیتی بھانجی سے شادی کر لیں۔ بڑے ماموں جان نے اس ظلم و ستم کو کسی طرح گوارا نہ کیا اور واپس چلے آئے۔ اس کے دو ہی مہینے بعد نانی اماں کا انتقال ہو گیا۔ اماں بیگم نانی اماں کی بے وقت موت کا ذمہ دار بڑے ماموں کو ٹھہراتی تھیں۔ ان کا کہنا تھا کہ ماموں جان نے انہیں جو ذہنی اذیت دی اس کی وجہ سے نانی اماں کی صحت روز بروز گرتی گئی۔

مگر شجو رانی کے نزدیک اماں بیگم کی یہ بات بالکل فضول تھی۔ نانی اماں اللہ میاں کے گھر سے اپنی اتنی عمر لکھوا کر آئی تھیں۔ تو کوئی کیا کر سکتا تھا۔ بڑے ماموں جان بیچارے تو خواہ مخواہ ہی پھنس گئے تھے۔ ورنہ سیدھی سی بات تو یہ تھی کہ موت اپنے مقررہ وقت پر آنی ہی تھی۔ یہ بات نہ ہوتی تو کوئی اور ہو جاتی۔

بنفشہ بیگم بھی شجو رانی کی ہم خیال تھیں۔ اور تو اور ابّا میاں کے سوچنے کا انداز بھی بالکل ان دونوں کا سا تھا۔ انہی کے کہنے سننے پر تو بعد میں اماں بیگم کے دماغ کی چول ذرا ٹھیک ہوئی۔ عید بقرعید اور دوسری تقریبات کے موقعوں پر ان لوگوں کو بلایا جانے لگا اور ان کے یہاں تقریبوں میں شرکت کی جانے لگی۔ ورنہ اماں بیگم نے تو ان بیچاروں کو دودھ کی مکھی کی طرح نکال کر پھینک دیا تھا۔

ادھر اماں بیگم کا حال یہ تھا اور دوسری طرف "بیٹی صاحبہ" کی یہ کیفیت کہ دم دیئے دیتی تھیں ان لوگوں پر۔ ان کا تو بس نہیں چلتا تھا کہ مستقل بڑے ماموں جان کے گھر جا کر رہنے لگیں۔ ان لوگوں کی تعریفیں کرتے شجو رانی کی زبان بھی نہیں تھکتی تھی — چھٹ باجی اور آپا جان کو بھی اماں بیگم کے یہ طور طریقے ایک آنکھ نہیں بھاتے تھے۔ وہ

دونوں دل سے یہ چاہتی تھیں کہ بڑے ماموں جان کے گھر خوب آنا جانا ہو، مگر
شجو رانی کی طرح نہ تو تیز طرار تھیں، اور نہ ہی ان کی جیسی ہمت تھی ان دونوں
بنفشہ کو کچھ خبر نہیں تھی کہ وہ کہاں بیٹھی ہے اور کتنی دیر سے بیٹھی ہے۔
بس سوچے جا رہی تھی، بڑے ماموں جان اور ممانی جان کے بارے میں اور ا
کے بارے میں — تو جب بڑ بھیا کو نیند نے ستایا اور وہ بتی بند کرنے کے
سے اپنے بستر سے اٹھے تو کتاب میز پر رکھتے ہوئے ان کی نگاہ دریچے سے باہر
گئی اور انہوں نے بنفشہ کو برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھے دیکھ لیا۔ ان کے ہونٹ
ایک ہلکی سی مسکراہٹ بکھر گئی۔ وہ ایک منٹ وہ دریچے میں کھڑے اس کی طرف
رہے پھر کمرے سے باہر نکل آئے اور چپ چاپ اس کے پیچھے آ کر کھڑے ہو گئے
بنفشہ اتنی بے خبر بیٹھی تھی کہ اسے پتہ ہی نہ چلا۔

"کب تک یہاں بیٹھے رہنے کا ارادہ ہے بنفشہ بیگم؟"

بڑ بھیا نے کہا۔

بنفشہ ایکدم چونک گئی۔ اس نے پلٹ کر ایک لمحے کے لئے دیکھا اور پھر ا
سر جھکا لیا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے۔ میری بات کا کوئی جواب نہیں؟" بڑ بھیا نے رعب ج
مگر بنفشہ پھر بھی اسی طرح بیٹھی رہی۔

انہیں خیال آیا کہیں یہ پگلی رو نہ رہی ہو۔ وقت بے وقت تنہا بیٹھ کر رد
میں تو اسے شاید لطف آتا ہے۔ وہ اس سے قدرے فاصلے پر بیٹھ گئے اور جھک
کی طرف دیکھا۔

"رو رہی ہو؟" انہوں نے پوچھا

"نہیں تو،" بنفشہ نے حیران ہو کر ان کی طرف دیکھا۔

"پھر اس طرح کیوں بیٹھی ہو؟"

"پھر کیا کروں؟"

"کیوں، کوئی کام نہیں ہے؟"

"پڑھنے کا موڈ نہیں، نیند کا دور تک پتہ نہیں اور اس وقت ایسا کوئی نہیں
ہے جس سے میں بات کر سکوں۔"

بنفشہ کا لہجہ اتنا تھکا تھکا سا تھا کہ بڑ بھیا کو اس پر بے پناہ ترس آیا۔ لیکن انہوں نے
سوچا کہ اگر میں نے اسوقت ذرا بھی ہمدردی ظاہر کی تو وہ ٹپ ٹپ آنسو بہانے بیٹھ جائے گی۔

انہوں نے اپنا لہجہ بدستور قائم رکھتے ہوئے کہا۔

"تمہیں کوئی شخص اس قابل نظر نہیں آتا جو تم سے بات کر سکے؟"

"شاید میں ہی کسی کے قابل نہیں۔" بنفشہ نے کہا۔

"میرے کمرے سے چلی کیوں آئیں؟"

بنفشہ نے شکایت آمیز نظروں سے ان کی طرف دیکھا، کچھ کہنے کے لئے اس
کے لب ہلے۔ مگر وہ جانے کیا سوچ کر خاموش رہی۔

"کچھ عرض بھی تو کیجئے محترمہ کہ بس....."

"چلی نہ آتی تو کیا کرتی، آپ نے لفٹ ہی نہیں دی۔"

بنفشہ نے کہا اور بڑ بھیا کے ہمدردی ظاہر نہ کرنے کے باو ... ں پلکیں
بھیگ گئیں۔

"مجھے یہ بے وقوفی بالکل پسند نہیں۔" بڑے بھیّا کا اشارہ اس کے آنسوؤں کی طرف تھا۔

بنفشہ نے جلدی سے اپنی آنکھوں کو بڑی بے دردی سے رگڑ ڈالا۔ اور بڑے بھیّا کی طرف اس طرح دیکھا جیسے کہہ رہی ہو۔

"اب تو ٹھیک ہے نا۔"

بڑے بھیا اس کی اس حرکت پر مسکرائے۔

بنفشہ اسی انداز سے ان کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔

"آؤ اندر چلیں۔" بڑے بھیّا نے اٹھتے ہوئے کہا۔

بنفشہ نے بڑی سعادت مندی سے ان کے حکم کی تعمیل کی۔

"تاش کھیلو گی۔"

بڑے بھیّا نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔" بنفشہ نے کہا۔

"کیرم کھیلو گی۔"

"نہیں۔"

"شطرنج کھیلو گی۔"

"جی!"

بنفشہ نے "جی" کہنے کے ساتھ ساتھ سر بھی ہلا دیا۔

بڑے بھیّا نے ڈبہ کھول کر شطرنج کے مہروں کا جائزہ لیا اور بنفشہ کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئے۔

بنفشہ کرسی کی پشت سے سر ٹکائے ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"کیا دیکھ رہی ہو؟" بڑے بھیّا نے مسکرا کر پوچھا۔

"کچھ نہیں۔"

"تم رویا مت کرو۔ مجھے تکلیف ہوتی ہے!"

بڑے بھیّا کا انداز نصیحت آمیز تھا۔

"جی —!"

بنفشہ نے سعادت مندی سے کہا۔

بڑے بھیّا نے اس کی طرف دیکھا اور شطرنج بورڈ میز پر پھیلا دیا۔

اس روز سارا دن بادل چھائے رہنے کے بعد شام کو ہلکی ہلکی بو
ہوئی تھی۔ پھر ایک دم آسمان پر سے بادل غائب ہو گئے۔ اور مطلع صاف ہو
شجو رانی نے کالج سے آنے کے بعد بڑبا کے کمرے سے جانے کون سی کتاب پا
لی تھی، کھانا کھانے کے بعد سے جو اس سے چپک کر بیٹھیں تو انہیں دین کا
رہا نہ دنیا کا۔ امرتسر والی دور پار کی نانی جو رشتے میں اماں بیگم کی خالہ لگتی تھیں
اپنی نئی نویلی بہو کے آئیں۔ بڑبا کے ایک پرانے دلارے دوست اغن خاں، خ
سب بڑبا کا لنگوٹیا یار کہتے تھے آئے اور بڑی دیر تک رہے، چھٹ باجی کی دو
سہیلیاں آئیں اور انہوں نے بڑی ہا ہا، ہو ہو مچائی مگر شجو رانی کے کان پر جو
نہ رینگی۔

شام کو چائے کے وقت فتو، رمضانی اور شبراتن باری باری آ کے چائے

کہہ گئے۔ مگر انہوں نے کتاب پر سے نظریں ہٹائے بغیر "ہوں" "اچھا" کہا مگر
جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوئیں۔ پھر بنفشہ نے بھی آ کر چائے کے لئے کہا۔

"میری چائے کسی کے ہاتھ یہیں بھجوا دیجئے بنفشہ باجی!"

شجو رانی نے بے حد التجا سے کہا۔

غرض یہ کہ چائے بھی وہیں بستر پہ بیٹھے بیٹھے پی لی۔

لیکن شام کو سب مہمانوں کے جانے کے بعد شجو رانی کی جو شامت آئی
ہے تو سب نے بلا ٹکٹ تماشہ دیکھا۔

اماں بیگم اپنے کاسنی ریشمی غرارے کے بھاری پائنچے سنبھالے اور اپنا کاسنی
دوپٹہ لہراتی ماتھے پر تیوریاں ڈالے شجو رانی کے کمرے میں داخل ہوئیں۔ چند لمحے کھڑی
شجو رانی کو گھورتی رہیں پھر چیل کی طرح جھپٹ کر ان کے ہاتھ سے کتاب چھین کر میز پر پٹخ دی۔
پہلے تو شجو رانی کی کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ آخر یہ ہوا کیا ہے، آنکھیں پھاڑے، منہ کھولے
اونق بنی تکتی رہ گئیں۔ اماں بیگم کی آنکھیں آگ برسا رہی تھیں۔ ہونٹ مارے غصے
کے کانپ رہے تھے۔

"اگر ذرا بھی شرم ہے تو چلو بھر پانی میں ڈوب مرو شجو رانی۔"

اماں بیگم غرائیں۔

"میں نے کیا کیا اماں بیگم۔" شجو رانی نے آہستہ سے کہا۔

"یہ بھی مجھ ہی سے پوچھتی ہو کہ میں نے کیا کیا؟" اماں بیگم نے گھور کر کہا۔

"آپ کچھ بتائیں بھی تو؟"

"ہاں تم تو ننھی نادان ہو، کچھ نہیں معلوم تمہیں۔ سکندرہ خالہ ڈرگ روڈ سے

آئی تھیں ملنے کے لئے، مگر تمہیں اتنی بھی توفیق نہ ہوئی کہ آکر سلام کر جاتیں
اماں بیگم چمک کر بولیں۔

"بس اتنی سی بات، بھئی اگر میں نہیں گئی تھی تو وہ خود آکر مجھ سے ملتیں جبھی میں انہیں سلام بھی کر لیتی۔" شجو رانی نے دل میں سوچا۔

"اعجن خاں آئے، انہیں تم سلام کرنے نہیں گئیں۔"

یہ تو کوئی ایسی بات نہیں جس پر اتنی پھٹکار پڑے، اس میں کسی کا کیا ن ہے؟ گناہ ثواب جو کچھ ملنا ہوگا مجھے ہی ملے گا۔

شجو رانی نے دل ہی دل میں کہا۔

"تم تو مزے میں رہتی ہو، سب مجھے ہی نام دھرتے ہیں۔" اماں بیگم نے کہا

شجو رانی نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"کیوں مجھ کو تھکوانے پر کمر باندھی ہے تم نے؟"

اماں بیگم کی آواز پھر تیز ہو گئی۔

"مجھے کچھ ہوش نہیں تھا اماں بیگم، کتاب بہت دلچسپ ہے نا۔"

"یہ کتابیں تو تمہیں دو کوڑی کا نہ چھوڑیں گی۔"

اماں بیگم نے جل کر شیلف میں رکھی ہوئی کتابوں کی طرف اشارہ کیا۔

"اسے بس ختم بھی کرو زلیخا، اس کو کیا کہو ہو، اس پر تو کچھ اثر نہیں ہوتا ہے۔"

دادی اماں کھسر کھسر کرتی آگے بڑھ آئیں۔

"اماں جان آپ کو کیا بتاؤں، مجھے کتنی شرمندگی ہوئی ہے آج، بیچاری سک

ران کی بہو بار بار پوچھ رہی تھیں۔ میں نے اس کو چار پانچ دفعہ بلوایا۔ کم سے کم لام ہی کر جاتی بوڑھی نانی کو، مگر اس نے اپنی جگہ سے ہل کر نہ دیا۔ آخر میں مجھے ت بنانے کو کہنا پڑا کہ کالج سے آکر بہت تھک گئی تھی۔ سو رہی ہے۔" اماں بیگم لے کہا۔

"یہ لیجئے پھر تو ڈانٹنا پھٹکارنا بالکل ہی فضول تھا۔" شجو رانی نے دل ہی دل ں کہا۔

اماں بیگم بلڈ پریشر کی مریض تھیں، غصہ بہت جلدی آتا تھا اور بڑے زوروں ے آتا تھا۔ غصے میں ان کی آواز بہت بلند ہو جاتی تھی۔ چنانچہ اس وقت بھی یہی ہوا سے کے عالم میں انہوں نے پھٹکارنا شروع کیا تو ان کی آواز معمول کے مطابق بلند ہو ئی اور آس پاس کے کمروں سے بھی لوگ شجو رانی کے کمرے میں یہ دیکھنے کے لئے ع ہو گئے کہ آخر قصہ کیا ہے۔

اماں بیگم تو شاید اور گرجتیں برستیں۔ وہ تو اللہ بھلا کرے دادی اماں اور بڑی ماں کا جنہوں نے آکر بیچ بچاؤ کرا دیا۔ اماں بیگم غرارہ سنبھالے بڑبڑاتی ہوئی لرہ سے باہر نکل گئیں۔ ان کے پیچھے ہی باقی لوگ بھی کمرے سے باہر نکل گئے۔ صرف بفشہ باقی رہ گئی جو سہمی ہوئی دریچے کے قریب کھڑی شجو رانی کی طرف دیکھ رہی تھی، شجو رانی نے اس کی طرف دیکھا اور بڑی ڈھٹائی سے بتیسی نکال دی۔

"میں اسی لئے تم سے کہہ رہی تھی کہ صرف پانچ منٹ کے لئے اماں بیگم کے پاس ہو آؤ مگر۔۔۔"

"ارے چھوڑیئے ان باتوں میں کیا رکھا ہے؟"

شجو رانی تو چکنا گھڑا تھیں۔

"رکھا کیسے نہیں، خوامخواہ ڈانٹ پڑ گئی سب کے سامنے۔"

بنفشہ نے افسوس سے کہا۔

"کوئی حرج نہیں ہے، سب گھر کے ہی لوگ تھے۔"

شجو رانی نے کہا۔

"تمہیں تو شوق ہے ڈانٹ کھانے کا۔"

بنفشہ نے کہا۔

"آپ کس چکر میں پڑ گئی ہیں، لائیے میری کتاب اٹھا دیجئے۔"

شجو رانی نے لاپرواہی سے کہا۔

بنفشہ نے کتاب میز پر سے اٹھا کر اس کی طرف بڑھا دی۔

"اماں بیگم بھی عجیب ہیں بس۔"

شجو رانی آپ ہی آپ بڑبڑائیں۔

بنفشہ نے استفہامیہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔

"اتنی دلچسپ کتاب ہے، خواہ مخواہ ہی میرا وقت ضائع کیا۔"

شجو رانی نے کتاب کھولتے ہوئے کہا۔

بنفشہ نے سوچا۔ اس کے پاس ٹھہرنا فضول ہے۔"

وہ بغیر کچھ کہے کمرے سے باہر نکل آئی۔ آپا جان اور چھٹ باجی مہند
کے قریب جانے کیا کھسر پھسر کر رہی تھیں۔ ٹرانسسٹر آن تھا۔ شاید سیلو
ہوا تھا۔ پرانا بھارتی نغمہ ہو رہا تھا۔ اس کے پسندیدہ گائیک جگ موہن کی آ

رس گھول رہی تھی۔

میری آنکھیں بنیں دیوانی
پہلے لائیں آگ، ہردے میں
پھر بھر لائیں پانی!

اس نے سوچا۔

وہ ان دونوں کے پاس جا کر بیٹھے یا نہ بیٹھے، ممکن ہے وہ کوئی پرائیویٹ ب
ات کر رہی ہوں، ایسے میں جانا تو مناسب نہیں ہے۔ وہ ابھی شش و پنج ہی میں
تی کہ چھٹ باجی کی نگاہ اس پر پڑ گئی۔ انہوں نے اشارے سے اسے بلایا۔

بنفشہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ان کے قریب پہنچ گئی۔

"بیٹھو بنفشہ تمہاری پسند کا گانا ہو رہا ہے۔"

چھٹ باجی نے کہا۔

بنفشہ چپلیں اتار کر نرم نرم گھاس پر بیٹھ گئی۔

"تمہارے کرتے کا گلا بہت خوب صورت کڑھا ہوا ہے۔"

آپا جان نے اس کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔

"ہاں واقعی، یہ کب کاڑھا تم نے؟"

چھٹ باجی بھی اس طرف متوجہ ہو گئیں۔

"میں نے نہیں کاڑھا" بنفشہ نے کہا۔

"پھر؟" چھٹ باجی اور آپا جان نے ایک ساتھ کہا۔

"شمع آپا اپنے لئے کاڑھ رہی تھیں، مجھے پسند آیا، میں نے تعریف کی تو انہوں نے

زبردستی مجھے دے دیا۔"

"واہ۔ تم تو خوب مزے میں رہیں۔"

"آپا جان مسکرائیں۔

"مجھے تو بہت شرمندگی ہوئی۔"

بنفشہ خفیف سی ہو کر بولی۔

شرمندگی کس بات کی؟"

چھٹ باجی بولیں۔

"وہ بے چاری اتنی محنت سے اپنے لئے کاڑھ رہی تھیں اور قبضہ میرا ہو گیا

بنفشہ مسکرائی۔

"تم نے خود تھوڑی قبضہ کیا ہے۔ انہوں نے اپنی مرضی سے دیا ہے۔"

چھٹ باجی نے کہا۔

"میں نے ان سے بہت کہا کہ تعریف کرنے کا یہ مقصد تھوڑی ہے۔ مگر انہو

میری ایک نہ سُنی۔ کہنے لگیں۔ اگر تم نے واپس کیا تو میں ناراض ہو جاؤں گی۔"

بنفشہ نے اپنے مخصوص لہجے میں دھیرے دھیرے کہا۔

"وہ اتنے خلوص سے دے رہی تھیں، تمہیں واپس ہی نہیں کرنا چاہیئے تھا۔"

آپا جان نے کہا۔

"ہاں بھئی سچی بات یہ ہے، بہت پرخلوص اور محبت والے لوگ ہیں۔"

نے کہا۔

"اور شمع تو مجھے بہت ہی پسند ہے، دل چاہتا ہے سجاد بھائی کے سا

کی شادی کر دوں۔"

آپا جان نے جھٹ سے رشتہ بھی جوڑ دیا۔

"ہاں۔ مگر اماں بیگم تو ان کے نام سے ہی بدکتی ہیں۔"

چھٹ باجی بولیں۔

"اماں بیگم بھی خواہ مخواہ اتنی پرانی بات کو دل میں لئے بیٹھی ہیں۔"

آپا جان نے کہا۔

"ایمان کی بات تو یہ ہے کہ ماموں جان قطعی قصوروار نہیں ہیں۔"

"ہاں اور کیا، اپنی پسند کی شادی کرنا کوئی گناہ تو نہیں ہے۔"

"ان سے کوئی بحث بھی نہیں کر سکتا۔ پھر ایک بات یہ بھی ہے کہ شیعہ سُنی کا جھگڑا

درمیان میں شروع ہو جاتا ہے۔"

چھٹ باجی نے کہا۔

"حالانکہ یہ سب فضول باتیں ہیں عمرانہ، بھئی مسلمان تو ہیں وہ۔"

آپا جان نے کچھ چڑ کر کہا۔

بنفشہ خاموش بیٹھی ان دونوں کی بات سن رہی تھیں اور گھاس کے تنکے نوچ نوچ

کر پھینکتی جا رہی تھی۔

"تم کیوں چپ بیٹھی، تم بھی کچھ رائے دو۔"

آپا جان نے کہا۔

"میں کیا رائے دوں؟"

بنفشہ مسکرائی۔

"تمہیں پسند نہیں ہیں وہ لوگ؟"

آپا جان نے پوچھا۔

"مجھے تو بہت اچھے لگتے ہیں وہ لوگ۔"

بنفشہ نے بھولپن سے کہا۔

اسی وقت مغرب کی آذان شروع ہوگئی۔

"چلو اٹھو عمرانہ بیگم نماز پڑھ لو۔"

آپا جان نے سر پہ آنچل ڈالتے ہوئے کہا۔

آذان تو ہو جانے دیجئے۔

چھٹ باجی مسکرائیں اور ٹرانسسٹر بند کر دیا۔

"کمرے میں جاتے جاتے آذان بھی ختم ہو جائے گی۔" آپا جان بولیں۔

"ہاں اٹھ ہی جانا چاہیئے، ورنہ دادی اماں اپنے قاصد دوڑائیں گی۔"

چھٹ باجی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

تبھی فتو دانت نکوسے آگیا۔

"بی بی! بڑی بیگم صاحبہ اکیلے رئی ہیں نماج پڑھ لیجئے۔"

"ہاں ہاں، جا رہے ہیں نماز پڑھنے۔"

چھٹ باجی چڑ کر بولیں۔

فتو مسکراتا ہوا چلا گیا۔

"اس کو بھی شاید ہمیں چڑانے میں خاص مزا آتا ہے، جب جانتا ہے ہیں تو اس کا کہنا ضروری ہے؟"

آپا جان نے جاتے ہوئے فتو کو گھورا۔

"تم نماز نہیں پڑھو گی؟"

چھٹ باجی نے بنفشہ سے پوچھا۔

"پڑھوں گی۔"

بنفشہ نے ان کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

بنفشہ کمرے میں آئی تو شجو رانی اسی طرح کتاب پر جھکی ہوئی تھیں۔ اتنا کرم انہوں نے ضرور کیا تھا کہ اٹھ کر کمرے کی بتی جلالی تھی، ورنہ اکثر تو انہیں بتی جلانے کا بھی ہوش نہیں ہوتا تھا۔

بنفشہ نے وضو کر کے نماز پڑھی اور باہر لان میں نکل گئی۔ دھیرے دھیرے ٹہلتی ہوئی وہ پچھلی طرف نکل گئی۔ جہاں مالی اور دوسرے ملازموں کے کوارٹر تھے۔ مالی اپنے کوارٹر کے باہر پٹکڑی ڈالے بیٹھا حقہ پی رہا تھا۔ اس کی بیوی رسی پر ٹنگے ہوئے کپڑے اتار رہی تھی۔ اندر جانے جانے اس نے اپنی بیٹیا چمن کو پکارا۔ مگر چمن بیٹیا تک اس کی آواز کیسے جاتی۔ وہ تو دادا جان کے کمرے کے سامنے والے جامن کے درخت کے نیچے بیٹھی جانے کون سا کھیل کھیل رہی تھی۔ مالی نے اپنے منہ سے حقے کی نے الگ کر کے آواز نکالی۔

"او چمن بیٹیا! تمہری اماں بلاوت ہیں۔"

دو تین آوازوں کے بعد چمن دوڑتی بھاگتی آئی۔ سر میں منوں خاک دھول بھری پڑی تھی۔ گندے پیر اور چیکٹ کپڑے۔

یہ بات نہیں تھی کہ اس کی ماں اسے صاف ستھرا نہیں رکھتی تھی۔ ماں بیچاری

تو اسے بنا سجا کر رکھنا چاہتی تھی۔ کبھی نہلا رہی ہے، کبھی کپڑے دھو رہی ہے۔ کو شاید گندے اور غلیظ رہنے میں ہی مزہ آتا تھا، ادھر کپڑے بدلے اور ادھر گندے کر لئے۔ لاڈ پیار نے اسے بہت بگاڑ دیا تھا۔ مالی کی چھ اولادوں میں وہی بچی تھی۔ وہ بھی منتوں اور مرادوں کے بعد اس لئے ماں باپ اسے ہتھیلی کا چھالا کر رکھتے تھے۔

اس مالی کو آئے ہوئے کچھ زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا۔ مشکل سے سات ہوئے ہوں گے۔ پچھلا مالی، جس کی بٹیا سوسن کے سر میں سے شنجو رانی بچپن پکڑ پکڑ کر مارتی تھیں۔ اپنے عزیز و اقارب سے ملنے کے لئے اپنے گاؤں غریب ایسا بیمار پڑا کہ اللہ میاں کے یہاں ہی جا پہنچا۔ بیوی اس کی چار سال مر گئی تھی۔ اپنی بٹیا کی اس نے شادی کر دی تھی۔

بنفشہ پر نظر پڑتے ہی نئے مالی کمالو نے اسے سلام کیا۔

"سلام بی بی!

" السلام علیکم مالی بابا۔"

بنفشہ نے کہا اور اس کی خیریت پوچھنے لگی۔

"بس بٹیا، اللہ کا شکر ہے، بڑی بیگم صاب کی کرم فرمائی ہے۔"

کمالو نے کہا۔

تمہاری بیوی کی طبیعت کیسی ہے اب؟"

" او کا جنجام نا ہی ٹھیک ہوت ہے، بخار تو اتر گیا ہے۔"

کمالو نے کہا۔

"دوا نہیں پی اس نے؟"

ڈاکڈر کی دوا او کو موا پھک ہی نہ آوت ہے۔ حکیم جی کا جوشاندہ پیتی ہے۔"

"جوشاندہ تو بہت فائدہ مند ہوتا ہے۔ دادی اماں بھی زکام کھانسی میں جوشاندہ ہی استعمال کرتی ہیں۔" بنفشہ نے کہا

اتنے میں کمالو کی بیوی اندر سے نکل آئی اور اس سے بیٹھنے کے لئے اصرار کرنے لگی۔

اسی وقت رمضانی، جو شاید بنفشہ ہی کو ڈھونڈتا پھر رہا تھا ادھر آ گیا۔

"بی بی آپ کو سلیمان میاں پوچھ رہے تھے۔"

"اچھا، کیوں؟"

"یہ تو پتہ نہیں۔"

"کہاں ہیں وہ؟"

آپ تو بڑی بیگم کے پاس بیٹھے ہیں۔"

بنفشہ رمضانی کے ساتھ دادی اماں کے کمرے کی طرف چل دی۔ مگر ان کے کمرے تک پہنچنے سے پہلے ہی سلیمان بھائی سے اس کی مڈبھیڑ ہو گئی۔ وہ ڈرائنگ روم کے سامنے والی راہداری سے گزر رہے تھے، اسے دیکھ کر رک گئے۔

"السلام علیکم سلیمان بھائی۔" بنفشہ نے کہا۔

"وعلیکم السلام۔"

سلیمان بھائی مجسم شوق بنے اسے دیکھنے لگے۔

"آپ مجھے پوچھ رہے تھے۔"

بنفشہ ان کی نگاہوں کے انداز سے گھبرا گئی۔

"ہاں!" سلیمان بھائی کی نگاہوں کا انداز نہیں بدلا۔

"کوئی کام ہے؟"

"نہیں، کوئی کام نہیں۔"

"پھر؟"

"بس ایسے ہی تم سے باتیں کرنے کو دل چاہ رہا تھا۔"

اس کے آگے بنفشہ کیا کہتی، چپ چاپ کھڑی رہی۔

"کدھر جا رہی تھیں تم؟"

"بس آپ ہی کی طرف جا رہی تھی۔"

"تو پھر آؤ۔"

سلیمان بھائی نے کہا۔

"کہاں؟" بنفشہ نے پوچھا۔

"باہر لان میں بیٹھتے ہیں۔"

"لان میں — اس وقت؟"

"کیوں — کیا حرج ہے؟"

"جی حرج تو کوئی نہیں، لیکن...."

بنفشہ نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ وہ سلیمان بھائی سے کیسے کہتی کہ
باتوں سے ڈر لگتا ہے۔ حالانکہ وہ برسوں سے اس گھر میں رہتی آ رہی تھی۔
سجاد بھائی اور شکیل بھائی کے ساتھ بھی تنہا بیٹھتے ہوئے جھجک محسوس
تھی۔ ہاں بڑے بھیا سے البتہ وہ فری تھی۔ ان کے پاس بیٹھتے ہوئے اسے

...ی آتا تھا کہ لوگ کیا کہیں گے۔

اس نے سلیمان بھائی کو ٹالنے کی لاکھ کوشش کی لیکن وہ بھی ایک ہی ضدی تھے
...ہ ان کی ضد کے آگے شکست کھا گئی۔ برآمدے کی سیڑھیاں اترتے ہوئے اس نے
...ھا شجو رانی دادا جان کے کمرے سے نکل رہی تھی۔ بنفشہ کی جان میں جان آئی۔
...نے آواز دے کر شجیعہ کو بلایا۔

"افوہ! شجیعہ کے بغیر آپ ایک منٹ نہیں رہ سکتیں۔"

سلیمان بھائی نے کہا۔

لیکن بنفشہ کا جواب دینے سے پہلے ہی شجو رانی ان کے قریب پہنچ گئی تھیں۔

"کیا بات ہے بنفشہ باجی

شجو رانی نے سلیمان بھائی کو سلام کرتے ہوئے پوچھا۔

"کوئی خاص بات نہیں، اگر کتاب ختم ہو گئی ہو تو ہمارے ساتھ بیٹھو۔"

بنفشہ نے سادگی سے کہا۔

...ب ختم ہو گئی جبھی تو میں آپ کو یہاں نظر آ رہی ہوں۔ ورنہ میں اپنی جگہ سے ہلنے والی تھی
شجو رانی نے کہا اور ترچھی نگاہوں سے سلیمان بھائی کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولی۔

"آج کل آپ بنفشہ باجی پر بہت مہربان ہیں، خیریت تو ہے؟"

"ہم ان پر کب مہربان نہیں تھے؟"

سلیمان بھائی خوشدلی سے مسکرائے۔

"لیکن میرا خیال ہے اگر آپ ان پر مہربان نہ ہی ہوں تو اچھا ہے۔"

شجو کے لہجے میں بڑا گہرا طنز چھپا تھا۔

"اب تو ہم ان پر مہربان ہو ہی چکے ہیں۔ آپ نے اپنا خیال ظاہر کرنے میں د
سلیمان بھائی نے کہا۔

شجو کوئی جواب دینے ہی والی تھی کہ رمضانی اماں بیگم کا قاصد اسے بلانے آگ
شجو رانی کے اندر جاتے ہی سلیمان بھائی کے چہرے پر اطمینان کے آثار نظر آ
انہوں نے لان چیئر پر بیٹھتے ہوئے بنفشہ کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

بنفشہ نے ایک لمحے کے لئے گھبرائی ہوئی نظروں سے بڑھیا کے کمرے کی طر
کسی سوچ میں پڑ گئی۔

"کیا سوچ رہی ہو تم، بیٹھو۔

"کچھ نہیں۔"

بنفشہ قدرے پس و پیش کے بعد ان کے سامنے بیٹھ گئی۔"

کچھ دیر تک فلموں، ناولوں اور ٹی وی کے پروگراموں پر بحث
کے بعد سلمان بھائی نے کہا۔

"تم ہماری طرف کیوں نہیں آتیں بنفشہ؟"

"جی۔ آتی تو ہوں کبھی کبھی۔"

بنفشہ نے کہا۔

"کس وقت، میں نے تو کبھی نہیں دیکھا۔"

بس اتفاق ہی سمجھ لیجئے کہ آپ کی موجودگی میں کبھی نہیں گئی۔"

"تم کبھی کلب گئی ہو؟"

سلیمان بھائی کو کوئی اور بات ہی نہ سوجھی۔"

"کبھی نہیں۔" بنفشہ نے کہا۔

"دل چاہتا ہے کلب جانے کو؟"

"بالکل نہیں۔" بنفشہ نے کچھ بے زاری سے کہا۔

"کیوں؟"

"مجھے وہاں کا ماحول پسند نہیں۔"

"تمہیں وہاں کے ماحول کے متعلق کیا اندازہ ہو سکتا ہے۔" تم تو کبھی گئی ہی نہیں وہاں۔"

"دوسروں سے بہت کچھ سنا ہے، کتابوں میں پڑھا بھی ہے۔"

"سنی سنائی باتوں پر یقین نہیں کرنا چاہیئے۔ لوگ تو ذرا سی بات کو بڑھا چڑھا
بیان کرتے ہیں۔"

بنفشہ نے سلیمان بھائی کی اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

سلیمان بھائی نے محسوس کیا کہ وہ اس ذکر سے بور ہو رہی ہے تو کوئی دوسری
ت سوچنے لگے۔ مقصد صرف یہ تھا کہ بنفشہ زیادہ سے زیادہ دیر ان کے پاس بیٹھی رہے
لیکن باوجود کوشش کے کوئی ایسی بات ان کے ذہن میں نہیں آ رہی تھی جس میں
نشہ کے دلچسپی لینے کا امکان تھا۔ جب کچھ سمجھ میں نہ آیا تو انہوں نے بنفشہ کو اپنی طرف
چلنے کی پیش کش کر دی۔ بنفشہ نے بہت ٹال مٹول کی لیکن سلیمان بھائی کچھ اس طرح
مرار کر رہے تھے کہ وہ سوائے ہار ماننے کے اور کچھ نہیں کر سکی۔

"میں پہلے اماں بیگم کو بتا دوں۔"

بنفشہ نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"کیوں — وہ منع کرتی ہیں۔"

"نہیں ــــ منع تو نہیں کرتیں۔"

"پھر ــــ؟"

"بغیر کہے جانا مناسب نہیں ہے، ممکن ہے وہ کسی کام سے آواز دیں۔"

"جیسی تمہاری مرضی۔" سلیمان بھائی نے کہا۔

بنفشہ اماں بیگم کے پاس تو گئی نہیں البتہ اس نے شجیعہ کو بتا دیا۔ شجیعہ
جب وہ واپس آئی تو اس نے دیکھا کہ بڑے بھیا سلیمان بھائی کے پاس کھڑے با
رہے ہیں۔ وہ ابھی ابھی باہر سے آئے تھے۔

"السلام علیکم شعیب بھائی۔" بنفشہ نے کہا۔

بڑے بھیا نے سر کے اشارے سے سلام کا جواب دیا۔

"اچھا جناب اجازت؟"

سلیمان بھیا نے بڑے بھیا سے کہا۔

"اچھا۔" بڑے بھیا نے کہا۔

"آؤ بنفشہ۔"

سلیمان بھائی نے بنفشہ کی طرف دیکھا جو کچھ پریشان سی نظر آ رہی تھی
کہے بغیر بوجھل قدموں سے ان کے ساتھ چل دی۔ بڑے بھیا پتلون کی دونوں
میں ہاتھ ڈالے گم سم سے کھڑے اسے سلیمان بھائی کے ساتھ جاتا ہوا دیکھ رہے
ان کی پیشانی پر غور و فکر کی سلوٹیں بہت گہری ہو گئی تھیں۔ وہ تو نہ جانے کب تک ا
کھڑے رہتے، لیکن بڑی اماں نے آ کر انہیں چونکا دیا۔ جو انہیں خلاف تو
گھر میں موجود پا کر پھولی نہیں سما رہی تھیں۔

پھر ایسا ہوا کہ سلیمان بھائی اکثر بنفشہ کو اپنے ساتھ کوٹھی کے اس حصے کی طرف
جانے لگے۔ جدھر وہ خود رہتے تھے۔ صوفیہ اور چچی جان کا سلوک پہلے بھی بنفشہ کے
تھ کبھی برا نہیں تھا۔ لیکن اب سلیمان بھائی کو اس طرف ملتفت دیکھ کر وہ دونوں اس کے اور
ہ زیادہ ہی مہربان ہو گئیں۔ بنفشہ پہلے تو کافی دنوں تک ان لوگوں کی طرف جاتے ہوئے
بلتی اور گھبراتی رہی۔ پھر آہستہ آہستہ اس کی جھجک دور ہو گئی۔

سلیمان بھائی میں ویسے کوئی برائی نہیں تھی۔ بس ذرا کبھی کبھی شو میں آ جاتے تھے۔
ن اب ان کی اس عادت میں بھی بتدریج کمی آتی جا رہی تھی۔ سب سے بڑی بات یہ تھی
بنفشہ کی وجہ سے اب انہوں نے کلب جانا بھی چھوڑ دیا تھا۔ جس دن بنفشہ ان کے پاس
ہیں آتی تھی۔ اس دن وہ ضرور کلب چلے جاتے۔ صوفیہ اور چھوٹی چچی سلیمان بھائی کے اس

بدلتے ہوئے روپ کو دیکھ کر خاصی حیران تھیں۔

سلیمان بھائی کا عالم یہ تھا کہ اب انہیں بنفشہ کے علاوہ کوئی دوسری لڑکی ہی نہیں لگتی تھی۔ کبھی کبھی تو انہیں یہ احساس ہونے لگتا جیسے وہ بنفشہ کے بغیر ہی نہیں سکتے۔ ان کے دل میں اس کے لئے جو جذبہ پیدا ہوا تھا اسے انہوں نے بہت دن پہلے ہی جھٹ سے محبت کا نام بھی دے دیا تھا۔ لیکن اس محبت کا ما اقرار کرتے ہوئے اب تک جانے وہ کیوں گھبرا رہے تھے۔ شاید بنفشہ کی سادگی، خا اور متانت کا رعب بہت تھا ان پر۔ ورنہ وہ تو ان مردوں میں سے تھے جو پہلی ہی میں بے جھجک ہو کر کہہ دیا کرتے ہیں۔

"مس آئی لو یو۔"

بنفشہ کے سامنے اس جذبے کا اعتراف کرنے کے لئے اب تک انہیں کو مناسب ہی نہ معلوم ہوا تھا۔ ایسی بات نہیں تھی کہ مواقع ملے نہیں تھے۔ بہت تھے۔ اگر دوسرے لوگوں سے رائے لی جاتی تو وہ یہی کہتے کہ بھئی اس سے زیادہ مناسب تو ملے گا بھی نہیں۔ مگر سلیمان بھائی کو جانے کیا ہو گیا تھا۔

لیکن آخر کب تک وہ دل کی بات دل ہی میں لئے بیٹھے رہتے۔ ایک انہوں نے اس سے صاف صاف سب کچھ کہہ دیا اور کہا بھی تو کچھ اس انداز سے دل ہی نکال کر سامنے رکھ دیا۔ لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ ان کا انداز تھا بڑا خوبصورت انداز اپنایا تھا انہوں نے۔ کوئی اور لڑکی ہوتی تو ان کے اظہارِ محبت پر ہی مر مٹتی۔ لیکن بنفشہ بیگم تھیں کسی اور ہی طبیعت کی۔ ان کے دا میں اس قسم کی باتوں نے کبھی آدھ انچ کی جگہ بھی نہیں بنائی تھی۔ سلیمان بھائی

کا نتیجہ یہ ہوا کہ پہلے تو وہ آنکھیں پھاڑے اور منہ کھولے ان کی طرف تکتی رہیں پھر آنکھوں میں آنسو چمکے، ڈب ڈب کر کے آنکھوں سے باہر نکلنے کے لئے زور آزمائی کرنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے رخساروں پر پھسل پڑے۔ سلیمان بھائی نے جو یہ کیفیت دیکھی تو بے چارے نروس ہو گئے۔ چند لمحوں تک تو ان کی آواز ہی نکلی۔ جو کچھ کہتے، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے حلق میں گولہ پھنس گیا ہو، بڑی مشکل سے اپنی حالت پر قابو پا کر آہستہ سے کہا۔

"بنفشہ، میں نے کوئی ایسی بات تو نہیں کہی جو تم رونے لگیں۔"

بنفشہ نے ان کی بات کا جواب نہیں دیا، دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر باقاعدگی سے رونا شروع کر دیا۔ اب سلیمان بھائی کے ہونق بننے کی باری تھی۔ وہ اس انتظار میں خاموش بیٹھے رہے کہ اس کا رونا دھونا ختم ہو تو وہ کوئی بات کریں۔ لیکن بنفشہ بیگم انہیں مزید کچھ کہنے کا موقع دیئے بغیر اٹھ کر چل دیں۔ سلیمان بھائی اٹھ کر پیچھے تک گئے۔ بنفشہ کو روکنے کی پوری کوشش کی مگر اس نے نہ مڑ کر دیکھا اور نہ ہی کسی بات کا جواب دیا۔ سلیمان بھائی اپنے کمرے کی طرف اس طرح چل دیئے جیسے جنازے کے ساتھ قبرستان جا رہے ہوں۔

ادھر بنفشہ بھی وہاں سے اٹھ کر آنے کو تو آ گئی۔ لیکن دادا جان کے کمرے سے کافی فاصلے پر، جہاں تاریکی تھی، کھڑی ہو کر سوچنے لگی کہ یہ رونی صورت لے کر کمرے میں کس طرح جاؤں۔ سب سے پہلے شفیعہ سوالوں کی بوچھاڑ کرے گی۔ کیا جواب دوں گی۔ اگر راستے میں کسی نے دیکھ لیا تو وہ نہ صرف پوچھے گا بلکہ ہر ایک کو اطلاع بھی کرے گا۔ دادا جان اور بڑے بھیا کے کمروں کے پیچھے سے چھپتی چھپاتی کاریڈور

کی طرف نکل گئی۔ لان میں پانی دینے کے لئے باہر جو نل لگا تھا اس کے قریب بیٹھ
منہ پر پانی کے چھینٹے مارنے لگی۔ آنکھوں کو خوب اچھی طرح دھویا کہ کہیں وہ سب کے
سامنے راز افشا نہ کر دیں۔ اس کے ساتھ ایک بڑی مشکل یہ بھی تھی کہ ذرا سا رونے
سے بلکہ بعض دفعہ تو صرف آنکھوں میں آنسو آجانے سے ہی آنکھیں سرخ ہو جاتی تھیں
منہ دھونے کے بعد خیال آیا کہ اس طرح تو کمرے میں جا ہی نہیں سکتی ۔۔۔ ورنہ شجیعہ
جس کو بال کی کھال نکالنے کی عادت ہے اسی بات پر پیچھے پڑ جائے گی کہ یہ بے وقت
منہ کیوں دھویا ہے، اور کہاں سے دھویا ہے؟ قدرے پس و پیش کے بعد اس نے
اپنے نئے جارجٹ کے دوپٹے سے جو آج شام پہلی ہی دفعہ اوڑھا تھا۔ کیونکہ چھوٹی
باجی نے چار روز پہلے ہی اس کی نذر کیا تھا، منہ پونچھ لیا، پھر آہستہ قدموں سے اپنے کمرے
کی طرف چل دی۔ شجو رانی کمرے میں ہی موجود تھیں اور الماری کھولے دوسرے دن
کالج پہن کر جانے کے لئے کپڑوں کا انتخاب کر رہی تھیں۔ قدموں کی آہٹ پر انہوں
نے پلٹ کر دیکھا تو ان کی نگاہیں بنفشہ کے چہرے پر جمی ہی رہ گئیں۔ آنکھیں سرخ،
صورت پریشان۔ چند لمحے وہ حیرت زدہ سی انہیں دیکھتی رہیں۔ پھر الماری کے پٹ
کھلے چھوڑ کر ان کے قریب آگئیں۔ بنفشہ ان کی نگاہوں کا انداز سمجھ کر اور بھی زیادہ
نروس ہو گئی، اور چہرے پر زبردستی مسکراہٹ بکھیر کر ان کی طرف دیکھنے لگیں۔
مگر شجو رانی ایک ہی گھاگ تھیں۔ زبردستی کی مسکراہٹ انہیں فریب نہ دے سکی
ان کے دماغ میں ہنڈیا پکنے لگی۔ یہ تو سمجھ گئیں کہ دال میں کچھ کالا ہے، لیکن اصل
بات کی تہہ تک نہ پہنچ سکیں۔

کیا بات ہے بنفشہ باجی؟ انہوں نے بڑی سنجیدگی سے پوچھا۔

کچھ بھی نہیں، بنفشہ نے کہا۔

یہ بات تو پکی ہے کہ آپ رو کر آ رہی ہیں لیکن کیوں؟ یہ آپ کو بتانا پڑے گا۔

بنفشہ نے بہت کوشش کی کہ جلدی سے کوئی بات ذہن میں آجائے، مگر دماغ کی
حالت تو ویسے ہی تباہ تھی۔ سلیمان بھائی کی باتیں سن کر، اور دل بھی بھرا ہوا تھا۔ شجو رانی
نے جب دوبارہ اور سہ بارہ پوچھا تو اور کسی بات پر تو بس نہیں چلا، رونا شروع کر دیا۔
شجو رانی کے ہاتھوں کے طوطے اڑ کر وہ دور لان کے درختوں میں سے کسی ایک پر جا بیٹھے

آج تو کوئی غیر معمولی بات ہی ہوئی ہے۔

انہوں نے دل میں سوچا۔

اسے بے چاری کبھی گلے میں باہیں ڈال رہی ہیں۔ کبھی اپنے دوپٹے سے آنسو
صاف کر رہی ہیں کبھی کسی بہانے سے رونے کا سبب پوچھ رہی ہیں۔ کبھی کسی
بہانے سے۔ لیکن بنفشہ غریب بتاتے بھی تو کیسے بتاتے بات ہی ایسی تھی۔

بڑی مشکل سے کہا بھی تو اتنا۔

مجھے تنہا چھوڑ دو شجیعہ۔ میرا دل بہت پریشان ہے۔

شجیعہ نے بھی سوچا۔

ممکن ہے تھوڑی دیر بعد خود ہی بتا دیں۔

سٹپٹا کر تو ان کے لئے پانی لینے چلی گئیں۔ پانی لے کر آ رہی تھیں کہ رمضانی سے
مڈبھیڑ ہو گئی۔

بی بی کھانا کھا لیجئے آکر۔ رمضانی نے کہا۔

اچھا۔

وہ پھر لڑکھڑاتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف چل دیں۔

اسی اثنا میں بنفشہ اپنا رونا دھونا بند کر کے کرسی پہ بیٹھ چکی تھی۔

شبّو رانی نے اپنے ہاتھوں میں گلاس پکڑ کر اسے پانی پلایا اور کھانا کھانے کے لئے

مجھے بالکل بھوک نہیں ہے شبیعہ تم کھالو۔

میں تو کھا ہی لوں گی مگر آپ بھی......

جب مجھے بھوک لگے گی میں بھی کھالوں گی۔

اچھا جیسی آپ کی مرضی۔

شبّو رانی نے زیادہ اصرار کرنا مناسب نہ سمجھا۔

لیکن کھانے کے کمرے میں بنفشہ کی عدم موجودگی کو ہر شخص نے محسوس کیا۔ شبّو سے سوال جواب کئے جانے لگے۔ کھانے کی میز پر آج اتفاق سے بڑے بھیا بھی موجود انہوں نے اس کی کمی کو کچھ زیادہ ہی محسوس کیا لیکن سوائے ایک بار پوچھنے کے کچھ نہ کر سکے۔ دادی اماں کی محبت نے کچھ زیادہ ہی جوش مارا، وہ کھانا چھوڑ کر ا کمرے کی طرف چل دیں۔

بنفشہ کرسی چھوڑ کر پلنگ پہ دراز تھی اور ایک ٹک سامنے والی دیوار کو گھور جا رہی تھی۔ سوچ سوچ کر اپنے دماغ کو پریشان کئے جا رہی تھی۔ دادی اماں کو ا میں داخل ہوتے دیکھ کر ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئی۔

کیسی طبیعت ہے بیٹا؟

دادی اماں نے قریب پہنچ کر اس کی پیشانی کو چھوا۔

سر میں درد ہے دادی اماں۔

بنفشہ دل ہی دل میں اپنے اس جھوٹ پہ ڈر رہی تھی۔

سر میں درد ہے تو کوئی گولی لے کر کھا لینا سجّاد سے۔

اچھا۔ بنفشہ نے دھیرے سے کہا۔

گولی نگلنا اس کے لئے ویسے ہی قیامت سے کم نہ تھا پھر اچھی بھلی طبیعت میں اس کا تصور بھی......

مگر کھانا تو کھالو بیٹا۔

دادی اماں اپنی شفقت کے موتی لٹانے سے باز ہی نہیں آ رہی تھیں۔

بھوک نہیں لگ رہی ہے آج دوپہر میں نے کچھ زیادہ ہی کھانا کھا لیا تھا۔

ارے رہنے دو بیٹا۔ جتنا تم کھاؤ ہو میں روز ہی دیکھا کروں ہوں۔

نہیں ——— آج تو سچ مچ میں نے زیادہ کھانا کھایا تھا۔

اتنی دیر تک رکھا تھوڑی ہی ہوگا وہ کھانا۔

دادی اماں نے کہا مگر بنفشہ نے پھر انکار کر دیا۔

اچھا تو پھر میں شبراتن کے ہاتھ دودھ بھجواتی ہوں، پی کر سو جانا۔

دودھ کا نام سن کر بنفشہ اور پریشان ہوئی۔ دودھ تو اسے ویسے ہی ناپسند تھا۔

میں دودھ نہیں پیوں گی دادی اماں۔ اگر بھوک لگی تو میں کھانا کھا لوں گی۔

چلو یونہی سہی۔

دادی اماں راضی ہوگئیں اور جاتے جاتے کہہ گئیں۔

سجّاد کھانا کھا لے تو میں سر درد کی گولی بھجواتی ہوں اس کے ہاتھ۔

اچھا، بنفشہ نے مری ہوئی آواز سے کہا۔

پھر دل میں سوچا:

چپکے سے پھینک دوں گی گولی۔ کسی کو کیا پتہ چلے گا؟

وہ پھر آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر لیٹ گئی تھوڑی دیر بعد قدموں کی آہٹ ہوئی اس
ھوں پر سے ہاتھ ہٹا کر دیکھا۔ آگے آگے شجو رانی اور ان کے پیچھے سجاد بھائی چلے آر
سجاد بھائی نے اس کے بستر کے قریب رک کر ایک منٹ کے لئے اس کی د
یکھا اور مسکرا کر بولے:

اس طرح الٹی کھٹوائی لے کر نہ پڑ جایا کرو بنفشہ بیگم!

بنفشہ چپ چاپ ان کی طرف دیکھتی رہی۔

سارا گھر پریشان ہو جاتا ہے تمہارے لئے۔

انہوں نے سر درد کی دو گولیاں اس کی طرف بڑھائیں۔

اس نے گولیاں لے کر مٹھی میں دبا لیں۔

مٹھی میں دبانے کے لئے تھوڑی دی ہیں انہیں کھاؤ۔

سجاد بھائی نے کہا۔

ابھی شبراتن بوا دودھ لائیں گی تو کھا لوں گی گولیاں۔

بنفشہ نے پھر جھوٹ بولا حالانکہ دودھ والا مشورہ تو اس نے اسی وقت ر
کر دیا تھا۔

اچھا چلو یونہی سہی مگر کھا لینا، پھینک مت دینا۔

سجاد بھائی نے تو از راہ مذاق یہ بات کہی تھی، لیکن بنفشہ کو ایسا لگا جیسے ا
اس کے دل کا چور پکڑ لیا ہو۔

سجاد بھائی کمرے سے چلے گئے تو شجو رانی ——— جو گلاس میں پانی لئے کھڑی تھیں،
لیں:

گولیاں پانی کے ساتھ کھا لیجئے، بعد میں دودھ پی لیجئے گا۔

بنفشہ نے پریشان ہو کر شجو رانی کی طرف دیکھا اور دھیرے سے بولی:

وہ ——— شجیعہ، بات یہ ہے کہ مجھے گولیاں کھانی ہی نہیں ہیں۔

کیوں؟

میرے سر میں بالکل درد نہیں ہے، میں نے دادی اماں سے یونہی کہہ دیا تھا۔

اچھا تو یہ کہئے!

شجو رانی مسکرائیں اور گولیاں بنفشہ کے ہاتھ سے لے کر چھپا دیں۔

چھٹ باجی اور آپا جان بھی دادی اماں کے منہ سے یہ جملہ سن کر کہ "بنفشہ کا جی اچھا نہیں ہے" اسے دیکھنے چلی آئیں۔ اپنا لکھنا پڑھنا سب چھوڑ کر کافی دیر تک بیٹھی اس سے اور شجو رانی سے گپیں ہانکتی رہیں۔ ان لوگوں کو اپنے کمرے میں گئے ہوئے چند ہی منٹ ہوئے تھے کہ فتو نے آکر اطلاع دی۔

بنفشہ بی بی (فتو بنفش کو، بس یہی کہتا تھا) بڑھیا بلا رہے ہیں آپ کو۔

ان سے کہو وہ یہیں آجائیں، شجو رانی نے کہا۔

فتو الٹے قدموں چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد اپنے پیلے پیلے دانتوں کی بتیسی کھولے واپس آیا اور دروازے کے قریب رک کر بولا:

جی وہ فرماتے ہیں کہ آپ دونوں ہی ان کے کمرے میں آجائیں۔

چلتی ہیں بنفشہ باجی؟ شجورانی نے پوچھا۔
دادی اماں ناراض نہ ہوں!
کیوں؟
کہیں گی ویسے تو طبیعت خراب ہے مگر گپیں لڑانے پہنچ گئی۔
نہیں۔ دادی اماں کچھ نہیں کہیں گی۔
شجورانی نے بڑے یقین سے کہا۔
فتو چپ چاپ کھڑا ان دونوں کے کسی فیصلے پر پہنچنے کا منتظر تھا۔
تم جاؤ فتو! شجورانی نے کہا۔
پھر میں ان سے کیا ارج (عرض) کر دوں؟
فتو نے بڑی عاجزی سے کہا۔
کن سے کیا ارج کر دوں؟ شجورانی نے کہا۔
بڑھیا سے۔ فتو نے کہا۔
ان سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے، ہم جا تو رہے ہیں۔
اچھا ——— فتو سر ہلاتا ہوا چلا گیا۔
شجورانی بنفشہ کے ہمراہ بڑھیا کے کمرے میں پہنچیں تو وہ دریچے میں جھکی
معلوم نہیں تاریکی میں کیا تلاش کر رہی تھی۔
خیریت تو ہے بڑھیا، کیوں یاد فرمایا؟
شجورانی نے انہیں چونکا دیا۔
ہاں، ویسے تو سب خیریت ہی ہے، البتہ ان محترمہ کی خیریت نیک مط

ے۔
بڑھیا نے کہا۔
میں خود پریشان ہوں، پوچھ پوچھ کر تھک گئی، مگر یہ کچھ بتا کر ہی نہیں دیتیں۔
بتا کر ہی نہیں دیتیں ——— کیا مطلب؟
بڑھیا نے حیران ہو کر شجورانی کی طرف دیکھا ان کے تو فرشتوں کو بھی خبر نہیں
ماصل بات کیا ہے۔
بنفشہ شجورانی کو اشارے سے منع ہی کرتی رہ گئی مگر انہوں نے جلدی جلدی
ل اسٹاپ کے، اس کے رونے دھونے کا قصہ بتا بھی دیا۔ بنفشہ کرسی کی پشت سے
ائے ان کی طرف دیکھتی ہی رہ گئی۔
ہوں اوں ———
بڑھیا نے پوری بات سن کر ایک لمبی سی ہوں، کی اور گہری نظروں سے بنفشہ
اندازہ لیا۔
آپ کیا کہتی ہیں اس سلسلے میں؟
بڑھیا نے اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔
جی ———؟
بنفشہ نے ان کی طرف دیکھ کر نظریں جھکا لیں۔
جی ———!
بڑھیا مسلسل اس کے چہرے کا جائزہ لئے جا رہے تھے۔
بڑھیا میں تو جا رہی ہوں، آپ اس سے پوچھ کر ہی رہئے گا۔

شہجو رانی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

کیوں؟ تم بھی بیٹھو، بڑے بھیا نے رعب جمایا۔

مجھے اپنے کپڑوں پر استری کرنی ہے۔

صبح کر لینا۔

صبح تو میں ویسے ہی دیر سے اٹھتی ہوں۔

ٹھیک ہے، میں سمجھ لوں گا ان سے، بڑے بھیا نے کہا۔

انی مسکراتی ہوئی چلی گئیں۔

ل، اب بتاؤ کیا قصہ ہے؟

بڑے بھیا اس کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔

کچھ بھی نہیں۔

بڑے افسوس کی بات ہے کہ اب تم جھوٹ بھی بولنے لگی ہو

بنفشہ نے بڑے بھیا کی طرف اس طرح دیکھا جیسے کہ بس ابھی رو پڑے۔

بڑے بھیا کو اس کی صورت دیکھ کر خواہ مخواہ ہی ترس آ گیا۔

شاید کوئی ایسی بات ہے جو تم بتانا نہیں چاہتیں، بڑے بھیا نے

بنفشہ نے ان کی بات کا جواب دینے کی بجائے سر جھکا لیا۔

اچھا چھوڑو جانے دو، کوئی اور بات کرو۔

بڑے بھیا شاید اسے مزید رلانا نہیں چاہتے تھے۔

بنفشہ نے اطمینان کا سانس لیا اور پرسکون ہو کر بیٹھ گئی۔

آج کل کیا مصروفیات ہیں تمہاری؟

یا کرتی رہتی ہو صبح سے شام تک؟

بنفشہ نے صبح سے لے کر رات تک کی مصروفیات گنا دیں، لیکن سلیمان بھائی کے
ملہ ڈیڑھ گھنٹہ تک باتیں کرنے کا کوئی تذکرہ نہ کیا، معلوم نہیں کیوں، چاہتے ہوئے
ی کی ہمت نہ پڑ سکی۔

یں نے سنا ہے صوفیہ سے آج کل تمہاری بڑی گاڑھی چھن رہی ہے۔

بڑے بھیا نے بڑے غور سے اس کے چہرے کا جائزہ لیا۔

بنفشہ کے چہرے کا رنگ ایک دم بدل گیا۔ لیکن فوراً ہی وہ اپنے آپ کو
التے ہوئے بولی:

وہ لوگ خود ہی بلا کر لے جاتے ہیں۔

وہ لوگ کون، سلیمان؟"

بڑے بھیا نے زیر لب مسکراتے ہوئے پوچھا۔

بنفشہ سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔

آج بھی تمہاری ملاقات ہوئی تھی سلیمان سے؟

جی! بنفشہ کی آواز بڑی مشکل سے نکلی۔

کوئی جھگڑا ہو گیا اس سے؟

نہیں تو۔

پھر تم ادھر سے روتی ہوئی کیوں آئی تھیں؟

میں کب ادھر سے روتی ہوئی آئی تھی؟

سلیمان بھائی کی صحبت نے اسے جھوٹ بولنے میں خاصا ماہر کر دیا تھا۔

بنفشہ بیگم مجھ سے کوئی بات چھپانا فضول ہے۔"

بڑے بھیا نے یہ بات اتنی سنجیدگی سے کہی کہ بنفشہ ان کے لہجے سے دل ہی دل میں کانپ گئی۔ ان کی بات کا جواب تو کیا دیتی، سر جھکائے فرش کو گھورتی رہی۔

میں تم سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ میں بڑی گہری نگاہ رکھتا ہوں ہر بات پر۔

میں نے آپ سے کب کوئی بات چھپائی۔

بنفشہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

پھر اب تم کیوں چھپا رہی ہو؟

بنفشہ سے مزید برداشت نہ ہو سکا، اپنی بے بسی پر وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر رو پڑی۔

یہ حماقت مجھے قطعی پسند نہیں۔

بڑے بھیا کا دل تو بہت دکھا اسے روتا دیکھ کر، لیکن انہوں نے اپنی سنجیدگی میں فرق نہ آنے دیا۔

کچھ دیر تک رونے کے بعد بنفشہ کا دل ذرا ہلکا ہوا تو وہ بغیر کچھ کہے اٹھ کر جانے لگی۔

اس طرح نہیں جا سکتیں تم۔

بڑے بھیا نے اس کا راستہ روک لیا۔

میں بہت پریشان ہوں شعیب بھائی! مجھے اور تنگ نہ کیجیے۔

مجھے بتا دو اپنی پریشانی۔

بڑے بھیا نے اس کی طرف جھک کر بے حد نرمی سے کہا۔

بنفشہ خاموش کھڑی رہی۔

نہیں بتانا چاہتیں؟

نہیں!

اچھا تو بیٹھو، مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔

بنفشہ نے حکم کی تعمیل کی۔

دیکھو بنفشہ! مجھے اچھی طرح احساس ہے کہ تم بہت معصوم اور بھولی ہو، میں جب تمہاری لڑکیوں کو دیکھتا ہوں تو مجھے تعجب بھی ہوتا ہے تمہاری سادگی اور بھولپن پر۔ ایسی لڑکیوں کو لوگ بہت آسانی سے بے وقوف بنا سکتے ہیں۔ اس لئے میں چاہتا ہوں تم جو بھی قدم اٹھاؤ بہت سوچ سمجھ کر اٹھاؤ زندگی کے کسی بھی لمحے میں ہیں یہ نہیں دیکھنا اور سننا چاہتا کہ تم ٹھوکر کھا کر گر پڑی ہو جو کچھ بھی فیصلہ کرنا بہت سوچ سمجھ کر کرنا۔

بڑے بھیا ایک سیکنڈ کے لئے رکے اور قدرے مدھم آواز سے بولے۔

زندگی میں تمہیں کوئی تکلیف پہنچے، یہ بات میرے لئے بڑی اذیت ناک ثابت ہوگی، کیونکہ تم مجھے بہت عزیز ہو ——— بہت عزیز ہو بنفشہ!

بنفشہ نے بڑے بھیا کی طرف دیکھتے ہوئے سوچا!

اور آپ بھی تو مجھے بہت عزیز ہیں شعیب بھائی!

سمجھ گئیں میری باتیں؟ بڑے بھیا مسکرائے۔

بنفشہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

تم نے برا تو نہیں مانا میری نصیحتوں کا؟

نہیں۔

بس اب ساری فضول باتیں اور پریشان خیالات نکال دو ذہن سے سو جاؤ۔

بنفشہ اٹھ کر باہر جانے لگی تو شعیب بھائی اس کی طرف والہانہ انداز دیکھتے ہوئے زیر لب بولے۔

معصوم لڑکی کچھ نہیں سمجھتی کچھ نہیں جانتی۔

دوسرے روز رات کو بڑے بھیا خاصی دیر سے گھر آئے۔ بنفشہ جھٹ باجی اور شکیل بھیا کے ساتھ تاش کھیل رہی تھی اور شجو رانی بڑے بھیا کے کمرے سے والی سبز روش پر بڑی بے چینی سے ٹہل رہی تھیں۔ کل رات سے ہی ان کے بس کھد بد ہو رہی تھی۔ مارے پریشانی کے کالج میں دل لگا نہ گھر آکر کسی کام میں دل کی پریشانی کچھ بے جا بھی نہیں تھی۔ وہ جو ہر ایک کی ہندی چندی کی فکر میں دبلی تھیں، اپنی بنفشہ باجی کی طرف سے کیسے لاتعلق ہو جاتیں؟ رات کو پکا ارادہ سوئی تھیں کہ کسی نہ کسی طرح موقع نکال کر صبح کو ہی بڑے بھیا سے ساری بات گی لیکن بڑے بھیا اس روز ذرا جلدی ہی آفس چلے گئے تھے۔ دل مسوس کر رہ گئیں کہ اب تو رات کو ہی موقع ملے گا اور وہ بھی جانے کے بجے؟

ادھر کچھ روز سے بڑے بھیا ذرا جلدی گھر آجاتے تھے۔ لیکن آج پھر لیٹ لا ہو گئے تھے، ان کے انتظار کی کوفت سے بور ہو کر انہیں اور کچھ نہ سوجھا تو برآ کی سیڑھیوں پر بیٹھ کر اپنی بھونڈی آواز میں گنگنانا شروع کر دیا لیکن پٹھا بانس جی گنگناتے میں بھی اتنی زور سے نکل رہی تھی کہ دادا جان کے کمرے تک جو قریب

اس کے پہنچ جانے کا امکان قوی تھا اور اس کے بعد ان کی ڈانٹ سننے کے امکانات اور بھی پختہ تھے اپنی آواز کو مار گھونٹ ڈال رہی تھیں، اور گانا بھی اتنا فضول تھا کہ اگر کہیں دادی اماں سن پاتیں تو اچھی طرح خبر لیتیں پہلے بھی کئی دفعہ اس گانے کے پیچھے انہیں ڈانٹ پڑ چکی تھی، اس کے بول تھے ہی اتنے بے ہودہ۔

معلوم نہیں انہیں کیا حسن نظر آتا تھا اس گانے میں۔ اور ایمان کی بات تو یہ تھی۔ کہ انہیں ڈھنگ کا کوئی گانا یاد ہی نہ تھا۔ اپنے پسندیدہ گانے کے بول وہ دن میں ایک دفعہ نہیں بلکہ بیسیوں دفعہ گنگناتی تھیں۔ اس وقت بھی انہیں اس مشغلے میں مصروف ہوئے صرف چند ہی سیکنڈ ہوئے تھے کہ گیٹ کھلنے کی آواز آئی۔ ان کے کان خرگوش کے کانوں کی طرح کھڑے ہو گئے۔ بڑے بھیا کو گیٹ پہ دیکھتے ہی وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئیں۔

بڑے بھیا آہستہ قدموں سے چلتے ہوئے برآمدے کی سیڑھیوں تک آئے تو شجو رانی کو وہاں کھڑے دیکھ کر ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی انہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ وہاں کیوں کھڑی ان کا انتظار کر رہی تھیں۔

شجو رانی نے انہیں دیکھتے ہی سلام کیا۔

بڑے بھیا نے سر کے خفیف سے اشارے سے جواب دیا۔

میں بہت دیر سے آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔

اچھا ——!

معلوم ہے کیوں؟

بہت اچھی طرح معلوم ہے۔

چلوں میں آپ کے کمرے میں یا یہیں بتائیں گے؟

اسی وقت بتانا ضروری ہے؟

افوہ ـــــ آپ بھی کمال کرتے ہیں آپ کو اندازہ ہے کہ میں نے کل رات سے اس وقت تک کے یہ بے شمار گھنٹے کس طرح گزارے ہیں ـــــ؟

بہت خوب۔

بڑے بھیا کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھے تو شجو رانی بھی ان کے پیچھے پیچھے دم بخود چل دی۔ بڑے بھیا بے چارے تھکے ہارے آئے تھے نہ کپڑے بدل سکے نہ منہ ہاتھ دھو سکے۔ شجیعہ کو ان کی اس حالت پر بھی قطعی رحم نہیں آیا۔ جب تک الف سے ی تک پوری داستان ان سے سن نہ لی۔ ڈٹی بیٹھی رہیں۔

ہُوں تو یہ بات ہے۔

شجو رانی نے بڑی بوڑھیوں کی طرح گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

جی، اور آپ کیا سمجھے بیٹھی تھیں؟

مجھے بھی شبہ تھا کہ چکر کچھ اسی قسم کا ہے، لیکن بنفشہ باجی کے رونے دھونے سے میں مخمصے میں پڑ گئی تھی۔

کیوں؟ بڑے بھیا نے پوچھا۔

یہ کوئی ایسی بات تو نہیں ہے جس پر رویا جائے، اس لئے۔

شجیعہ بیگم! بنفشہ بہت معصوم اور سادہ ہے۔

ہاں، آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں، اس میں کوئی شک نہیں۔

اس بھولی لڑکی کے دل و دماغ میں تو اس قسم کی باتوں کا کبھی گزر ہی نہیں ہوا۔

بڑے بھیا کے لہجے سے بنفشہ کے لئے پیار چھلکا پڑ رہا تھا۔

آپ کو کیسے معلوم آپ سے انہوں نے کبھی کچھ کہا؟

اس کا چہرہ تو ایک صاف و شفاف آئینہ ہے جس میں ہر شخص اس کے دل کی تصویر کو واضح طور پر دیکھ سکتا ہے۔

بڑے بھیا کی آنکھوں میں بڑی گہری سوچیں تھیں۔

شجو نے ان کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا بلکہ بڑے غور سے ان کے چہرے کا جائزہ لینے لگی۔ شاید بڑے بھیا کا چہرہ بھی کوئی آئینہ ہی نظر آ رہا تھا جس میں وہ ان کے دل کی تصویر کو دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن ہر آئینے میں واضح اور صاف صورت نہیں دیکھی جا سکتی کچھ آئینے دھندلے بھی تو ہوتے ہیں اور پھر بڑے بھیا تو بہت گہرے تھے بہت ہی گہرے۔

بڑے بھیا نے شجو کو وہ جملے بھی بتائے جو انہوں نے بنفشہ سے نصیحت کے طور پر کہے تھے لیکن حرف بحرف نہیں۔

ہاں۔ بڑے بھیا اللہ نہ کرے جو بنفشہ باجی زندگی میں کبھی ٹھوکر کھائیں، ان کا دل تو بہت نازک ہے۔

ہاں بہت نازک ہے، جیسے ـــــ جیسے کوئی آبگینہ۔

بڑے بھیا سوچوں میں ڈوب گئے۔

شجو انہیں سوچوں میں ڈوبا ہوا چھوڑ کر کمرے سے نکل گئی۔

طرف سلیمان بھائی بھی کچھ کم پریشان نہیں تھے۔ کیونکہ اس دن کے بعد سے دوسری بنفشہ ان کی طرف نہیں گئی تھی۔ پانچ چھ روز تو ہو ہی چکے تھے اس واقع کو۔ وہ خود بلا ناغہ اپنے سب بزرگوں کو سلام کرنے آتے تھے، لیکن بنفشہ اس وقت یقیناً اپنے کمرے میں چھپی رہتی ہوگی، کیونکہ ایک دن بھی تو وہ انہیں نظر نہیں آئی۔ اب ہر روز تو اتفاق ہونے سے رہا۔ سلیمان بھائی اپنے آپ میں اتنی ہمت ہی نہیں پا رہے تھے کہ خود اس کے کمرے میں جا کر اس کا مزاج پوچھ سکیں۔

یہ بات نہیں تھی کہ سلیمان بھائی عشق و شق کے معاملے میں دبو، بھینپو یا بزدل قسم کے انسان تھے۔ نہیں، وہ تو بڑے ہی دلیر بلکہ دیدہ دلیر واقع ہوئے تھے اس معاملے میں۔ اب تک ڈھیروں عشق کر ڈالے تھے انہوں نے اور وہ بھی چوری چھپے نہیں بلکہ ڈنکے کی چوٹ پر

کیے تھے۔ ان کا عشق چھپا، گھنا اور محتاط قسم کا کبھی بھی نہیں ہوتا تھا۔ کانپتے، لرزتے اور تھرتھراتے قسم کے عشق سے انہیں شروع سے ہی چڑ تھی اور ایمان کی بات تو یہ تھی کہ اب تک انہوں نے جتنی لڑکیوں سے عشق کیا تھا وہ خود بھی انہی کے ٹائپ کی تھیں۔ آزاد ماحول کی پروردہ لڑکیاں تھیں جو دوسری ہی ملاقات میں "ہیلو ڈارلنگ" کہہ کر مخاطب کرتی تھیں۔ سلیمان بھائی خود تو ایک طرف رہے ان کے باپ، ماں اور بہن بھی آزادی اور روشن خیالی کے معاملے میں زمانے سے ایک قدم آگے ہی چلنا پسند کرتے تھے۔ سلیمان بھائی تو خیر سے اتنے برسوں تک یورپ بھی رہ آئے تھے۔ سونے پہ سہاگہ نہ ہوتا تو اور کیا ہوتا۔ وہاں سے تو اچھے اچھے غازی اور پرہیزگار بھی اپنا چولا بدل کر آتے ہیں، پھر سلیمان بھائی بیچارے تو بہیں سے آدھے مسلمان گئے تھے (آدھے مسلمان کی اصطلاح دادا جان ان کے لئے استعمال کرتے تھے، کیونکہ قرآن شریف انہوں نے ختم نہیں کیا تھا، نماز بھی نہیں پڑھتے تھے)

لیکن بنفشہ کے معاملے میں تو وہ شروع ہی سے اپنے آپ کو بہت بڑا گدھا سمجھ رہے تھے، کس مشکل سے تو جا کے اظہار کر پائے تھے وہ اپنی محبت کا۔ اللہ جانے کیوں اس کی سادگی اور معصومیت نے انہیں بجائے شیر بنانے کے چوہا بنا دیا تھا حالانکہ ایسی صورت میں تو معاملہ برعکس ہی ہوا کرتا ہے پھر اس کے روٹھنے دھونے سے وہ بالکل ہی ہونق بن کے رہ گئے تھے کیونکہ اب تک تو یہ ہوتا آیا تھا کہ اظہارِ محبت کے جواب میں لجانے اور شرمانے کی ادائیں ملی تھیں، ہونٹوں پہ چٹکتی ہوئی کلیاں اور رخساروں پہ کھلتے ہوئے گلاب دیکھنے کو ملے تھے، لیکن یہاں تو گنگا ہی الٹی بہہ رہی تھی۔

ان کی راتوں کی نیندیں اڑ گئیں۔ ان کے ایک دوست نے ایک دفعہ ان کے معاشقوں کی تعداد گناتے ہوئے کہا تھا۔

سلیمان! تم نہ صرف ان لڑکیوں کو اور اپنے آپ کو فریب دے رہے ہو بلکہ اپنے وقت کے قیمتی لمحات بھی ضائع کر رہے ہو۔ تم کیا جانو، محبت کیا چیز ہوتی ہے؟

سلیمان بھائی نے بڑے شد و مد سے اپنے دوست کی اس بات کی مخالفت کی تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ محبت اسی طرح کی جاتی ہے جس طرح وہ کر رہے ہیں۔

اس پر ان کے دوست نے کہا تھا:

نہیں سلیمان! میری یہ بات یاد رکھنا، جب کبھی زندگی میں ایسے لمحات آئیں کہ تمہاری راتوں کی نیند اڑ جائے، دل کو کسی لمحے چین نہ آئے، دماغ کو کسی وقت سکون نہ ملے، کوئی چیز اچھی نہ لگے اور کسی کام میں دل نہ لگے تو سمجھ لینا کہ تمہیں صحیح معنوں میں اب محبت ہوئی ہے

سلیمان بھائی نے اس کی بات کا خوب مذاق اڑا دیا تھا۔ ان کے نزدیک یہ ساری باتیں سوائے شدید حماقت کے اور کچھ نہ تھیں۔ انہیں پورا یقین تھا کہ ان کی زندگی میں ایسے لمحے کبھی نہیں آئیں گے۔ کیونکہ اپنی فطرت اور اپنی عادت کو وہ خوب اچھی طرح سمجھتے تھے لیکن ——— شاید وہ نہیں جانتے تھے کہ کبھی کبھی انسان بدل بھی جاتا ہے، اس کی عادتوں میں تغیر بھی آجاتا ہے بعض دفعہ محض ایک چھوٹا سا حادثہ زندگی کی پوری تفسیر ہی بدل دیتا ہے، جذبات احساسات، سوچیں اور خیالات سب کچھ اس ایک معمولی سے حادثے سے متاثر ہو کر اپنا انداز بدل دیتے ہیں۔ زندگی کے ایسے لمحوں میں انسان اپنے آپ کو کتنا کمزور، کتنا بے بس اور کتنا مجبور پاتا ہے؟ یہ کوئی ان کے دلوں سے پوچھے جن کی زندگی ایسے حادثات سے دوچار ہو چکی ہو۔

اور سلیمان بھائی کی زندگی میں وہ لمحے آچکے تھے۔ ان کا ذہن الجھ گیا تھا۔ دل جانے کون سے بوجھ تلے دب گیا تھا، دماغ سن ہو گیا تھا اور ان کی پریشان سوچیں آوارہ بادلوں

کی طرح بھٹکتی پھر رہی تھیں۔ دل سے یہ آواز آتی تھی۔

سلیمان! تم ہار گئے ہو۔

سلیمان! بنفشہ تمہاری زندگی ہے۔

سلیمان! تم اس کے بغیر زندہ نہ رہ سکو گے۔

لیکن اب جب کہ بنفشہ ان کی زندگی بن چکی ہے تو خود اس کے بارے میں انہیں یہ تک نہیں معلوم تھا کہ اس کے دل کی دھڑکنیں کسے پکارتی ہیں؟ اس سے دوبارہ بات کرنے کی وہ اپنے آپ میں ہمت ہی نہیں پا رہے تھے اور کسی سے کچھ کہنا وہ مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ انہی سوچوں میں دن گزر رہے تھے۔ پھر ایک روز انہیں شجیعہ کا خیال آیا۔

لیکن وہ تو ہم دونوں کو ایک ساتھ دیکھتے ہی جلی کٹی سنانے لگتی ہے شاید میرے بارے میں اس کا خیال اچھا نہ ہو یا ممکن ہے یہ محض میرا خیال ہو، کیونکہ اس کی تو عادت ہی ایسی ہے۔

شجورانی کا خیال آتے ہی سلیمان بھائی کے دل کو قدرے اطمینان ہوا اور انہوں نے قطعی فیصلہ کر لیا کہ وہ شجیعہ سے ضرور اس سلسلے میں بات کریں گے،

پھر اگلے روز شام کو جب وہ دادا جان کی مزاج پرسی کر کے ان کے کمرے سے نکل رہے تھے تو شجوانہیں دریچے میں کھڑی نظر آئی وہ اس کے کمرے کے قریب پہنچ کر رک گئے۔ شجو نے بڑے انداز سے مسکراتے ہوئے انہیں سلام کیا تو انہیں خیال ہوا کہ شاید بنفشہ نے اسے ساری باتیں بتا دی ہیں۔ لیکن اس وقت وہ بجائے تروس ہونے کچھ زیادہ ہی مطمئن ہوئے۔ یہ سوچ کر کہ چلو یہ زیادہ اچھی بات ہو سکتا ہے

شجو اس معاملے میں مجھ سے بات کرنے کے لئے خود ہی ابتدا کرے۔ میں بلاوجہ نہیدا
سے بچ جاؤں گا۔

لیکن سلیمان بھائی بے چارے بھی بڑے بھولے تھے وہ شجو کی عادت کو جا
بے شک تھے لیکن بہت زیادہ نہیں وہ کتنی گھنی اور مکار تھیں، اس بارے
ان کی معلومات صفر کے برابر تھیں تیزی اور چالاکی کا علم تو سلیمان بھائی کو تھا
جس شخص کا سابقہ پڑتا تھا اسے تو وہ ناک چنے چبوا دیتی تھی۔ شامت کے مارے
بھائی اس وقت اس سے ٹکرا گئے تھے۔

کہئے سلیمان بھائی خیریت تو ہے؟

شجو کی مسکراہٹ ذرا اور گہری ہوئی۔

یہ کوئی خیریت پوچھنے کا طریقہ ہے۔

سلیمان بھائی کی ہمت کچھ اور بندھی۔

کیوں۔ کیا خرابی ہے اس طریقے میں؟

تم اندر کھڑی ہو، میں باہر کھڑا ہوں۔

بس اتنی سی خامی تھی اس طریقے میں۔ لیجئے میں بھی باہر آجاتی ہوں۔

شجو رانی بجائے دروازے سے باہر جانے کے کھڑکی کے راستے ہی کو
پہنچ گئیں۔

اب فرمائیے، خیریت سے تو ہیں آپ؟

شجو رانی نے دوبارہ پوچھا۔

کہاں خیریت سے ہیں شجیعہ بیگم۔

سلیمان بھائی نے ایک لمبی سانس لی۔

کیوں۔ کیا تکلیف ہے آپ کو؟

تکلیف ؟

جی ہاں۔ میرا مطلب ہے کہ آپ کو نزلہ ہے، بخار ہے یا کھانسی؟

ان میں سے کوئی بات نہیں ہے۔

اب اگر ان میں سے کوئی تکلیف نہیں تو باقی بیماریوں کا نام تو میں لینے سے رہی۔

کیوں۔ کیا حرج ہے؟

آپ کے نزدیک کوئی حرج ہی نہیں، جناب من، اتنی خوفناک اور خطرناک بیماریاں
ہیں وہ۔ اگر کہیں چچی جان نے سن لیا تو میرے جھونٹے پکڑ کر دو طمانچے ماریں گی اور کہیں گی۔
میرے بیٹے کی جان کی دشمن! تیرے منہ میں خاک، اللہ نہ کرے جو اسے یہ بیماریاں
ہوں۔

افوہ۔ تم تو انتہائی فضول قسم کی باتیں کرنے لگی ہو۔

سلیمان بھائی اس کی بکواس سے بور ہو گئے۔

مجھے تو اسی قسم کی باتیں کرنی آتی ہیں۔

شجو نے ابرو چڑھائے۔

کام کی باتیں نہیں کر سکتیں تم؟

سلیمان بھائی اپنے مطلب کی طرف آئے۔

لفظ کام سے آپ کا کیا مطلب ہے، ذرا اس کی وضاحت کر دیجئے پہلے۔

تم سکون سے کسی جگہ بیٹھو تو میں کچھ کہوں بھی۔

سکون نام کی کوئی چیز اس دنیا میں نہیں پائی جاتی سلیمان بھائی! آپ کس چکر میں پڑے ہیں۔

سلیمان بھائی نے سوچا:

وہ کس مشکل میں پڑ گئے ہیں؟

ان کی مسمسی صورت دیکھ کر شجو رانی کو ان پر زیادہ تو نہیں تھوڑا سا ترس آیا لیکن انہوں نے دل میں ٹھان لی تھی کہ جب تک اچھی طرح بور نہیں کریں گی پیچھا نہیں چھوڑیں گی۔ بڑی مشکل سے تو خدا وہ وقت لایا تھا جب وہ اپنی درگت بنوانے کے لئے ان کے ہاتھ لگے تھے۔ انہوں نے کن انکھیوں سے سلیمان بھائی کے چہرے کا جائزہ لیا اور زیر لب مسکرا کر بولیں:

کیا بات ہے آپ بڑے پریشان نظر آرہے ہیں؟"

سلیمان بھائی کی جان میں جان آئی۔

تم سے کیا مطلب؟ تم تو بس اپنی بکواس کئے جاؤ۔

ارے نہیں نہیں۔ ایسی تو کوئی بات نہیں۔ میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بتائیے۔

خدمت تو بہت بڑی ہے تمہارے لائق، لیکن تم تو فضول باتوں میں ہی وقت ضائع کئے جا رہی ہو،

اچھا اب نہیں ضائع کروں گی وقت، آپ جلدی سے بتائیے؟

یہاں کھڑے کھڑے؟

تو پھر چلئے کوئی مناسب جگہ تلاش کرتے ہیں۔

ہماری طرف آجاؤ۔

ادھر کوئی مخل تو نہ ہوگا؟

نہیں، سب لوگ گئے ہوئے ہیں۔

آپ نہیں جاتے آج کل کلب وغیرہ؟

کبھی کبھی چلا جاتا ہوں ادھر تو پانچ چھ روز سے بالکل نہیں گیا۔

اچھا ——— وہ کیوں؟

شجو نے انجان بن کر پوچھا۔

دل تو چاہتا ہے نہیں۔

اچھا تو پھر چلئے۔

شجو ان کے ساتھ جانے پر فوراً آمادہ ہو گئی۔

سلیمان بھائی لان میں پڑی کرسیوں کی طرف چل دیئے۔

بیٹھو ——— سلیمان بھائی نے اشارہ کیا۔

سلیمان بھائی نے جیب سے سگریٹ نکال کر سلگانے کے بعد کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

آج کل بنفشہ کدھر رہتی ہے؟ نظر نہیں آتی؟

آپ تو مجھے کوئی بات بتانے والے تھے، بنفشہ کا ذکر کدھر سے نکل آیا؟

اوں ہنہ! تم سمجھتی تو ہو نہیں۔ سارا قصہ تو اسی کے گرد گھومتا ہے۔

سلیمان بھائی نے تنگ آکر صاف صاف کہہ دیا وہ تو یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ شجو یہ خود ہی قصہ چھیڑے گی تو وہ پوری بات بیان کر دیں گے، مگر شجو یہ تو شاید پورے ہی پیدا ہوئی تھی۔ ورنہ کبھی وہاں رہی تھی۔

سلیمان بھائی کے منہ سے صاف صاف سن کر شجو رانی نے یہ ظاہر کیا جیسے اسے

بارے میں ایک لفظ بھی معلوم نہ ہو۔

کیوں ——— کیا کیا نفشہ نے ——— خیریت تو ہے؟

اس کی تو خیریت ہے، لیکن میری نہیں۔

آپ کی خیریت نہیں؟ شجو رانی نے اپنے دیدے گھمائے۔

ہاں ———

بس اب کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہیں سب کچھ سمجھ گئی۔

شجو رانی بڑی زور سے ہنسی۔

سمجھ گئیں؟

سلیمان بھائی خوش ہوئے۔

ہاں بالکل سمجھ گئی۔ وہی لیلیٰ مجنوں، شیریں فرہاد، سوہنی مہینوال یا ہیر رانجھا کا

کوئی ڈرامہ ہوگا۔

بڑی شریر ہو تم۔ سلیمان بھائی مسکرائے۔

میں شریر ہوں اور آپ بالکل پاگل۔

کیوں ———؟

دیکھنے میں ایسے سنجیدہ اور معقول آدمی نظر آتے ہیں اور اندر سے کیا نکلے۔

سلیمان بھائی حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔

ایسے آدمی کو ہم چغد کہتے ہیں۔

شجو رانی نے وضاحت کی۔

اس میں چغد پن کی تو کوئی بات ہی نہیں۔

سلیمان بھائی کچھ بُرا مان گئے۔

بھئی ہم لوگ تو چغد کی یہی اصطلاح استعمال کرتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے۔

شجو رانی نے سوکھا سا منہ بنایا۔

نالائق ہو تم لوگ!

سلیمان بھائی نے بڑے رعب سے کہا۔

واہ۔ ہم لوگ کیوں نالائق ہونے لگے۔

بھئی محبت تو زندگی کے لئے اتنی لازمی چیز ہے کہ.....

نہ اس کے بغیر کی ناہضم ہوتا ہے اور نہ سانس کی آمد و رفت صحیح رہتی ہے۔

نفشہ نے ان کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

بہت چہک رہی ہو ابھی جب تمہیں کسی سے محبت ہوگی، جب پوچھوں گا۔

میں اتنی گھامڑ نہیں ہوں۔

کیا مطلب؟ یعنی اتنے سارے لوگ جو دنیا میں محبت کرتے ہیں سب گھامڑ ہیں؟

ہوں گے ہی۔

تم تو جیسے کسی سے کبھی محبت کرو گی ہی نہیں؟

میرے پاس اس قسم کی فضول باتوں کے لئے وقت ہی کہاں ہے؟

محبت کرنے کے لئے وقت کی ضرورت ہے؟

جی ——— ! بالکل ———

ناحق ہی اپنا وقت ضائع کیا تمہارے ساتھ۔

سلیمان بھائی بُری طرح جھلا گئے۔

نہیں خیر ایسی بھی بات نہیں ہے کچھ تو دل کا بوجھ ہلکا ہوا ہوگا؟

شجو نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔

بوجھ ہی ہلکا کرنا ہوتا تو میں کسی دوسرے سے کہہ دیتا۔

سلیمان بھائی نے گھور کر اس کی طرف دیکھا۔

تو مجھ سے کسی خاص وجہ سے کہا تھا آپ نے؟

ہاں، شامت ہی آئی تھی میری۔

کیوں۔ میں نے کیا کیا؟

مجھے کیا معلوم تھا کہ تم.....

سلیمان بھائی نے بات ادھوری چھوڑ کر کھا جانے والی نظروں سے اس کی طرف

ہاں، کیا کہہ رہے تھے آپ، آپ کو کیا معلوم نہیں تھا؟

اب تو مجھے صرف یہ معلوم ہے کہ تم سے کچھ نہ کہنا ہی بہتر ہے۔ تم تو بفشہ کو

ٹی پڑھا دو گی۔

نہیں۔ میں ان کو بالکل صحیح اور سچا راستہ دکھاؤں گی۔

شجو رانی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

تمہاری صحبت میں رہتی ہے جبھی تو بالکل چوپٹ ہو کر رہ گئی ہے۔

ہاں۔ کیونکہ انہوں نے آپ کے اظہارِ محبت کے جواب میں یہ نہیں کہا تھا کہ

آپ بھی مجھے سویٹ لگتے ہیں، اس لئے چوپٹ ہی کہیں گے آپ تو!

اچھا بس فضول بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

سلیمان بھائی بُری طرح ناراض ہو گئے۔

اس کا مطلب ہے آپ مجھ سے ناراض ہو گئے ہیں۔

ہاں۔ بالکل

پکی بات ہے؟

شجو رانی نے پوچھا۔

سلیمان بھائی منہ لٹکائے خاموش بیٹھے رہے۔

جواب تو دے دیجئے بات کا۔

سلیمان بھائی پھر بھی چپ رہے۔

سوچ لیجئے سلیمان بھائی! مجھ سے ناراض ہو کر آپ بہت گھاٹے میں رہیں گے۔

سلیمان بھائی کرسی کی پشت سے سر ٹکائے اس کی طرف گھورتے رہے۔

یہ سمجھ لیجئے کہ آپ کی سفارش صرف میں ہی کر سکتی ہوں۔ نہ صرف بفشہ باجی سے

بلکہ اماں بیگم اور دادی اماں سے بھی۔

اور یہ بات مت بھولئے گا آپ کہ اس بیل کو منڈھے چڑھانے کے لئے اماں بیگم اور

دادی اماں کی رضامندی بہت ضروری ہے۔

مجھے بھی معلوم ہے۔

سلیمان بھائی نے بڑی دیر بعد زبان ہلائی مگر انداز ایسا ہی تھا جیسے ابھی شجو رانی کو

ڈانٹ کھائیں گے۔

ان دونوں تک یہ بات پہنچانے اور انہیں راضی کرنے کے لئے مجھ سے زیادہ دیر بلکہ

بہت دیر آپ کو پورے گھر میں کوئی اور نظر نہیں آئے گا۔

ہاں۔ تم تو بچپن سے ہی اس کھڑکی دادی رہی ہو۔

سلیمان بھائی ذرا سا مسکرائے۔

اب دیکھئے نا اس ساری کارگزاری کے دوران مجھے بے شمار دفعہ ڈانٹ پھٹکار پڑی لیکن چونکہ میں بچپن سے ہی چکنا گھڑا اور ڈھیٹ واقع ہوئی ہوں اس لئے ان ساری کا میرے اوپر کوئی اثر نہیں ہوگا۔

اس میں کوئی شک بھی نہیں ہے۔

سلیمان بھائی نے ہاں میں ہاں ملائی۔

لیکن شجو رانی نے اس بات کا قطعی برا نہیں مانا۔ ان کا تو شروع سے ہی یہ کہنا تھا جب دوسرے لوگ کسی کی خوبیوں کا اعتراف کریں تو اس کو برا نہیں ماننا چاہیئے۔

شجو رانی نے کچھ دیر فلسفیوں کے سے انداز سے کچھ سوچا، پھر ایک انگلی ہلاتے ہوئے بولی۔

ذرا ایک بات تو بتایئے؟"

ایک نہیں دو باتیں پوچھو۔

سلیمان بھائی ایک دم موڈ میں آ گئے۔

آپ کو بنفشہ باجی سے کس قسم کی محبت ہے؟

کیا مطلب۔ محبت کی بھی قسمیں ہوتی ہیں؟

ہاں۔ کیوں نہیں۔

شجو نے بہت وثوق سے کہا۔

تم نے تو محبت بھی نہیں کی کسی سے پھر تمہیں.....

دراصل میں نے ریسرچ کی ہے اس موضوع پر اور پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری بھی مل چکی ہے مجھے اس سلسلے میں۔

شجو نے ہنستے ہوئے کہا۔

بکواس نہ کرو زیادہ۔

سلیمان بھائی مسکرائے۔

ہاں تو بتایئے نا کس قسم کی محبت ہے آپ کو؟

میں تمہارا مطلب ہی نہیں سمجھا۔

میرا مطلب ہے کہیں یہ اسی قسم کی محبت تو نہیں جو اب تک آپ بہت ساری لڑکیوں سے.....

دماغ صحیح ہے تمہارا؟ میں نے کبھی کسی سے محبت نہیں کی۔

سلیمان بھائی صاف جھوٹ بول گئے۔

کیوں جھوٹ بولتے ہیں سلیمان بھائی اتنے پارسا تو آپ کبھی نہیں رہے۔

شجو نے مسکرا کر کہا۔

تم تو احمق ہو۔

سلیمان بھائی صاف کترا گئے۔

اچھا تو کیا آپ شادی بھی کریں گے بنفشہ باجی سے؟

شجو رانی سلیمان بھائی کا انٹرویو لینے پر تلی بیٹھی تھیں۔

ہاں تو اور کیا، گھاس تو نہیں کھا گئی ہو تم؟

سلیمان بھائی چڑ کر بولے۔

اس میں چیڑنے کی بات نہیں ہے، ہر بات کی وضاحت پہلے سے ہو جانا ضروری ہے

شنجو نے بڑی مشکل سے اپنی مسکراہٹ ضبط کی۔

کیوں۔ اس وضاحت کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

اس وضاحت کی ضرورت یوں پیش آئی کہ بعض لوگ محبت تو کسی اور سے کرتے ہیں اور شادی کسی اور سے کر لیتے ہیں۔

شنجو نے زبردستی سنجیدگی طاری کرتے ہوئے کہا۔

اطمینان رکھو، میں ایسے لوگوں میں شامل نہیں ہوں۔

سلیمان بھائی نے بڑے اعتماد سے کہا۔

خدا کرے ایسا ہی ہو۔

شجیعہ بیگم اب واقعی سنجیدہ ہو گئیں۔

چند منٹ تک دونوں اپنی اپنی سوچوں میں ڈوبے رہے، پھر شنجو رانی کو ایک دم خیال آیا کہ انہیں یہاں آئے بہت دیر ہو چکی ہے یقیناً ان کی ڈھنڈیا مچی ہوئی ہوگی۔ بغیر کچھ کہے تقریباً بھاگتی ہوئی وہ درمیانی گیٹ کی طرف چل دیں۔

دوسری طرف واقعی ان کی ڈھنڈیا مچی ہوئی تھی۔ ایسے موقعوں پر سب سے زیادہ فکر دادی اماں کو ہوا کرتی تھی۔ اس وقت بھی وہ ایک ایک سے پوچھتی پھر رہی تھیں

اسے کسی نے شنجو کو دیکھا؟

اے یہ گئی کدھر کو؟

اس کا کچھ پتہ نہ چلے ہے، پل کی پل میں اڑنچھو ہو جاوے ہے۔

آپ ناحق فکر مند ہو رہی ہیں اماں۔ وہ ضرور کسی کونے میں بیٹھی ہوگی کتاب میں سر دیے

اماں بیگم بولیں۔

اتنے بہت سے کونے تو میں دیکھ آئی ہوں مجھے تو کہیں نہ دکھائی دی۔

دادی اماں کچھ اور ہی زیادہ فکر مند ہو گئیں اور اپنا بادامی لیڈی ہملٹن کا غرارہ سنبھالے لان کی طرف چل دیں۔ ابھی برآمدے کی سیڑھیوں سے نیچے اتری ہی تھیں کہ کسی سے ٹکراتے ٹکراتے بچیں۔ منہ اٹھا کر جو دیکھا تو شجیعہ بیگم ہی تھیں۔ دانت نکالے ان کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

کدھر جا رہی ہیں دادی اماں؟

تجھے ہی دیکھنے جا رہی تھی۔

کیوں —— آپ سمجھیں میں کھو گئی۔

تیرے منہ میں خاک، کبھی تیرے منہ سے ڈھنگ کی بات بھی نکلے ہے؟

کیا بہت بے ڈھنگی بات کہہ دی میں نے؟

شنجو نے الٹا دادی اماں سے ہی سوال کر دیا۔

تو تھی کدھر کو اتنی دیر سے؟

دادی اماں نے اس کی بات سنی ان سنی کر دی۔

میں ادھر تھی سلیمان بھائی کی طرف۔

کیا کر رہی تھی؟

باتیں، خوب مزے مزے کی باتیں۔

شنجو رانی نے منہ کچھ اس طرح کا بنایا جیسے مزیدار کھٹی میٹھی گولیاں کھا رہی ہوں۔

بیٹا۔ بتا کر جایا کرو، اس طرح بغیر کہے جا کر نہ بیٹھ جایا کرو۔

کیوں پریشان ہو جاتی ہیں آپ میرے لئے ؟

ایک میں کیا ؟ سبھی پریشان ہو جاویں ہیں۔

مگر میرا تو خیال ہے آپ زیادہ پریشانی ہو جاتی ہیں میرے لئے۔

دادی اماں چپ رہیں۔

میں کتنی خوش قسمت ہوں دادی اماں! آپ کتنا پیار کرتی ہیں مجھے۔

شجورانی ان کے گلے کا ہار ہی بن گئیں۔

اے ہے کیا میری گردن دبائے گی، چھوڑ تو سہی۔

آپ کی گردن دبانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا دادی اماں۔ ابھی تو مجھے آپ سے ساری باتیں منواتی ہیں۔

شجورانی بڑی مکاری سے مسکرائیں۔

بے چاری دادی اماں کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ یہ ساری خوشامد اور چاپل اس وقت کس لئے ہے اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ شجورانی کو دادی اماں سے پیار تھا۔ لیکن اس وقت تو اس قدر شدت سے پیار کا اظہار وہ اپنے مطلب سے ہی تھی۔ حالانکہ فی الوقت تو اس خوشامد کی ضرورت بھی نہیں تھی کیونکہ دادی اماں تک باتیں پہنچانے کا مسئلہ بہت بعد کا تھا۔ وہ تو دادی اماں کیونکہ اس وقت سامنے آگئی اس لئے شجو کی چرچڑے کی زبان پھسل گئی۔

کونسی باتیں منواتی ہیں تجھے ؟

دادی اماں نے پوچھا۔

ابھی نہیں بتاؤں گی دادی اماں۔

اے پھر کب بتائے گی؟ ابھی بتا دے۔

آپ ہی تو کہتی ہیں کہ ہر کام کرنے کا اور ہر بات کہنے کا وقت مقرر ہوتا ہے۔

ہاں وہ تو ٹھیک ہے۔

بس سمجھ لیجئے ابھی وہ وقت نہیں آیا۔

شجورانی نے انہی کی بات کا حوالہ دے کر انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کی مگر دادی اماں کرید لگ گئی تھی۔ ان کا اصرار جب زیادہ بڑھا تو شجیعہ نے سوچا کہ یہ تو گھپلا ہو گیا دادی اماں ادھار کھائے بیٹھی ہیں کہ ابھی پوچھ کر رہیں گی۔ اب کیا ترکیب کی جائے؟ جب کچھ نہ بن پڑا تو جھٹ سے جھوٹ بولیں:

ارے دادی اماں! میں تو مذاق کر رہی تھی، آپ سچ سمجھ گئیں۔

تیرا مذاق بھی بس ایسا ہی ہوا کرے ہے۔

دادی اماں مصنوعی ناراضگی سے بولیں۔

شجیعہ بیگم دادی اماں کو مزید کچھ کہنے سننے کا موقع دیئے بغیر جھپاک سے دادا جان کے کمرے میں گھس گئی۔

دادا جان بے چارے اچھے بھلے بیٹھے ہوئے معلوم نہیں کونسا اسٹیشن لگائے خبریں سن رہے تھے، ایک دم گڑبڑا گئے۔

ارے بھئی ذرا آہستگی سے داخل ہوا کرو کمرے میں۔

جی اچھا۔ بہت بہتر۔

شجو نے بڑی سعادت مندی سے کہا اور دادا جان کے سامنے والی کرسی پہ بیٹھ گئی۔

کہاں سے چلی آ رہی ہو؟

دادا جان باقاعدہ انٹرویو لینے پہ تل گئے۔

وہ ـــــ ذرا چچی جان کی طرف گئی تھی۔

سب خیریت تو ہے؟۔

جی ہاں۔

یہ تمہاری دادی اماں کیا تقریر کر رہی تھیں؟

تقریر ـــــ؟ شجو بڑے زور سے ہنسی۔

ہاں ـــــ اور کیا ـــــ؟

وہ تو مجھ سے باتیں کر رہی تھیں۔

شجو نے ہنستے ہوئے کہا۔

ان کی ہر بات کسی تقریر سے کم تھوڑی ہوتی ہے۔

کوئی بھی نہیں دادا جان۔ آپ تو خواہ مخواہ ہی دادی اماں کو چڑھا رہے ہیں۔

شجو نے ان کی بات سے لطف اندوز ہو کر کہا۔

لاحول ولا قوۃ، مجھے کیا پڑی ہے جو میں ان کو چڑھاؤں گا۔

آپ کچھ ناراض ہیں دادی اماں سے؟

پھر وہی فضول باتیں ہیں جو کہہ رہا ہوں اس میں ناراضگی کا سوال کہاں سے پیدا ہو گیا؟

اب یہ تو مجھے نہیں معلوم۔

جب کچھ معلوم نہ ہوا کرے تو خاموش رہا کرو۔

اچھی بات ہے، جیسی آپ کی مرضی۔

شکیلہ بیگم نے بھیڑ کی طرح گردن جھکا لی۔

آج کل کچھ لکھتی پڑھتی بھی ہو تم؟

دادا جان نے موضوع بدلا۔

جی! شجو نے مری ہوئی آواز سے کہا۔

کچھ نئی کتابیں بھی پڑھیں تم نے؟

جی ہاں۔

شجو نے جلدی جلدی نئی پڑھی ہوئی کتابوں کے نام گنوا دیئے۔

ماشاء اللہ!

دادا جان خوش ہو گئے۔

گھر کے سب بچوں میں بس تمہیں اور شکیب کو ہی شوق ہے پڑھنے کا۔ باقی تو سب گھاس کھودتے ہیں۔

دادا جان نے کہا۔

شجو رانی چپکی بیٹھی رہیں، پھر ایک دم کچھ سوچ کر بولیں:

سجاد بھائی بھی بہت دل لگا کر پڑھتے ہیں۔

سجاد اور شکیل تو بالکل نامعقول ہیں۔

نہیں تو دادا جان! سجاد بھائی کا میڈیکل کا آخری سال ہے۔

اس کی کتابیں پڑھ لینے کو میں کافی نہیں سمجھتا۔ پڑھ لکھ کر گدھے پر لادیں گے۔ دادا جان نے کہا۔

شجو کو دادا جان کی بات پر ہنسی آ گئی۔

ہنسنے کی کیا بات ہے اس میں، خالی ڈگریاں لے لے کر جمع کرنے سے کچھ نہیں ہوتا نالج تو صفر کے برابر ہوتی ہے آج کل کے لڑکوں میں۔

یہ تمہارے سجاد بھائی میڈیکل کا امتحان پاس کر کے کونسا تیر مار دیں گے۔

کیوں ——— وہ پریکٹس کریں گے۔

ہاں پریکٹس کریں گے، جسے نزلہ ہوگا، اسے بخار کی دوا دیں گے، کسی کو بھوک کی کمی شکایت ہوگی تو اسے پرہیزی لیکچر دے کر کھانا پینا بند کر دیں گے۔

دادا جان جلے بھنے لہجے میں بولے۔

شجو خلاف معمول چپ چاپ بیٹھی ان کی باتیں سنے جا رہی تھی، بات حیرت کی ہی تھی ورنہ اس کی زبان کہاں تالو میں رہتی تھی۔

میری ہی مثال تمہارے سامنے ہے، اچھا بھلا تھا مگر صاحبزادے نے میرا کھانا پینا سب بند کر دیا۔

نہیں دادا جان! آپ کی طبیعت پچھلے مہینوں واقعی بہت خراب رہی ہے۔

رہنے دو بس، بیٹھ گئیں بھیا کی حمایت لینے۔

دادا جان چڑ کر بولے۔

دیکھئے نا دادا جان! اب آپ کی طبیعت پہلے سے کافی بہتر ہے تو انہوں نے کئی چیزیں کھانے کی اجازت دے دی ہے، ڈاکٹر بے چارے تو مجبور ہوتے ہیں ان سب باتوں کے لئے۔

ابھی کہاں ڈاکٹر بنا ہے۔ خواہ مخواہ دوسرے کے معاملے میں ٹانگ پھنسا کر.....

مگر آپ یہ بھی تو دیکھیے، ڈاکٹر فاروقی نے بھی یہی مشورہ دیا تھا، پھر جب اسپیشلسٹ کو دکھایا تو اس نے بھی......

ارے بیٹی! ان لوگوں کا تو دھندا اسی طرح چلتا ہے، دوسروں کو بھوکا مار کر۔

شجیعہ دادا جان کی بات سن کر ہنس پڑی۔

دادا جان کا لیکچر ابھی اور جاری رہتا مگر رمضانی اسے بلانے آگیا۔ کھانے پر انتظار ہو رہا تھا۔

کھانا کھانے کے دوران ہی شجو نے سوچا کہ آج بنفشہ باجی سے فائنل بات ہو ہی! آج ذرا مجھے فرصت بھی ہے، کوئی کتاب نہیں ہے پڑھنے کے لئے اور نہ ہی کالج کا کوئی کام ہے۔

جلدی جلدی نوالے منہ میں ڈالتے ہوئے وہ دل ہی دل میں سوچتی رہی کہ بات کا آغاز کس طرح ہوگا اور اختتام کہاں پہ ہوگا۔

بڑی اماں جو سامنے ہی بیٹھی تھیں۔ بڑے غور سے جائزہ لے رہی تھیں کہ شجو نے آج نوالوں کو ریس کے گھوڑے بنا رکھا ہے۔ کچھ دیر تو وہ چپ بیٹھی رہیں لیکن آخر کار تک بول ہی دیں۔

اتنی جلدی کس بات کی ہے شجیعہ بیٹی!

کہاں ـــــ کس کو؟

شجیعہ بیگم چونک پڑیں۔

آرام سے کھانا کھاؤ، بھاگا تو نہیں جا رہا؟

کسی کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا، سب چھپے رستم ہوتے ہیں۔ بہت سے لوگوں کے پیٹ میں داڑھیاں ہوتی ہیں۔

شجو رانی اپنی دھن میں مگن، اپنے خیالوں میں کھوئی ہوئی معلوم نہیں کیا بکواس کر گئیں۔

ارے کیا بک رہی ہو؟ ہوش میں تو ہو شجو؟

اماں بیگم بولیں۔

ہماری بیٹی تو کتابیں پڑھ پڑھ کر بالکل فجو بھائی بنتی جا رہی ہے ابا میاں نے کہا۔

ابا میاں بالکل صحیح کہتے ہیں۔

شجیعہ نے جلدی سے تائید کی اور غٹا غٹ پانی چڑھا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

اے بس، اتنا ذرا سا!

دادی اماں بولیں۔

دادی اماں، اتنی ہی بھوک تھی۔

بچے تم لوگوں کی بھوک کو کیا ہوگیا ہے؟

دادی اماں فکر مند ہو کر بولیں۔

وہ بے چاری اسی فکر میں دبلی رہتی تھیں۔ کہ فلاں لڑکی نے کل رات کم کھانا کھایا تھا۔ فلاں نے آج دوپہر صرف کھانا سونگھ کر چھوڑ دیا۔ سجاد نے صبح نہ تو آملیٹ کھایا نہ بائل (بوائل) کیا ہوا انڈا کھایا اور شکیل کی خوراک اب آدھی بھی نہیں رہ گئی ہے۔ سوکھ کر کانٹا ہوا جا رہا ہے۔

دادی اماں سوچتی ہی رہ گئیں کہ شجو نے بہت کم کھانا کھایا، کہیں اس کا جی تو ماندہ نہیں۔ کل اس کے لئے تھوڑا سا حلوہ بنا دوں گی، شوق سے کھاتی ہے، اور

نجو بیگم لپک جھپک کمرے سے باہر بھی نکل گئیں۔ پہلے تو لان میں ٹہلنے کا ارادہ
مگر پھر کچھ سوچ کر پروگرام کینسل کر دیا۔ اپنے کمرے کی طرف چل دیں۔ الماری کھول کر
ہوئی سونف اور چھالیہ نکال کر پھنکا لگایا اور منہ چلاتی ہوئی دریچے میں آ کھڑی ہوئیں
یں تو ہر وقت دنیا زمانے کی باتیں پھلجھڑی کی طرح پکتی رہتی تھیں۔ دین و دنیا سے
ہو کر اگلی پچھلی باتیں سوچنا شروع کر دیں۔ چونکیں اس وقت جب بنفشہ آکر ان کے برابر
کھڑی ہو گئی بلکہ کچھ کہا بھی۔ کیا کہا؟ یہ تو نجو بیگم سن نہ سکیں۔ اپنے ہوشوں میں کب تھیں!

ایں۔ کیا، مجھ سے کچھ کہا؟

اوہ۔ کہاں رہتی ہو؟ بنفشہ مسکرائی۔

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی
کچھ ہماری خبر نہیں آتی!

نجو نے موڈ میں آکر شعر سنایا۔

آج تو شعر و شاعری کے موڈ میں معلوم ہوتی ہو؟ بنفشہ نے کہا۔

ہماری ایسی قسمت کہاں؟

نجو نے ٹھنڈی سانس بھری۔

کیوں ــــ خیریت؟

ابھی صرف کتابیں پڑھتی ہوں تو اماں بیگم صبح شام پھٹکارتی رہتی ہیں۔ اگر کہیں کچھ
شروع کر دیا تو ڈنڈا لے کر دوڑایا کریں گی۔

بنفشہ کو اس کی بات سن کر ہنسی آگئی۔

خیر چھوڑیئے اس ذکر کو، ہاں یہ بتایئے آپ کیا کہہ رہی تھیں؟

میں تو یہ کہہ رہی تھی کہ تم شام کو کہاں غائب تھیں؟

میں۔ وہ ذرا سلیمان بھائی لے گئے تھے مجھے۔

نجو نے لاپرواہی سے کہا۔

بنفشہ کچھ چور سی بن گئی۔

آپ نے یہ نہیں پوچھا، کیوں لے گئے تھے؟

نجو نے بڑے غور سے بنفشہ کی طرف دیکھا۔

ویسے ہی لے گئے ہوں گے۔

بنفشہ ایک دم اپنے آپ کو لاپرواہ ظاہر کرنے لگی۔

جی نہیں، ایک خاص وجہ سے لے گئے تھے۔

نجو نے بڑے انداز سے کہا۔

خاص وجہ" پر بنفشہ کا دل بڑی زور سے دھڑکا۔

آپ بڑی وہ ہیں، مجھے آپ سے ایسی امید نہیں تھی۔

نجو نے صاف صاف بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

میں ـــــ میں نے کیا کیا؟

بنفشہ دل ہی دل میں سہم گئی، کہ اب خیریت نہیں ہے۔

میں جب تک آپ کو اپنی ہر چھوٹی بڑی بات بتا نہ دوں مجھے چین نہیں پڑتا اور
نی بڑی بات ہضم کر گئیں؟

بنفشہ نے سوچا، اب تو باوجود کوشش کے میں اس سے جھوٹ نہیں بول سکتی۔
وہ چپ چاپ سر جھکائے کھڑی رہی۔ لیکن نجو جب کسی کا پیچھا پکڑتی تھی تو اسے

گھر تک پہنچا کر آئی تھی۔

انہوں نے جب تک ایک ایک لفظ بنفشہ سے اگلوا نہ لیا انہیں چین نہ آیا
بنفشہ بے چاری نے بتانے کو تو سب کچھ بتا دیا لیکن حالت یہ تھی کہ کاٹو تو
میں لہو نہیں، چہرے کا رنگ بالکل اڑا ہوا تھا، ہاتھ پیر ایک دم ٹھنڈے سے تھے اس طرح
ہوئی کھڑی تھی جیسے ابھی پھانسی کے تختے پر لٹکا دی جائے گی۔

شجو رانی نے اس کی یہ حالت دیکھی تو ایک دم انہیں رحم آگیا اور پیار تو خیر انہیں
ہی آنا تھا بنفشہ باجی کے اوپر۔

مسکرا کر ان کے گلے کا ہار بنتے ہوئے بولیں۔

آپ اس قدر پریشان کیوں ہو رہی ہیں۔

شجیعہ، مجھے بہت ڈر لگتا ہے ان تمام باتوں سے، سلیمان بھائی کو منع کر دینا
آئندہ ایسی باتیں نہ کریں۔

بنفشہ کی آواز بہت دھیمی تھی۔

کیوں؟

شجو رانی ایک دم تھانیدارنی بن گئیں۔

یہ سب مجھے نہیں معلوم۔

آپ کو سلیمان بھائی اچھے نہیں لگتے؟

مجھے نہیں معلوم، میں نے کبھی ان کے بارے میں سوچا ہی نہیں۔ بنفشہ نے
تو اس کا مطلب ہے آپ کسی اور کے بارے میں سوچتی ہوں گی۔

بھئی، میں کسی کے بارے میں نہیں سوچتی۔

بنفشہ کچھ بیزار ہو کر بولی۔

تو اب آپ کو سوچنا چاہیئے نا۔

شجیعہ نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

کیوں۔ ضروری ہے؟

ہاں بالکل، اب آپ بڑی ہو گئی ہیں۔

شمسہ اور عمرانہ آپا بھی تو بڑی ہو گئی ہیں۔

تو آپ کو کیا معلوم، سوچتی ہوں گی وہ بھی کسی کے بارے میں، مجھے اور آپ کو نہ
بتاتی ہوں گی۔

چھوڑو نا اس ذکر کو، تم تو پیچھے پڑ گئی ہو۔

بنفشہ سے اور کوئی بات ہی نہ بن سکی۔

چھوڑنے کے لئے نہیں پکڑا تھا میں نے اس ذکر کو۔

تو پھر میں کیا کروں؟ میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

بنفشہ چڑ کر بولی۔

دیکھئے جناب! میں تو آپ کو بلا فیس کے یہ مشورہ دوں گی کہ یہ لیلیٰ مجنوں کا ڈرامہ رچانا
تو بالکل فضول ہے، مجھے یہ سب باتیں قطعی ناپسند ہیں۔ ہاں
اگر آپ راضی ہوں تو اماں بیگم اور دادی اماں سے کہہ کر سلسلہ آگے بڑھایا جائے۔

سلسلہ کیا؟ بنفشہ گھبرا گئی۔

شادی کا اور کیسا؟ شجو کا انداز بڑی بوڑھیوں کا سا تھا۔ اگر مجھ سے تنگ آگئی ہو تو ویسے
ہی بتا دو اتنی جلدی اس جہنم میں جھونکنے۔۔۔۔ ارے ارے، بڑا افسوس ہوا آپ کے منہ سے

ایسی باتیں سن کر، شجیعہ نے ان کے منہ پہ ہاتھ رکھ دیا۔

بنفشہ نے کوئی جواب نہیں دیا، منہ بنا کر ایک کونے میں بیٹھ گئی۔

آپ تو بلاوجہ ہی افسوس کرنے بیٹھ گئی ہیں، میری پوری بات بھی نہیں سنی۔

بنفشہ نے پھر بھی جھکا ہوا سر اوپر نہیں اٹھایا۔

میں تو اس لئے کہہ رہی تھی کہ سلیمان بھائی بہت بے تاب ہیں۔

تم چاہتی ہو میری پڑھائی لکھائی ختم ہو جائے؟ بنفشہ رونے پہ آمادہ بیٹھی تھی۔

تو ابھی کونسی ہوئی جا رہی ہے شادی۔ ابھی تو بات چیت شروع ہونے میں ہی دن لگ جائیں گے۔ شجو نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

پھر، اس کے بعد؟

اس کے بعد یہ کہ مجھے اچھی طرح معلوم ہے اماں بیگم اور دادی اماں ہرگز راضی نہیں ہوں گی ابھی۔

بنفشہ نے یہ بھی نہیں پوچھا کہ کیوں؟

"آپ سے بڑی چھٹ باجی اور آپا جان موجود ہیں پہلے ان کا کچھ سلسلہ ہوگا۔"

شجیعہ بیگم نے اس طرح ان باتوں کا ذکر چھیڑ رکھا تھا جیسے شادی بیاہ کے سارے معاملات کی ذمہ داری صرف انہی کے ناتواں کندھوں پہ آن پڑی ہو۔

بنفشہ یہ سوچ کر دل ہی دل میں خوشی ہوئی کہ ارے، شمسہ اور عمرانہ آپا کا تو مجھے خیال ہی نہیں رہا تھا، ابھی تو ان کا نمبر ہے۔

"ایمان کی بات" یہ ہے بنفشہ باجی، کہ مجھے تو صرف آپ کی مرضی معلوم کرنی تھی، میں یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ آیا آپ کے دل میں کچھ جگہ بھی پیدا ہوئی سلمان بھائی کے لئے یا وہ یوں ہی

خ لڑں کرتے پھر رہے ہیں۔"

بنفشہ بھلا اس بات کا کیا جواب دیتی۔

"اب سیدھا سادا معاملہ یہ ہے کہ آپ کو نہ تو لیلیٰ اور شیریں بننے کی ضرورت ہے اور ی سوہنی، کیونکہ ان سب باتوں سے مایدولت کو سخت چڑ ہے۔ آپ بے شک سلمان ی کو آزمایئے، لیکن اس آزمائشی دور میں اتنا آگے بڑھنے کی ضرورت نہیں ہے کہ وقت نے پر پیچھے لوٹنا ہی مشکل ہو جائے۔"

بنفشہ پھر بھی منہ میں گھنگھنیاں ڈالے بیٹھی رہی۔

"بس اپنے دل کو اتنا مضبوط بنا لیجیے کہ اگر ابھی آپ چار قدم آگے بڑھ جائیں تو ضرورت نے پر دس قدم پیچھے ہٹ جانے پہ آپ کو ذرا بھی ملال نہ ہو۔" شجیعہ بیگم بڑی بے دبا رہی نشہ کو نصیحتیں کر رہی تھیں۔

اور بنفشہ سوچ رہی تھی، ہر شخص کو اپنی طرح مت سمجھو شجیعہ، نہ سب کے ذہن ایک از سے سوچتے ہیں اور نہ سب کے دل ایک جیسا اثر قبول کرتے ہیں۔

"پھر آپ نے کیا سوچا؟ میں کیا کہہ دوں سلمان بھائی سے؟"

شجیعہ نے پوچھا۔

"کچھ بھی مت کہو۔"

بنفشہ نے کہا۔

"واہ، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کچھ تو فیصلہ کیجیے۔"

"کیا ابھی بیٹھے بیٹھے فیصلہ کر لوں؟"

بنفشہ بیزار ہو کر بولی۔

" نہیں، میں آپ کو کچھ دن کی مہلت دے دیتی ہوں۔"

" اچھی مشکل میں پڑ گئی ہوں میں تو۔"

بنفشہ نے پریشان ہو کر کہا۔

" کوئی مشکل نہیں ہے، اپنے دل و دماغ کی مرضی سے فیصلہ کیجئے اور یہ بھی فرما
سے ہے کہ آپ سلمان بھائی کے حق میں ہی فیصلہ کریں۔"

" اچھا بابا، اب ختم کرو اپنی تقریر۔"

بنفشہ ایک کتاب اٹھا کر اپنے بستر پہ دراز ہو گئی۔

ایک طرف سلمان بھائی کا یہ حال تھا کہ وہ بنفشہ کا فیصلہ سننے کے لئے بے قرا
تھے، روز کسی نہ کسی بہانے سے اشارۃً کنایۃً تجیہ سے اس بات کا ذکر ضرور کرتے تھے
اسی کے ذریعے کچھ پتہ چل سکے۔ مگر وہ تھی کہ ایسی بات پہ کاٹ کھانے کو دوڑتی تھی۔

" ایسی جلدی کیا ہے؟ بالکل ہی ہونق بنے جا رہے ہیں۔"

اور بے چارے ولایت پلٹ سلمان بھائی ایک دم بھیگی بلی بن جاتے تھے
سامنے کیا کرتے بے چارے؟ بڑا وقت آن پڑا تھا۔ ان پہ ہر اچھی بری بات سہ

دوسری طرف بنفشہ فیصلہ کرنے میں اتنی ہی دیر لگا رہی تھی۔ وہ غریب بھی
اسے کبھی اس قسم کی باتوں سے سابقہ ہی نہیں پڑا تھا۔ وہ عام لڑکیوں سے بالکل مختلف
اور سادہ فطرت لڑکی تھی۔ اس کے بچپن میں گھریلو ماحول کچھ اس قسم کا رہا تھا کہ ضرورت
حساس اور کم سخن ہو کر رہ گئی تھی۔ ہر چھوٹی بڑی بات کو چپ چاپ سہہ لینا اس کی عاد
کسی سے کچھ کہنا سننا اس نے سیکھا ہی نہیں تھا۔ جب کسی بات پر بس نہ چلتا تو ب
آنسو گرانے بیٹھ جاتی۔

" محبت"، اس نے اپنے باپ سے کی تھی، جو برسوں پہلے اسے چھوڑ کر اس دنیا سے چلا گیا تھا۔

محبت ـــــ اس نے اپنی ماں سے بھی کی تھی، جو نہ جانے کہاں ..... ؟

اور محبت اس نے اپنے بھائی سے بھی کی تھی، لیکن اس کے متعلق بھی وہ کچھ نہیں جانتی تھی
یادوں کی کچھ کلیاں تھیں جنہیں وہ بچپن سے اپنے دامن میں سمیٹے چپ چاپ سوچا
کرتی تھی اور رویا کرتی تھی۔

اس کے گھر میں اس کے سمیت صرف چار ہی آدمی تھے۔ نہ امی کے کوئی رشتہ دار تھے۔
اور نہ ابو کے۔ کیوں نہیں تھے؟ کہاں چلے گئے تھے؟ یہ سب اسے کبھی نہیں بتایا گیا تھا، لیکن
بعد میں ـــــ جب وہ بڑی ہوتی اور بہت ساری باتیں بغیر بتائے اس کی سمجھ میں آ گئیں
تو جبھی ان سوالوں کے جواب بھی اسکے دماغ نے ڈھونڈ لئے۔

اور پھر ـــــ جب وہ شجو رانی کے گھر میں آئی تو اتنے بہت سارے لوگوں کو
دیکھ کر وہ بہت دنوں تک سہمی ہوئی گھبرائی ہوئی اور پریشان سی رہی۔ یہاں اسے بے پناہ
محبت اور ڈھیروں خلوص ملا۔ اس نے پچھلی تمام باتیں بھلا دینے کی کوشش کی لیکن ہر نقش نہیں
مٹا کرتا اور نہ ہر یاد دھندلکوں میں چھپا کرتی ہے۔ لمحے آتے ہیں گزر جاتے ہیں، پھر آتے
ہیں پھر گزر جاتے ہیں، مگر لمحوں کے بھنور میں عمر رفتہ کی شبیہہ ڈوب ڈوب کر ابھرتی ہی
رہتی ہے۔

اس محبت کے سوا اور کسی قسم کی محبت کے روپ نے اس کے دل و دماغ میں کبھی
جگہ نہیں بنائی تھی۔ وہ نہ آج کل کی موڈرن لڑکیوں کی طرح چیختا دھاڑتا عشق کر سکتی تھی۔
اور نہ گزشتہ دور کی لڑکیوں کی طرح خاموش، بے زبان اور گھٹی محبت کر سکتی تھی۔ اس کا
ذہن کبھی اس قسم کی باتوں کی طرف گیا ہی نہیں تھا۔ حالانکہ کہنے کو گھر میں ماشاء اللہ تین جوان مرد

تھے۔ مگر انہوں نے کبھی کوئی ایسی بات ہی نہیں کی جس سے یہ ظاہر ہوتا کہ وہ اپنی بہنوں اور اس میں کوئی فرق سمجھتے ہوں۔

ہاں، ادھر کچھ عرصے سے بڑے بھیا کے رویے میں کچھ عجیب سی تبدیلی آگئی تھی۔ ان کی باتوں پہ بعض دفعہ شجورانی چونک چونک پڑتی تھیں۔ مگر باوجود ایک طرارہ ہونے کے ان کی یہ ہمت کبھی نہ ہوئی کہ اس سلسلے میں بڑے بھیا سے کچھ پوچھتیں، بنفشہ کا ذکر کرتے وقت یا اس سے باتیں کرتے وقت ان کے لہجے میں کچھ اس قدر محبت اور پیار سمٹ آتا تھا کہ شجیعہ بیگ کے دماغ میں کھُد بُد ہونے لگتی تھی۔ لیکن دوسری طرف یہ خیال بھی آتا تھا کہ اگر کوئی ایسی بات ہوتی تو بڑے بھیا اب تک منہ میں گھنگھنیاں ڈالے کیوں بیٹھے رہتے؟ آخر یہ بات کہتے ہوئے ان کی راہ میں کونسی چیز مانع ہو سکتی ہے؟ بس ۔۔۔ یہیں پہ آکر شجورانی پٹخنی کھا جاتی تھیں۔

بنفشہ کو شجیعہ بیگم نے کچھ روز کی مہلت دی تھی کہ وہ ٹھنڈے دل و دماغ سے اس مسئلے پر سوچ کر کوئی فیصلہ کرلے اور انہیں بتا دے تاکہ وہ خود یعنی شجیعہ بیگم بغیر ایک لفظ منہ سے کہے وہ ساری بات سلمان بھائی کو بتا کر ان کے اوپر سے بچپنے کا خول اتار پھینکیں مگر وہ "کچھ روز" گزر بھی گئے۔ اور بنفشہ غریب کا معصوم اور سیدھا دل و دماغ کوئی فیصلہ ہی نہ کر سکا۔ شجیعہ بیگم کے صبر کا پیمانہ بھی لبریز ہو گیا۔ آگئیں اس کی جان کو۔

بنفشہ دادا جان کو اخبار سنا کر اپنے کمرے میں آکر بیٹھی ہی تھی کہ وہ دندناتی ہوئی اس کے سر پہ پہنچ گئیں۔

"بھئی یہ بڑی غلط بات ہے بنفشہ باجی۔"

"ہیں! کیا؟"

بنفشہ ایک دم چونک پڑی۔

"آپ نے تو اپنا منہ ہی سی لیا ہے۔"

وہ ابرو چڑھا کر بولیں۔

بنفشہ اپنی روشن اور شفاف آنکھوں سے ان کی طرف چپ چاپ دیکھتی رہی۔

"ابھی تک آپ نے کوئی فیصلہ ہی نہیں کیا اتنے دن گزر گئے۔"

"میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔"

بنفشہ اپنی پیشانی کو انگلیوں سے دباتے ہوئے بولی۔

شجو کو ایک دم اس کی حالت پر ترس آ گیا۔ قریب بیٹھتے ہوئے پیار سے بولی۔

"سچی، بڑی حیرت ہوتی ہے آپ کو دیکھ کر ——— معلوم نہیں کیسے اتنی بڑی ہو گئیں"

بنفشہ کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔

"میری صحبت میں رہ کر بھی آپ نے کوئی اثر نہیں لیا۔"

"تو تم نے کب کسی سے محبت کی جو میں تمہارا اثر قبول کرتی۔"

بنفشہ نے دھیرے سے کہا۔

"ایمان سے، بڑی بھولی ہیں آپ۔"

شجو نے بے اختیار بنفشہ کو گلے سے لگایا۔

"کیوں؟ کیا تم نے کسی سے محبت کی ہے؟"

بنفشہ نے پوچھا۔

"میں محبت کی بات تھوڑی کر رہی ہوں۔ اللہ نہ کرے جو مجھے کبھی کسی سے محبت ہو۔"

شجیعہ نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔

"تو پھر؟"

"میرا مطلب ہے آپ نے میری تیزی طراری سے بھی کوئی سبق نہیں لیا" شجیعہ نے

بنفشہ کو ایک دم ہنسی آ گئی۔

"ہنسنے کی کیا بات ہے اس میں؟" شجیعہ نے گھورا۔

"کچھ نہیں، ویسے ہی۔"

بنفشہ نے اپنے ہونٹ دانتوں تلے دبا لیے۔

"اچھا خیر، یہ سب تو آپ چھوڑیے، آپ بس مجھے ایک بات بتا دیجیے۔"

"کونسی بات؟"

"آپ کو سلمان بھائی برے تو نہیں لگتے۔"

"نہیں۔" بنفشہ نے سوچ کر کہا۔

"ہاں لگنے بھی نہیں چاہئیں، ان میں برائی ہی کیا بات ہے؟ خوبصورت آدمی، ہیں۔ بھی ہیں۔"

شجیعہ نے فوراً اپنی رائے بھی پیش کر دی۔

بنفشہ خاموش رہی۔

"آپ ایسا کیجیے، ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے پر کھیے اور میں ان سے کہہ دوں گی کہ اگر واقعی بدہ ہیں تو چچی جان اور چھوٹے چچا سے کہیے وہ اپنے آپ بات کر لیں گے دادی اماں سے۔"

شجیعہ نے کھسر پھسر کرتے ہوئے کہا۔

"بھئی سچی بات یہ ہے شجیعہ، مجھے چچی جان سے ڈر لگتا ہے اور دوسری بات یہ کہ مجھے لوگوں کا ماحول قطعی پسند نہیں۔"

"ہاں، آپ کی یہ باتیں تو میرے دل کو بھی لگتی ہیں۔ ڈرتی تو میں کسی سے نہیں، چچی جان کس کھیت کی مولی ہیں؟ لیکن وہ مجھے اچھی کبھی بھی نہیں لگیں اور نہ ہی ندہ ان کے اچھے لگنے کا امکان ہے اب رہ گئی ان کے ماحول والی بات تو سلمان بھائی تو خاصے ل گئے ہیں، آپ کے دامِ عشق میں گرفتار ہونے کے بعد کئی کئی دن تو وہ کلب نہیں جاتے۔"

بنفشہ نے سوچا۔ دوسری بات تو شجیعہ بالکل صحیح کہہ رہی ہے۔

" اور یہ سب کچھ تو آپ کے ہاتھ میں ہے کہ ان کی عادتوں کو کس حد تک
کے مطابق بدل سکتی ہیں۔"

شجیعہ نے کہا۔

بنفشہ اپنی سوچوں میں ڈوبی بیٹھی رہی۔

" مرد تو موم کی ناک ہوتے ہیں، عورت کا جدھر دل چاہے پکڑ کے موڑ لے اگر
ہے کہ آپ میں اس کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔"

شجیعہ نے کسی تجربہ کار عورت کے سے انداز میں کہا۔

بنفشہ پھر بھی کچھ نہیں بولی۔

" آپ کو تو آپ کے سدھاپے نے مار رکھا ہے، کہیں کا نہیں چھوڑا اس سد
نے آپ کو۔"

شجیعہ بیگم خاصی پریشان نظر آ رہی تھیں۔

بنفشہ اس کی بات سن کر مسکرا دی۔

" بولئے پھر کیا کہتی ہیں؟ بات طے ہے نا پھر؟"

" چھوڑو، دیکھا جائے گا۔" بنفشہ نے بور ہو کر کہا۔

" آپ کی یہ بات تو ٹھیک ہے، لیکن آپ سلمان بھائی پر یہ کیوں ظاہر کرنا
غیر معمولی بات ہوئی ہے، پہلے ہی کی طرح ہنسئے بولئے ان کے ساتھ۔" شجیعہ بیگم اپنا
دینے سے باز نہ آئیں۔

" اچھا، فی الحال تو نیند آ رہی ہے۔"

بنفشہ نے بات ٹالنے کو کہا اور تکیہ سرکا کر آڑی ترچھی لیٹ گئی۔

" نیند آ رہی ہے تو آرام سے لیٹئے۔" شجیعہ اٹھتے ہوئے بولی۔ اور بڑی کاہلی سے اپنے
بستر پر جا کر لیٹ گئی۔

اللہ ——— اگلی دفعہ جب سلمان بھائی نے شجیعہ بیگم سے صاف صاف بات کہنے
کا ارادہ کیا، تو اس سے پہلے ہی ایک دن وہ بھری ہوئی ان کے پاس پہنچ گئیں اور بغیر کسی تمہید
کے لٹھ مارتے ہوئے بولیں۔

" بھئی میں نے کہہ دیا ہے سلمان بھائی، میں کسی کے بیچ میں نہیں پڑوں گی، کل کوئی بات
ہوئی تو سب میرے ہی چار بال اتارنے کو دوڑیں گے۔"

" خیریت! خیریت!"

سلمان بھائی چونکے۔

" آپ لوگوں کا معاملہ ہے آپ لوگ خود ہی سنبھالئے۔" شجو بیگم نے کہا۔

" آخر ہوا کیا؟"

" آپ کو بنفشہ باجی پسند ہیں تو چچی جان سے کہئے، چھوٹے چچا سے کہئے۔"

" مگر اس کے دل کا حال تو معلوم ہو۔"

" جب اماں بیگم ان کی مرضی معلوم کریں گی تو اپنے آپ ہی دلِ گمردے کا حال معلوم
ہو جائے گا۔"

" مگر اس طرح تو......"

" نہ اس طرح نہ اُس طرح، اگر آپ اس چکر میں ہیں کہ وہ خود بیٹھ کر آپ سے عشق بگھاریں گی۔
تو بیٹھے رہئے آرام سے۔"

" کوئی بات ہوئی تمہاری اس سے؟"

"ہوئی کیوں نہیں، اور کوئی ایک دفعہ ہوئی"۔ شجو بیگم کاٹ کھانے کے لئے تیار بی
تھیں۔

"وہ کیا کہتی ہے؟"

"کہیں گی کیا؟ ان کی تو کچھ سمجھ میں ہی نہیں آتا"

"کیا سمجھ میں نہیں آتا؟"

"اب یہ آپ انہی سے پوچھیے گا۔ میں تو جب بھی پوچھتی ہوں وہ یہی جواب دیتی

سلیمان بھائی سوچ میں پڑ گئے۔

"اور ہاں، وہ آپ کی اماں سے بہت ڈرتی ہیں اور انہیں آپ کے گھر کا ماحول بھی پ
نہیں۔"

شجیعہ بیگم نے جلدی جلدی گھاس کاٹی۔

"بس یا اور کچھ؟" سلیمان بھائی مسکرائے۔

"اور کچھ کیا؟ میں اپنے پاس سے گھڑ کر بتاؤں؟"

"نہیں جناب، بہت بہت شکریہ اس ساری کارگزاری کا، باقی معاملہ میں خود دیکھ
لوں گا۔"

سلیمان بھائی اس کے غصے سے محظوظ ہو کر بولے۔

"لیکن ساری کارروائیوں سے وقتاً فوقتاً مجھے مطلع ضرور کرتے رہیے گا" شجو رانی
جاتے جاتے کہا۔

"بہت بہتر ——" سلیمان بھائی نے کہا۔

اور شجیعہ بیگم اپنے کمرے کی طرف چل دیں۔

اسی روز —— شام کو جب دادی اماں عصر کی نماز اور تسبیح پڑھ کر فرصت سے بیٹھی بنفشہ سے "حق و باطل" پڑھوا کر سن رہی تھیں، تو سلیمان بھائی آدھمکے۔ بنفشہ کو وہاں دیکھ کر ان کا کئی چھٹانک خون بڑھ گیا اور بنفشہ کی ان کو دیکھتے ہی سٹی گم ہو گئی۔ اچھی بھلی بیٹھی تھی ایک دم چہرے کا رنگ بدل گیا اور دل میں دھکڑ پکڑ بھی ہونے لگی اس نے کتاب کے بیچ میں انگلی رکھ کر کتاب بند کر دی اور خاموش ہو کر بیٹھ گئی۔ دادی اماں بھی تخت پر ایک طرف کھسک کر بیٹھ گئیں اور اپنے لاڈلے کے لئے ڈھیر ساری جگہ بنا دی۔ سلیمان بھائی انہیں سلام کر کے بڑے مہذب انداز سے قریب بیٹھ گئے۔

دادی اماں نے دعائیں دینے کے ساتھ ساتھ دست شفقت بھی پھیرا، جس سے سلیمان بھائی کسمسائے، کیونکہ ایسے میں انہیں ہمیشہ اپنے بالوں کا خیال آتا تھا جنہیں وہ کریم لگا کر بڑی ت اور پیار سے سجاتے تھے۔ دادی اماں کی خیریت پوچھنے کے دوران وہ کنکھیوں سے نہ کا جائزہ بھی لیتے رہے، بلکہ دو چار دفعہ تو بڑی دیدہ دلیری سے اسکے چہرے کی بدلتی ی کیفیت کا بغور جائزہ لیا۔

بنفشہ غریب حالانکہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔ لیکن سلیمان بھائی کی پرشوق نگاہوں کی تپش ے کیسے بچتی؟ پلکوں کی جھکی چلمن مسلسل کانپ رہی تھی۔ ہونٹوں کے گوشوں میں بھی بڑی ی جنبش تھی۔ دل ہی دل میں دعا کر رہی تھی کہ سلیمان بھائی جلدی سے وہاں سے چلے ئیں، مگر سلیمان بھائی اسے دیکھ کر وہاں سے جلدی کیسے جا سکتے تھے۔ اس کو اس قدر نروس تے دیکھا تو اور بھی جم کر بیٹھ گئے۔ اس سے بات بھی کرنا چاہتے تھے اور یہ بھی ان کی سمجھ ں نہیں آ رہا تھا کہ کیا بات کریں؟ کس طرح شروع کریں؟ ایکا ایکی ان کی چھوٹی چھوٹی یاہ چمکدار آنکھوں میں اور زیادہ چمک پیدا ہوئی۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی اور وہ

ذرا اور سنبھل کر بیٹھ گئے۔

"دادی اماں!"

انہوں نے بڑے دلار سے انہیں پکارا۔

"ہاں بیٹے؟"

دادی اماں نے ان سے بھی زیادہ دلار سے جواب دیا۔

"بنفشہ سے میری دوستی کروا دیجئے۔"

انہوں نے کسی معصوم بچے کے سے انداز میں کہا۔

"اے ہے، تو کیا تم دونوں کی لڑائی ہے آپس میں؟"

دادی اماں چونکیں۔

"جی۔"

سلمان بھائی کی مسکین صورت دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔

"کیوں؟ کس بات پہ جھگڑ بیٹھے تم دونوں؟"

دادی اماں کی تشویش اور زیادہ بڑھ گئی۔

"میں نے تو کچھ بھی نہیں کہا تھا دادی اماں، بس اس نے خود ہی مجھ سے بولنا چھوڑ دیا"

"سچ کہو بیٹے!"

دادی اماں نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"میں تو جھوٹ بولتا ہی نہیں۔"

سلمان بھائی نے بڑی صفائی سے جھوٹ بولا۔

"یہ تو بڑی خراب بات ہے تم لوگ اتنے بڑے ہو کر لڑ رہے ہو۔"

دادی اماں بے چاری بڑی فکر مند ہو گئیں۔

"ویسے مجھے حیرت ہی ہو رہی ہے اس بات پہ، یہ بچی تو لڑنے جھگڑنے والی بالکل نہیں ہے۔"

دادی اماں نے کہا۔

سلمان بھائی گھنے مداری بنے بیٹھے رہے۔

"اگر اس کی بجائے تم نے شجو کا نام لیا ہوتا، تو مجھے یقین بھی آ جاتا۔ یہ غریب تو اللہ کی گائے ہے۔"

"مگر شجیعہ تو اللہ میاں کی شیرنی ہے، وہی اسے اُلٹی پٹی پڑھاتی ہے۔"

سلمان بھائی نے بھُس میں فوراً چنگاری لگائی۔

بنفشہ ــــ جو یہ ساری باتیں سن کر بالکل سہمی ہوئی کبوتری بنی بیٹھی تھی، اللہ میاں شیرنی والی بات سن کر بڑی مشکل سے اپنی ہنسی روک سکی۔ ہونٹوں کو بڑی طرح بھینچ بیٹھ گئی، لیکن مسکراہٹ تو پھر بھی نہ چھپ سکی۔

"شجو تیز تو ضرور ہے، زبان اس کی بیشک پانچ ہاتھ کی ہے مگر یہ پٹی وٹی پڑھانے کا تو وہ غریب بھی نہ جانتی ہے۔"

دادی اماں نے بڑے انصاف سے کام لے کر کہا۔

"تو پھر اس سے پوچھئے، یہ کیوں لڑی میرے ساتھ؟"

سلمان بھائی نے فوراً موقعے سے فائدہ اٹھایا۔

دادی جان نے جلدی سے بنفشہ کی طرف دیکھا جو سوال و جواب کے ڈر سے مسکرانا بلکہ اب بھول کر پریشان نظروں سے دادی اماں کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"کیوں بنفشہ؟ کیا بات ہوئی؟"

دادی اماں نے بڑے پیار سے پوچھا۔

"میں تو نہیں میں نے تو کچھ بھی....."

بنفشہ ایک دم بوکھلا گئی۔

"کوئی بات ہوئی ہے تو بتا دو بیٹی۔"

"دادی اماں، مجھے تو لڑنا ہی نہیں آتا۔"

بنفشہ نے جلدی سے کہا۔

"ہاں ہاں، وہ تو میں بھی جانوں ہوں، لیکن کبھی کبھار ایسا ہو ہی جایا کرتا ہے"

دادی اماں نے اس کی ڈھارس بندھائی۔

"ہاں ہاں بتا دو نا، دادی اماں ڈانٹیں گی تھوڑی۔" سلیمان بھائی نے بیچ میں لقمہ

بنفشہ نے رو دینے والی نگاہوں سے سلیمان بھائی کی طرف دیکھا۔

"ڈانٹنے کا کیا سوال ہے، اگر کوئی بات ہوگی تب بھی نہیں ڈانٹوں گی"

دادی اماں نے کہا۔

بنفشہ بے بسی کے عالم میں کبھی سلیمان بھائی کی طرف دیکھتی تھی، کبھی دادی کی طرف۔

اور جب دادی اماں نے مزید اصرار کیا، تو اس نے یہ کہہ کر رونا شروع کر دیا۔

"دادی اماں، میں تو کسی سے بھی کچھ نہیں کہتی۔"

اس کو روتا دیکھ کر سلیمان بھائی سٹپٹائے، دادی اماں بھی اور زیادہ پریشان ہوگئیں

سلیمان بھائی کی اور کچھ سمجھ میں نہ آیا، تو مجبوراً سچ بولنا پڑا۔

"دادی اماں، میں تو مذاق کر رہا تھا۔ اس بے چاری نے واقعی کچھ نہیں کہا۔"

"تم لوگوں کی باتوں کا کچھ پتہ نہ چلے ہے۔"

دادی اماں بولیں۔

"مگر کمال ہے دادی اماں، اس قدر چھوٹا دل ہے اس کا؟ ذرا سا مذاق نہیں برداشت کر سکی۔"

سلیمان بھائی نے لیپا پوتی کرنے کی کوشش کی۔

"میں بھی یہی سوچ کر حیران تھی کہ اس بے چاری کے منہ میں تو زبان ہی نہیں ہے۔"

دادی اماں اپنی ہی حیرانی پر پریشانی کا ذکر کیے جا رہی تھیں۔

"دادی اماں، بات دراصل یہ تھی کہ یہ ہماری طرف آتی ہی نہیں، اس لئے میں سمجھا کہ شاید یہ مجھ سے ناراض ہے۔"

"اے تمہاری طرف جا کے کرے بھی کیا؟ صوفیہ کے تو پاؤں ہی نہیں ٹکے ہیں کسی وقت گھر میں۔ وہاں جا کے دیواروں سے تو بات کرنے سے رہی۔"

"میں تو ہوتا ہوں گھر میں مجھ سے بات نہیں کر سکتی؟"

"تم بھی کونسا ٹکو ہو گھر میں، اب کلب جانے کی لت نہیں بھی ہے۔"

"اب کہاں جاتا ہوں؟ اب تو سب کچھ چھوٹ گیا۔"

سلیمان بھائی نے بڑے عجیب سے لہجے میں کہا۔

دادی اماں بنفشہ کی طرف متوجہ ہوگئیں۔

"اتی ذرا ذرا سی بات پہ کیوں رونے لگو ہو تم؟" لڑکوں کی تو عادت ہووے ہے مذاق کرنے کی۔"

دادی اماں نے اپنے دوپٹے کے آنچل سے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

دادی اماں نے بڑی مشکل سے چمکار پچکار کر اسے چپ کرایا، تو سلیمان بھائی نے ایک نیا شوشہ چھوڑا۔

"اچھا دادی اماں، اگر یہ ناراض نہیں ہے تو اس سے کہئے کہ میرے ساتھ چل کر کیرم کھیلے۔"

"جاؤ بیٹی، چلی جاؤ۔"

دادی اماں جلدی سے بولیں۔

بنفشہ اپنی جگہ سے ہلی بھی نہیں۔

جب دادی اماں کا اصرار بڑھا تو اس نے بہانہ بنا دیا۔

"اب تو مغرب کی اذان ہونے والی ہے۔"

"ابھی کہاں، ابھی تو بیس منٹ باقی ہیں۔"

سلیمان بھائی جلدی سے بولے۔

"ہاں، ابھی تو وقت ہے۔"

دادی اماں نے بھی تائید کی۔

بنفشہ کو مجبوراً اٹھتے ہی بن پڑی۔ وہ مرے مرے قدموں سے سلیمان بھائی کے ساتھ چل دی۔

سلیمان بھائی کی طرف سوائے ملازموں کے کوئی بھی نہیں تھا۔ وہ بنفشہ کو لئے ہوئے لان میں آ گئے۔

"ہاں جناب، بیٹھئے۔"

وہ کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولے۔

بنفشہ نے بڑی سعادت مندی سے حکم کی تعمیل کی۔

"کچھ ناراض ہو مجھ سے؟"

سلیمان بھائی سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئے۔

"نہیں۔" بنفشہ کی آواز مدھم تھی۔

"پھر؟ خوش ہو؟"

سلیمان بھائی مسکرائے۔

اس بات کا بنفشہ کیا جواب دیتی؟ خاموش رہی۔

سلیمان بھائی اس کے چہرے پر نظر بس جمائے کچھ سوچتے رہے پھر اس کی طرف قدرے جھک کر بولے۔

"میں تمہیں بہت برا لگتا ہوں بنفشہ؟"

"نہیں تو۔"

"بہت اچھا لگتا ہوں؟"

سلیمان بھائی ذرا شوخ ہو کر بولے۔

"معلوم نہیں۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

سلیمان بھائی نے کہا۔

بنفشہ کی جھکی پلکیں بہت آہستہ سے کانپ کر رہ گئیں۔

"اب دیکھو نا مجھے اپنے بارے میں معلوم ہے کہ تم مجھے بہت اچھی لگتی ہو۔"

سلمان بھائی نے سنجیدگی سے کہا۔

"میں نے سنا ہے تم میری ممی سے بہت ڈرتی ہو۔"

سلمان بھائی مسکرائے۔

بنفشہ نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

"اور مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ تمہیں ہمارے گھر کا ماحول سخت ناپسند ہے"

سلمان بھائی کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

بنفشہ سمجھ گئی کہ یہ ساری کارستانی شجیعہ کی ہے۔

"اگر سب کچھ تمہاری مرضی کے مطابق ہو، تب تو تمہیں کوئی اعتراض نہ ہوگا؟"

سلمان بھائی صاف صاف بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

"جی!"

بنفشہ ایک بار پھر گھبرائی، مگر منہ سے بیٹھی رہی۔

"میری بات کا جواب تو دو۔ ہاں یا نہیں۔"

"میں کیا جواب دوں؟"

بنفشہ کی آواز بڑی مشکل سے نکلی۔

"ٹھیک ہے، تمہارے پاس کوئی جواب ہو یا نہ ہو۔ میں تو آج امی سے کہہ دادی اماں سے بات کر لیں۔"

سلمان بھائی نے ایک دم دھمکی دی۔

بنفشہ نے ان کی طرف دیکھا، وہ بہت سنجیدہ تھے۔

"پھر مجھے کوئی الزام مت دینا، سیدھی طرح کوئی بات ہی تمہاری سمجھ میں نہیں آ"

سلمان بھائی نے رعب جھاڑا۔

بنفشہ نے پھر بھی کچھ نہیں کہا تو سلمان بھائی بری طرح چڑ گئے۔

"ہر وقت گونگے کا گڑ کھائے بیٹھی رہتی ہو۔ یہ کوئی بہت اچھی بات نہیں ہے۔"

اتنی ڈانٹ ڈپٹ سن کر بنفشہ نے نئے سرے سے رونے کی تیاری کی تو سلمان بھائی بجائے نرم پڑنے کے غصے میں آ گئے۔

"بس یہ آسان ہے، سامنے والے کو پاگل بنا کر بٹھا دو، اور خود رونا شروع کر دو۔"

بنفشہ نے جلدی سے آنسو پونچھ لئے اور ہچکیاں چھپاتے ہوئے بولی۔

"میں نے کس کو پاگل بنایا؟ میں تو بلا ضرورت کسی سے بات بھی نہیں کرتی ہوں۔"

"مجھے پاگل بنایا، اور کس کو بناؤ گی؟"

بنفشہ کا گلا رندھ گیا، کچھ بولنا چاہا تو آواز ہی نہ نکلی۔

"میرا سارا سکون ختم کر کے رکھ دیا ہے تم نے۔"

سلمان بھائی نے گھور کر اس کی طرف دیکھا۔

"میں آپ سے کیا کہتی ہوں؟"

بنفشہ نے بڑی مشکل سے آواز نکالی۔ اس کا تو اس وقت چیخ چیخ کر رونے کو دل چاہ رہا تھا، مگر یہاں تو عالم یہ تھا کہ "مارو اور رونے بھی نہ دو" غریب کیا کرتی؟ اندر ہی اندر گھٹ رہی تھی۔

"اے بابا، رونا تو اسی بات کا ہے کہ تم کچھ کہتی ہی نہیں ہو۔"

سلمان بھائی کچھ عاجز آ کر بولے۔

"آپ بتا دیجئے کیا کہا کروں؟"

"میں کیا بتا دوں، مجھے کیا معلوم تمہاری کیا مرضی ہے؟"

سلیمان بھائی کا رعب و دبدبہ کچھ زیادہ ہی شدت اختیار کرتا جا رہا تھا۔

"میری تو کوئی مرضی ہی نہیں ہے۔"

"ہاں نہیں کیا؟ تمہاری بلا سے کوئی جہنم میں جائے۔"

سلیمان بھائی نے کھا جانے والی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"نہیں تو، میرا یہ مطلب تھوڑی ہے۔"

بنفشہ نے بڑے بھولپن سے کہا۔

"پھر کیا مطلب ہے؟"

"میں تو ۔۔۔ میں تو ہمیشہ دوسروں کی ہی مرضی پر چلتی ہوں۔"

بنفشہ کے لہجے میں کسی قسم کی کوئی بناوٹ نہیں تھی اسلئے افسردہ چہرے اور پُرنم آنکھوں سمیت یہ بات کہی تھی۔

سلیمان بھائی کا سارا غصہ، سارا رعب ایک دم کافور ہو گیا۔ ان کا دل چاہا اور بے اختیار چاہا، وہ آگے بڑھ کر اس معصوم اور سیدھی سادی لڑکی کو گلے سے لگا لیں۔ مگر یہ یورپ نہیں تھا اور نہ بنفشہ کوئی شوخ و چنچل نیلی تھی۔ وہ اس کی طرف والہانہ انداز سے دیکھ کر رہ گئے۔

بنفشہ کی جھکی پلکیں اٹھیں اور جب اس نے سلیمان بھائی کو اس انداز سے دیکھتے پایا تو وہ ساری جان سے کانپ گئی۔ اس کے لئے سلیمان بھائی سے مزید نظر ملانا مشکل ہو گیا۔ دل چاہا فوراً اس جگہ سے اٹھ کر بھاگ جائے مگر وہ اتنی بہادر تو کبھی بھی نہیں رہی تھی۔ چپ چاپ گزر رہے تھے نہ سلیمان بھائی کی والہانہ نگاہوں کا تسلسل ٹوٹ رہا تھا اور نہ

جھکی پلکوں کی لرزش کم ہو رہی تھی۔

"میں نے تمہیں بہت ڈانٹا ہے بنفشہ! لیکن میں معافی نہیں مانگوں گا۔"

کچھ دیر بعد سلیمان بھائی نے بڑی آہستگی سے کہا۔

اور بنفشہ کی یہ سوچ کہ جان میں جان آئی کہ سلیمان بھائی کی نگاہوں کا انداز تو یقیناً بدل گیا ہو گا۔ اس نے بڑی ہمت کر کے ان کی طرف دیکھا۔ سلیمان بھائی اس کے چہرے پر نظریں جمائے بڑی سنجیدگی سے کچھ سوچ رہے تھے۔

اسی وقت مغرب کی اذان ہوئی۔

بنفشہ سر پہ آنچل ڈالتے ہوئے کھڑی ہو گئی۔

"اب میں جاؤں؟"

اس نے آہستہ سے پوچھا۔

"جاؤ، لیکن ۔۔۔۔۔۔"

سلیمان بھائی نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

بنفشہ نے سوالیہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔

"کچھ نہیں، اب جو کچھ مجھے کہنا سننا ہو گا تم سے نہیں، بلکہ امی اور دادی اماں سے کہوں گا۔"

بنفشہ ان کی یہ بات سن کر نہ شرمائی نہ لجائی، چپ چاپ آہستہ قدموں سے بیرونی گیٹ کی طرف بڑھ گئی۔

سلیمان بھائی اپنی ممی سے بنفشہ کے بارے میں بات کرنے کے لئے ابھی سوچ ہی ر
تھے کہ ان کی ممی کوئٹہ چلی گئیں۔ ان کے چھوٹے بھائی کا گردے کا آپریشن ہوا تھا، طبیعت
کچھ زیادہ ہی خراب تھی۔ سلیمان بھائی کا معاملہ کھٹائی میں پڑ گیا۔

دوسری طرف گھر میں ایک نئی گڑبڑ شروع ہو گئی۔ اچھے بھلے دن گزر رہے تھے
کہ ایک دن بڑے زور کا بم پھٹا اور بم اس وقت پھٹا جب بڑی پھوپھی جان اپنے ز
ارجمند شہزادے میاں کا رشتہ آپا جان کے لئے لے کر آئیں۔

شہزادے میاں کا اصلی نام توزبیر احمد تھا، لیکن چار بہنوں کے اکلوتے بھائی تھے
پہلوٹھی کی اولاد تھے اور بقول پھوپھی اماں اور اماں بیگم کے بچپن میں بہت حسین تھے
شہزادوں کا سا جمال تھا اور شہنشاہوں کا سا جلال تھا۔ جمال و مال تو اللہ جانے کدھر اڑ

یا تھا، بس جلال ہی جلال رہ گیا تھا اور اس لحاظ سے شجو رانی کا یہ کہنا ٹھیک تھا کہ اب
کا نام شہزادے میاں کے بجائے شہنشاہ میاں ہونا چاہیئے تھا ویسے انہیں تو اس بات
بھی شبہ ہی تھا کہ وہ کبھی شہزادوں جیسے جمال کے مالک رہے ہوں گے۔ صاف گڑبڑ
انے والی بات لگتی تھی۔ وہ شہزادے میاں کے قصیدے سن سن کر دل ہی دل میں سوچا
تی تھیں کہ اسے بھی چلو، رنگ بیماریوں کے سبب اڑ کر سنولا گیا تو کیا قد بھی گھس گیا؟
ناک نقشے کو کیا ہو گیا؟ اللہ کے فضل سے ان کو کبھی چیچک بھی نہ ہوئی تھی جو صورت
سے بگڑ جاتی۔

اور پھر شجو رانی کی سمجھ میں "شہزادوں جیسے جمال" والی بات بھی کبھی نہیں آئی تھی
شہزادوں کی شکل و صورت کے لئے اللہ میاں نے کوئی الگ سانچہ بنا کے رکھ چھوڑا ہے
خوبصورت اور بڑا حسین سا، کہ بھئی، سارے شہزادوں کی صورت اسی سانچے میں ڈھالی
ئے گی۔ یہ بات کس کتاب میں؟ اور کس صفحے پر لکھی ہوئی ہے کہ سارے شہزادے حسین و
ہوتے ہیں؟ بھئی جیسے دنیا کے دوسرے جوان مرد ہوتے ہیں کوئی اچھا اور کوئی برا۔
موٹا کوئی دبلا، کوئی ناٹا کوئی لمبا، کوئی گورا اور کوئی کالا، ویسے ہی شہزادے بھی ہوتے ہیں
ہاں، یہ رعب دبدبے اور جلال والی بات تو ضرور سمجھ میں آتی ہے کیونکہ ان کی پرورش
ایسے ماحول میں ہوتی ہے، تربیت ہی کچھ اس انداز سے ہوتی ہے اور پھر زر و جواہر
لالی تو انسان میں رعب دبدبہ پیدا کر ہی دیا کرتی ہے۔

شہزادے میاں کا اصل قصہ یہ تھا کہ ان کے پاس بی۔ اے کی ڈگری تھی۔ ایم۔ اے
لئے نہیں کیا تھا کہ نوکری کرنی نہیں تھی وہ تو خیر کیا چیز تھے؟ کس کھیت کی مولی ہے؟
ن لیٹ کا شوربہ تھے؟ نوکری تو ان کے باپ یعنی پھوپھا ابا نے بھی نہیں کی تھی؟

بلکہ خود ان کے باپ نے بھی نہیں کی تھی۔ پچھلی صدی میں ان کا خاندان چمڑے وا
کا خاندان کہلاتا تھا اور وہ یوں کہ چمڑے کا روبار ہوتا تھا ان کے یہاں۔ سرکار کی غلا
ان کے یہاں کبھی کسی نے نہیں کی تھی۔ اس پہ دور سے ہی لعنت بھیجی جاتی تھی۔ دادا
چمڑے کے کاروبار میں خوب نام پیدا کیا۔ بیٹے صاحب بھی کافی عرصے تک چمڑے کا
سونگھتے رہے۔ دل بھر گیا ـــ دل کا تو خیر کیا ذکر؟ جب اس کاروبار میں زیادہ منافع
امید نہ رہی، تو گھڑیوں کا کاروبار شروع کر دیا اور پوتے میاں یعنی شہزادے میاں نے
کاروبار پہ ناک منہ بنایا، تو آہستہ آہستہ تاجر اجناس خوردنی بن گئے اور کیونکہ دنیا میں رہ
داؤ پیچ سے بہت اچھی طرح واقف تھے اس لئے کاروبار دن بدن نہ صرف ترقی
رہا تھا، بلکہ چم چم چمک رہا تھا اور یقیناً اسی چم چم نے اماں بیگم کی آنکھوں کو چکا
کر دیا تھا۔

شہزادے میاں کا قد درمیانے سے ذرا چھوٹا ہی تھا، نہ دبلے تھے نہ مو
آنکھیں چھوٹی، ناک قدرے موٹی، دھانہ بھی ٹھیک ہی تھا اور بال ان کے اس
زبردست گھونگھریالے تھے کہ بکرا انہوں کے بالوں کا سا حلیہ ہو گیا تھا، مگر شہزاد
اپنے بالوں کو بڑا خوبصورت سمجھتے تھے مجموعی طور پر اگر شہزادے میاں کا جائزہ ل
تو وہ قطعی برے نہیں نظر آتے تھے۔ انسان کے قبول صورت بچے نظر آتے تھے۔ الا
اصل میں ان کی فضول قسم کی اداؤں نے مارا تھا۔ پھر ان کے متعلق کہی ہوئی یہ بار
بھی زیادہ کھلتی تھی کہ وہ پہلے حسین و جمیل رہے تھے۔ بس اسی حسن و جمال کے
قصے نے ان کی معقول صورت کے لئے بھی دلوں میں رتی بھر جگہ نہ چھوڑی تھی۔
دادی اماں کا کہنا تھا کہ پھوپھی اماں جب بیاہ کر اپنے میکے سے گئی ہیں تو ا

ن کی مالک تھیں، کوئی فضول قسم کی بات تو ان میں نظر ہی نہ آتی تھی، لیکن سسرال
کے تھوڑے سے عرصے بعد انہوں نے تو ایسا چولا بدلا کہ کسی کی پہچان ہی میں نہ آتی تھیں
ان کی بات تو یہ تھی کہ اس میں قصور ان بیچاریوں کا نہیں تھا بلکہ ان کے سسرال
ل کا تھا، پھوپھی اماں تو اس گھر کی بہو بن کر گئی تھیں، ساس بن کر تو گئی نہیں تعجب جیسا
ن اللہ ماحول دیکھا اسی کے مطابق اپنے آپ کو ڈھال لیا۔ ایسا نہ کرتیں تو سوائے
سرال والوں کے طعنوں کے ان کے حصے میں اور کچھ بھی نہ آتا ان کے سسرال والے
ب کے سب بڑی عجیب و غریب عادتوں کے مالک تھے۔ غصہ سب کی ناک پہ دھرا
ہا تھا۔ ہٹ دھرمی میں ہر شخص دوسرے سے بڑھا ہوا تھا، تعلیم کا کوئی زیادہ چرچا
یں تھا، شہزادے میاں کی چار بہنوں میں سے کسی نے میٹرک پاس کر کے چھوڑ دیا تھا
ی نے مڈل، کسی نے ساتویں جماعت پاس کر لی تھی اور کوئی نویں پاس۔

پیسے کی فراوانی کے سبب فضول قسم کی جاہلانہ رسموں پہ خوب اللے تللے ہوتے تھے
ی کسی کی مسلمانی پہ روپیہ پانی کی طرح بہایا جا رہا ہے کبھی عقیقے پہ منگنی کی تقریب پہ
ادی کی تقریب کا سا سماں ہے تو مونچھ کا کونڈا بھرنے کی تقریب پہ منگنی کی تقریب کی
سی کیفیت ہے۔ گھر میں اللہ کا فضل ہے، ہر چیز موجود تھی، مگر گھر ہمیشہ کسی کباڑیے
ی دکان کا سا نقشہ پیش کرتا تھا۔ نہ کسی قسم کی کوئی ترتیب تھی نہ صفائی، ہاں! یہ بڑی
رت کی بات تھی کہ وہ لوگ اپنی صفائی کا بڑا خیال رکھتے تھے ـــــ گھر کی عورتیں
لا نہ نہا دھو کر قیمتی اور ریشمی جوڑے زیب تن کرتی تھیں، اور کپڑے دھونے والی
رات روزانہ ان قیمتی کپڑوں کو صابن میں لتھیڑ کر بڑی بیدردی سے موٹے سے
ڈنڈے سے کوٹتی تھی۔

شنجورانی کی سمجھ میں صفائی کی یہ قسم کبھی نہیں آئی تھی گھر گندا ہے، باورچی خا ہے، مگر خود قیمتی جوڑوں میں ملبوس عطر، تیل اور پھلیل میں اپنے آپ کو بسائے بیٹھی ہیں۔

ایک اور بڑی عجیب رسم ان کے یہاں اور بھی تھی اور وہ گھر دامادی کی رسم پوری کوشش یہی کی جاتی تھی کہ لڑکا گھر داماد بن کے رہے مگر ہر ایک پہ تو زو چل سکتا تھا نا، اس کوشش میں کبھی کامیابی ہوتی تھی اور کبھی نہیں بھی ہوتی تھی۔

نتیجہ بیگم کے گھر میں بم پھٹنے کی اصل وجہ یہ نہیں تھی کہ پھوپھی اماں شہزاد میاں کا رشتہ آپا جان کے لیے کر آئی تھیں، بلکہ یہاں گھپلے بازی کچھ دوسری تھی۔ اور وہ گھپلے بازی یہ تھی کہ آپا جان کے من مندر میں کوئی اور ہی سمایا ہوا تھا جانے کب سے؟ اب کسی کو کیا معلوم؟ اور کسی کو یہ بات چاہے معلوم تھی یا نہیں تھی چھٹ باجی کو سو فی صد معلوم تھی۔ آپا جان کی ہمراز جو تھیں وہ، لیکن وہ بھی ایسی بنی ہوئی تھیں کہ کسی کو بھاپ تک نہ لگنے دی۔

ہر گوری کے من مندر میں کوئی نہ کوئی بانکا سجیلا، چھیل چھبیلا بس ہی جاتا ہے پر تو کوئی خاص بات نہ تھی اور اس پہ شاید اماں بیگم بہت زیادہ چراغ پا بھی نہ اگر خاندان کا کوئی لڑکا ہوتا یہاں تو قیامتِ صغریٰ اس لئے ٹوٹ پڑی تھی کہ آ کے من مندر میں چپکے سے سمانے والے ان کے ڈیپارٹمنٹ کے ڈاکٹر وصی تھے، لفظوں میں یہ کہنا زیادہ مناسب تھا کہ ڈاکٹر وصی کے من مندر میں آپا جان سمانے والی تھیں تو بعد میں شنجورانی نے چھٹ باجی کے حلق میں انگلی ڈال کر اگلوائی تھی کہ آپا جان کو تو یہ بات معلوم بھی نہیں تھی اور نہ ہی پہل ان کی طرف سے ہوئی تھی کیونکہ جس

تھیں ایسی صورت میں پہل ان کی طرف سے ہو ہی نہیں سکتی تھی وہ تو ڈاکٹر وصی کے ب میں سے گز بھر کی داڑھی نکلی۔

ہاں تو، ہوا یوں کہ جب پھوپھی اماں شہزادے میاں کا رشتہ دے کر آئیں اماں بیگم دادی اماں کے کان میں کھسر پھسر کر کے چلی گئیں، شام کو سارے مردوں اور ساری رتوں کی میٹنگ میں اس کھسر پھسر کی روئداد بیان کی گئی۔ دادی اماں چیئرمین تھیں اور اماں م جنرل سیکرٹری اور باقی لوگ کمیٹی کے ممبر! سب کے مشوروں کے بعد متفقہ طور پہ یہ فیصلہ پایا کہ چھٹ باجی کے ذریعے سے یہ بات آپا جان کے کانوں تک پہنچائی جائے گی۔ در آپا جان اس کے جواب میں جو کچھ بھی کہیں گی، چاہے وہ "ہاں" ہو یا "نہ"، چھٹ باجی سے اماں بیگم کے گوش گزار کریں گی۔

چھٹ باجی سے جب یہ بات کہی گئی تو ان کے چہرے نے ایک منٹ میں کئی نگ بدل ڈالے، لیکن اس وقت کسی کے فرشتے بھی نہ سمجھ سکے کہ آخر یہ چھٹ باجی رگٹ کیوں بن گئی ہیں؟ بھانڈا تو بعد میں پھوٹا —— آپا جان اور چھٹ باجی میں دیر نک جانے کیا کھسر پھسر ہوئی؟ یہ تو ساری رسمی باتیں تھیں۔ ورنہ چھٹ باجی کو تو آپا جان ے دل کا حال معلوم ہی تھا۔ وہ ان سے کچھ کہے اور کچھ سنے بغیر بھی اماں بیگم سے "نہ" کہہ سکتی تھیں۔

خیر! تو جب چھٹ باجی نے اماں بیگم کے سامنے مکھی کی طرح بھنبھناتے ہوئے کہا کہ آپا جان راضی نہیں ہیں، تو پہلے تو اماں بیگم کی سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ وہ کہہ کیا رہی ہیں۔

"اے زور سے کہو لڑکی، میرے تو کچھ پلّے ہی نہ پڑا۔"

اماں بیگم نے کہا۔

پھر چھٹ باجی نے بڑی ہمت کر کے قدرے زور سے کہا۔

"آپا جان راضی نہیں ہیں"

پھر تو اماں بیگم سنبھل کر بیٹھ گئیں۔ کچھ دیر تک بڑے غور سے چھٹ باجی کا م

کہ وہ اپنے ہوش و حواس میں ہی یہ بات کہہ رہی ہیں یا..... !

مگر چھٹ باجی کے حواسوں کو بھلا کیا ہونا تھا؟ دیکھنے میں بالکل نارمل نظر

تھیں۔ ہاں، حواس گم ہونے کی باری تو اماں بیگم کی تھیں۔

"کیوں راضی نہیں ہے؟ کوئی وجہ بھی تو ہونی چاہیئے"

اماں بیگم کی پیشانی پہ ہلکی سی تیوریاں نظر آئیں۔

"وہ کہتی ہیں ابھی تو میں پڑھ رہی ہوں"

چھٹ باجی نے طے شدہ پروگرام کے مطابق مکالمہ بولا۔

"اب کس دن کی پڑھائی باقی ہے؟ صرف امتحان ہی دینا تو باقی ہے"

اماں بیگم بولیں۔

"ایم۔ اے کے بعد ریسرچ کرنے کا ارادہ ہے ان کا"

چھٹ باجی نے کہا۔

"ہاں، اور اسی ریسرچ میں بوڑھی کھپاڑہ ہونے کا ارادہ بھی تو ہے ا

اماں بیگم کے بلڈ پریشر نے ایک ہلکا سا ڈنگ دکھایا۔

اب بھلا بے چاری چھٹ باجی کیا کہتیں؟ سوچ میں پڑ گئیں، کہ آگے ڈائیلاگ بولیں یا نہ بولیں۔

"اس سے کہہ دینا بس بہت ہو چکی پڑھائی لکھائی"

اماں بیگم نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔

"اماں بیگم، دراصل بات یہ ہے کہ ان کو یہ رشتہ پسند نہیں ہے"

چھٹ باجی نے ہمت کر کے سچی بات کہہ ہی دی۔

"ہاں تو یوں کہو نا!"

اماں بیگم ایک دم چہک کر بولیں۔

چھٹ باجی نے سر جھکا لیا۔

"کیوں؟ کیا برائی ہے اس رشتے میں؟"

اماں بیگم نے پوچھا۔

"آپ کو پتہ تو ہے اماں بیگم، کہ ان لوگوں کے گھر کا ماحول آپا جان کے لئے مناسب نہیں ہے"

چھٹ باجی باقاعدہ بحث کرنے پہ تل گئیں۔

"یہ بات تو لڑکی کے اوپر ہوتی ہے گھر کا ماحول جیسا چاہے بنا لے" اماں بیگم نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

"پھوپھی اماں بے چاری کو دیکھ لیجئے"

چھٹ باجی کے لہجے میں تاسف تھا۔

"تمہاری پھوپھی اماں کو تو معلوم نہیں کیا ہو گیا تھا؟ ورنہ یہ کوئی ان کے بس سے باہر کی بات نہیں تھی"

اماں بیگم نے ابھی بات ختم ہی کی تھی کہ شیجو رانی ——— جو بڑی دیر سے باہر کھڑی کن سوئیاں لے رہی تھیں اندر آگئیں۔ اور بڑی شریف بی بی بنی اماں بیگم کے برابر میں بیٹھ گئیں۔

"تم اس سے کہو ذرا اپنے فیصلے پہ نظرِ ثانی کرے۔"

اماں بیگم کے لہجے میں خاصی ملائمت آگئی تھی۔

"رشتوں کا ایسا کال تھوڑی پڑا ہے اماں بیگم، یہاں نہ سہی کہیں اور ہو جائے گا"

چھٹ باجی نے ڈرتے ڈرتے یہ بات کہی۔

"کال ہی تو پڑا ہے رشتوں کا، آخر کہاں سے آئیں گے رشتے؟ آسمان سے ٹپکیں گے"

اماں بیگم قدرے تیزی سے بولیں۔

چھٹ باجی کی یہ کہنے کی ہمت نہ پڑی کہ آپا جان کا رشتہ تو یہیں زمین پر موجود، بس کچھ دنوں میں آنے ہی والا ہے۔

"خاندان کا لڑکا ہے، دیکھا بھالا ہے، باہر سے کوئی رشتہ آئے تو اللہ جانے لڑکا کیا ہو؟ پھر ذات برادری بھی دیکھنی پڑتی ہے"

اماں بیگم تقریر کرنے کے موڈ میں تھیں۔

"لو اب اماں بیگم کو ہڈی، چمڑی اور بوٹی کی پڑی ہے ــــ" شجو رانی نے دل میں سوچا اور کھنکھار کر بولیں۔

"آج کل ذات برادری کون دیکھتا ہے؟"

"دیکھنے والے دیکھتے ہی ہیں"

اماں بیگم نے کہا۔

"لیکن یہاں تو ساری بات پسند ناپسند کی ہے"

شجو رانی بڑی سنجیدگی سے بولیں۔

اماں بیگم نے ان کی بات کا کوئی جواب ہی نہیں دیا۔

"جب ان کو پسند نہیں ہے یہ رشتہ تو ختم کیجئے اس قصے کو"

شجو بیگم پھر بوڑھی دادی کے انداز میں بولیں۔

"اے ہے، اے تم سے کہاں سے آگئیں، ہماری نانی بن کے؟"

اماں بیگم نے آنکھیں نکالیں۔

چھٹ باجی کی ایک دم ہنسی چھوٹ گئی، شجو چکنا گھڑا بنی بیٹھی رہی۔

"لو اور سنو، جتنی چھوٹی اتنی ہی کھوٹی"

اماں بیگم نے شجو رانی کی طرف دیکھا۔

چھٹ باجی کی ہنسی کسی طرح رکنے میں ہی نہ آ رہی تھی۔

"گھر میں سب سے چھوٹی ہونے کا یہ مطلب تھوڑی ہے کہ میں بالکل بچی اور ممو ہوں"

شجو رانی نے بحث کی۔

"نہیں، تم تو بوڑھی دادی ہو"

اماں بیگم نے پھر گھُرکا۔

شجو رانی نے سر نہوڑا لیا۔ اس وجہ سے نہیں کہ وہ اماں بیگم کے رعب میں آگئی تھیں بلکہ اپنی مسکراہٹ کو چھپانے کا اور کوئی طریقہ ان کی سمجھ میں آیا ہی نہیں۔

اماں بیگم پھر چھٹ باجی کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

"تم اس سے دوبارہ بات کرنا"

اماں بیگم نے چھٹ باجی سے کہا۔

"بیکار ہے اماں بیگم، نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات نکلے گا"

شنجورانی نے پھر ڈھٹائی کا مظاہرہ کیا۔

"تم پھر بولیں، چلو یہاں سے جاؤ، اپنا کام کرو۔"

اماں بیگم نے ڈپٹ کر کہا۔

مگر وہ شنجورانی ہی کیا جو آسانی سے کسی کی بات مان لیں۔ جمی بیٹھی رہیں۔

"اب مشکل تو یہ ہے کہ خاندان میں اول تو لڑکے ہی کون سے ہیں، اور جو ہیں ا[illegible] کے دماغوں میں اللہ جانے کیا سودا سمایا ہوا ہے؟"

اماں بیگم بڑبڑائیں۔

چھٹ باجی اور شنجورانی نے ایک دوسرے کی طرف استفہامیہ نگاہوں سے دیکھا۔

"شعیب میں کیا کمی ہے، ہزاروں میں ایک ہے، تمہاری بڑی اماں کی تو ہ[illegible] خواہش ہے کہ گھر کی لڑکیوں میں سے کسی ایک کے ساتھ اس کی شادی ہو جائے، مگر ا[illegible] کے نام ہی سے بدکتا ہے۔"

اماں بیگم کا چہرہ لمحہ بہ لمحہ پریشان ہی ہوتا جا رہا تھا۔

"اماں بیگم، اگر آپ ناراض نہ ہوں تو ایک بات کہوں؟"

چھٹ باجی نے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکالتے ہوئے کہا۔

"کیا ہے؟ کہو؟"

اماں بیگم نے بیزاری سے کہا۔

چھٹ باجی نے سوچا، لو بھئی، یہاں تو ابھی سے اس قدر بیزاری کا عالم ہے پوری بات بتاؤں گی تو اللہ جانے کیا ہوگا، مگر اب کیا کیا جائے مجبوری ہے، جب ا[illegible] کی ہمراز اور دمساز بنی ہوں تو سب کچھ بھگتنا ہی پڑے گا۔ دبی زبان سے بولیں۔

"آپ آپا جان کی فکر نہ کیجیے، سب ٹھیک ہی ہو جائے گا۔"

"فکر کیسے نہ کروں؟ تم نے بڑی آسانی سے یہ بات کہہ دی، جب کل کلاں تم جوان بیٹی والی ہوگی تو تمہیں اندازہ ہوگا ہماری پریشانی کا۔"

اماں بیگم جھنجھلا کر بولیں۔

"کچھ دن انتظار کیجیے، ان کا رشتہ آ جائے گا۔"

چھٹ باجی نے اللہ کا نام لے کر یہ بات کہہ ہی دی۔

"ایں؟ کیا مطلب ہے تمہارا؟ صاف صاف بتاؤ۔"

اماں بیگم چونکیں۔

ان کے لہجے میں سختی نہیں تھی، اس لئے چھٹ باجی کی ہمت اور بڑھی۔

"اماں بیگم، بات یہ ہے کہ ـــــ وہ ـــــ یونیورسٹی میں ایک ڈاکٹر صاحب ہیں۔ وہ آپا جان سے شادی ......"

چھٹ باجی نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

اور اماں بیگم کا حال یہ تھا کہ آنکھیں پھٹی، منہ کھلا، ہاتھ معلق ہو کر رہ گئے تھے عجیب ہونق بن کر رہ گئی تھیں۔ یہ لیجیے، آپا جان تو چھپی رستم نکلی۔ شنجورانی دل ہی دل میں سوچ رہی تھیں۔

"ان کا نام ڈاکٹر وصی ہے، آپا جان کو پڑھاتے ہیں۔"

چھٹ باجی نے اماں بیگم کو خاموش دیکھ کر بات اور آگے بڑھائی۔

"اچھا بس، آگے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، جا کر اپنا کام کرو۔"

اماں بیگم نے اپنا نادر شاہی حکم سنایا تو چھٹ باجی نے وہاں سے کھسک جانے ہی میں عافیت سمجھی، لیکن شنجورانی پھر بھی بڑی مستقل مزاجی سے جمی رہیں۔

"تم بھی جاؤ۔"

اماں بیگم نے کہا تو شجو بیگم کو مجبوراً اٹھنا پڑا۔ انہوں نے چھٹ باجی کا پیچھا پکڑا۔
اتنی بڑی بات کو کیا مزے سے ہضم کئے بیٹھی ہیں ــــ انہوں نے دل ہی دل میں کہا
پھر گھنٹہ بھر تک چھٹ باجی کا انٹرویو لینے کے بعد شجو کی نالج میں کافی اضافہ ہوا
انہیں یہ معلوم کر کے بہت خوشی ہوئی کہ ڈاکٹر وصی امریکہ پلٹ، خوش شکل، دراز قد او
سانولی سلونی رنگت کے آدمی ہیں عمر یہی کوئی تیس بتیس سال ہے، بہت سنجیدہ اور ر
دیئے رہنے والے ہیں۔ وہ تو آپا جان کی من موہنی صورت نے ان کے دل کی دنیا میں ہلچل
ورنہ لڑکیوں کے معاملے میں بڑے سخت مزاج آدمی ہیں، لڑکیاں ان کا نام سن کر ہی ڈ
ہیں، مگر بقول چھٹ باجی کے مشکل یہ آن پڑی ہے کہ وہ پنجابی ہیں اور سید نہیں ہیں اماں
ہڈی، بوٹی اور چمڑی سب کچھ دیکھتی ہیں وہ تو سنتے ہی ایک لمبی سی "ناں"، کر دیں گی۔
چھٹ باجی نے یہ بھی بتایا کہ وہ تو اب تک رشتہ بھجوا بھی چکے ہوتے، اپنی
کی شادی کے انتظار میں تاخیر ہو گئی۔ اس کا منگیتر اسی مہینے باہر سے واپس آ رہا ہے اگل
کی سترہ تاریخ کو شادی ہے۔"

یہ ساری کتھا سن کر شجو رانی کی تو باچھیں کھل گئیں مگر ساتھ ہی انہوں نے اس مسئ
پر بڑی سنجیدگی سے غور کرنا شروع کر دیا۔ یہ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہی تھیں کہ یا
یہ بیل کیسے منڈھے چڑھے گی۔

بعد میں اماں بیگم کو ڈاکٹر وصی کے بارے میں ساری تفصیلات معلوم ہوئیں تو گھ
ایٹم بم گر پڑا۔ انہوں نے رشتہ آنے سے پہلے ہی صاف انکار کر دیا۔
" لو۔ اور سنو، غضب خدا کا، اپنوں کو چھوڑ کر غیروں میں لڑکی کو بیاہتے پھریں گے۔

ں کون لوگ ہیں ؟ کیسے ہیں ؟ خاندان کیسا ہے ؟ ڈاکٹر بن جانے سے کیا ہوتا ہے ؟
ا کل تو بھنگی، چمار، دھنئے، جولاہے سبھی پڑھ رہے ہیں، اپنا شہزادہ میاں کیا برا ہے ؟
الڑکا ہے، کسی بری عادت میں نہیں، کوئی فضول شوق اسے نہیں، ماں باپ کا اکلوتا
اہے، روپیہ اس کے ہاتھ کا میل ہے۔"

اماں بیگم نے اچھی خاصی تقریر کر ڈالی۔ اور بھی بہت کچھ کہا، جو کسی کو یاد رہا کسی کو نہ رہا۔
دوسری طرف آپا جان بے چاری کی حالت یہ تھی کہ کہاں تو رخساروں پہ گلاب کھلتے تھے۔
ہونٹوں پہ کلیاں چٹکتی تھیں اور آنکھوں میں ستارے چمکتے تھے، چہرہ ہر وقت مسکراتا ہی رہتا
تا اور کہاں ایک دم پیلی ہلدی بن کر رہ گئیں۔ کدھر کے گلاب ؟ کہاں کی کلیاں اور کیسے
تارے ؟ کھانا پینا سب چھٹ گیا، امتحان سر پہ کھڑے تھے اور وہاں یہ ہنگامہ ہو گیا
تا بے بسی اور بے چارگی کی تصویر بن کر رہ گئی تھیں۔ اس پہ سے اماں بیگم کی بڑی زبردست
ہکی یہ بھی کہ میں تو صفیہ آپا (پھوپھی جان)، کو ہاں میں جواب دے دوں گی۔
دادی اماں بھی اماں بیگم کی ہم خیال تھیں۔ بڑی اماں کا ووٹ نہ ڈاکٹر وصی کے حق میں
تھا اور نہ شہزادے میاں کے حق میں ـــــ ان بے چاریوں کی خواہش تو یہ تھی کہ بڑے بھیا
کے ساتھ آپا جان کا رشتہ ہو جاتا مگر کیا کرتیں ؟ بڑے بھیا کی تو دنیا ہی کوئی اور تھی۔ جوان
اماں لڑکے کے ساتھ زبردستی کر نہیں سکتی تھیں کہ کل کلاں کو بیٹے بہو کی زندگی عذاب نہ بن جائے
ان کا کہنا یہ تھا کہ ڈاکٹر وصی اور شہزادے میاں نہ سہی کوئی اور معقول آدمی مل جائے
ا اس سے شادی کر دی جائے گی۔ دو تین سال میں لڑکی بوڑھی تو ہو نہیں جائے گی۔ آج کل
س گھرانے میں لڑکیوں کی شادیاں جلدی ہوتی ہیں ؟ ہوں گے کوئی سو میں چار پانچ گھرانے ایسے۔
چھوٹی چچی کا ووٹ ڈاکٹر وصی کے حق میں تھا کیونکہ وہ فضول قسم کی باتوں کو نہیں مانتی

تھیں۔ ابا میاں اور چچا میاں شادی بیاہ کے معاملے میں نئے زمانے کے دلدادہ تھے
ان دونوں کے نزدیک یہ لڑکے لڑکی کی پسند اور خوشی کا معاملہ تھا۔ ان کا خیال یہ تھا
لڑکا شریف، اور کما‌ؤ ہونا چاہیے اور ساتھ ہی پڑھا لکھا بھی۔

بڑے ابا اس معاملے میں سب سے زیادہ اہمیت لڑکے کی قابلیت کو دیتے تھے
انہیں خود کتابوں اور مطالعے کا جنون کی حد تک شوق تھا۔ لہٰذا وہ تو ڈاکٹر وصی
قابلیت کے گرویدہ ہو کر اپنا ووٹ ان کے حق میں دے رہے تھے۔

یہی حال دادا جان کا تھا۔ لیکن ان کے دل میں بس ایک بات کھٹک رہی
اور وہ تھی ڈاکٹر وصی کا پنجابی ہونا۔ ایسی بات نہیں تھی کہ وہ پنجابیوں سے الرجک
بلکہ قصہ اصل میں یہ تھا کہ ان کے خیال کے مطابق ان کی پوتی کا گزر بسر ان لوگوں کے سا
بہت مشکل تھا۔

گھر کی فضا بڑی عجیب سی ہو گئی تھی کسی کی کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ آخر ہوگا
نہ ہی کسی کو یہ معلوم تھا کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا؟ گھر کی اس گھٹن آلود فضا میں
کو سانس لیتے ہوئے چار پانچ روز گزر گئے کہ ایک شام دادا جان نے گھر کے
بڑے افراد کو ہنگامی اجلاس کا نوٹس دے دیا۔ جلسہ رات کو ڈرائنگ روم میں دا
کے دادا جان کی چیئرمین شپ میں منعقد ہونا قرار پایا۔

چنانچہ رات کو ماحضر تناول فرمانے کے بعد سب لوگ ڈرائنگ روم میں جمع
تو معلوم ہوا کہ چیئرمین صاحب تشریف نہیں لائے ہیں کچھ لوگ انہیں لینے
ان کے کمرے میں گئے۔ چیئرمین صاحب جب جلسہ گاہ میں کرسی صدارت پر جلوہ
گئے تو احتیاط کے طور پر کھڑکی دروازے سب بند کر دیئے گئے۔

اس طرف جانے کی اور کسی کی ہمت تو پڑی نہیں، لیکن شجیعہ بیگم ——
نا کی کن سوئیاں لینے کی پرانی عادت تھی، کیسے باز رہ سکتی تھیں۔ اپنے کمرے سے
ل کر بلی کی طرح دبے پاؤں ڈرائنگ روم کی طرف چل دیں، کبھی ایک کھڑکی سے
ل کان لگائے کھڑی ہیں، کبھی دوسری کھڑکی کے پاس، کبھی کسی دروازے کی جھری
سے کان لگائے کھڑی ہیں، کبھی کسی دروازے کی طرف تاک رہی ہیں مگر مجال ہے جو
ک بات بھی صحیح اور واضح طور پر سمجھ میں آئی ہو۔ دل ہی دل میں جل ہی تو گئیں۔ بڑبڑاتے
ئے بولیں۔

"توبہ ہے۔ ایسی بھی کیا رازداری؟ یہ لوگ تو ایسی کانا پھوسی کر رہے ہیں سمجھتے ہیں
یسے ہمیں کبھی بات معلوم ہی نہیں ہونی ہے۔ آخر کل پرسوں کبھی نہ کبھی تو یہ بات ہمیں
بتائی ہی جائے گی۔"

انہوں نے چڑ کر بند دروازوں اور کھڑکیوں کی طرف دیکھا اور پیر پٹختی ہوئی اپنے
ے کی طرف چل دیں۔

چھٹے باجی، آپا جان اور بنفشہ سب وہیں موجود تھیں۔ منہ پہ ہاتھ دھرے چپکی بیٹھی
بھی ایک دوسرے کی صورت تکتی تھیں اور کبھی دیواروں اور فرش کو گھورنے لگتی تھیں۔
شجو رانی کے کمرے میں داخل ہوتے ہی چھٹے باجی نے پوچھا۔

"شجو، کچھ سنائی دیا؟"

"ہُنہ، خاک سنائی دیا، مکھیوں کی طرح تو بھنبھنا رہے ہیں یہ لوگ ——" شجو نے
اپنی ناک پھلاتے ہوئے کہا۔

آپا جان اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئیں، چھٹے باجی بھی ان کی دم بنی پیچھے پیچھے

چل دیں۔

بنفشہ کوئی کتاب کھول کر زبردستی پڑھنے کی کوشش کرنے لگی۔

شجورانی اپنے بستر پہ آڑی ترچھی لیٹ کر سوچنے لگیں۔

"اللہ کرے کل سجاد بھائی اور شکیل بھیا آجائیں ——— ممکن ہے آپا مشکل آسان ہو جائے۔"

شکیل بھیا اپنی ٹیم کے ساتھ کرکٹ کا میچ کھیلنے لاہور گئے ہوئے تھے اور سجاد بھائی کل وقت بے وقت ہاسپٹل میں ڈیوٹی لگنے کے سبب ہاسٹل ہی میں رہتے تھے۔

سجاد بھائی اپنی بہنوں کے بڑے قابلِ فخر بھائی تھے۔ جان چھڑکتے تھے۔ اپنی بہنوں پہ۔ بہنوں کو تکلیف میں دیکھ کر ان کے حلق سے نہ پانی اترتا تھا اور نہ روٹی ——— اور آپا جان تو انہیں کچھ زیادہ ہی پیاری تھیں۔

شجو بیگم کو پکا یقین تھا کہ آپا جان کی خاطر سجاد بھائی ضرور اماں جان سے ٹکرا جائیں گے ساری برائی اپنے سر لے لیں گے۔ لیکن آپا جان کا بیڑا ضرور پار لگا دیں گے۔

اور اس سے اگلے دن ہوا بھی ایسا ہی۔ اتوار کا دن تھا، سب لوگ سجاد بھائی کا انتظار کر کے پانچ منٹ پہلے ہی کھانا کھانے بیٹھے تھے کہ سجاد بھائی اندر داخل

ہوئے۔ سب کو سلام کر کے اور دعائیں لینے کے بعد وہ معمول کے مطابق اپنی چہیتی لاڈ بہنوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ فرداً فرداً ایک ایک کا مزاج پوچھا۔ کسی کے سر پہ پیار سے تھپکی دی کسی کی پیٹھ تھپتھپائی۔ جب آپا جان کا نمبر آیا تو سجاد بھائی کی اس شفقت ا محبت نے ان کی آنکھیں جھلملا دیں۔ ان کا ارادہ بالکل ہی رونے دھونے اور آنسو بہانے کا نہ تھا۔ انہوں نے جلدی سے پلکیں جھپکا کر آنسوؤں کو پی جانے کی کوشش کی تو وہ رخسا پر پھسل پڑے۔

بیک وقت "ایں یہ کیا!" کی آوازیں بلند ہوئیں۔ اس پہ باقی لوگ بھی آپا جان کی طر متوجہ ہو گئے۔ سجاد بھائی کی حیرت اور پریشانی اس وقت دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔

"کیا ہو گیا میری بہن کو؟"

سجاد بھائی نے بڑی نرمی سے ان کے شانے پہ ہاتھ رکھا۔

اس کے بعد تو آپا جان کے لیے ضبط کرنا مشکل ہو گیا۔ وہ آہستہ سے کر اٹھیں اور کمرے سے باہر چلی گئیں۔ سجاد بھائی نے سوالیہ نگاہوں سے سب کے چہ کی طرف دیکھا۔۔۔ اور خود بھی کمرے سے باہر چلے گئے۔ ابا جان کی پیشانی پر غور وفک موٹی موٹی سلوٹیں نمایاں ہوئیں اور اماں بیگم زیرِ لب بڑبڑائیں۔

"لو اور سنو! بے مار کی توبہ۔"

بڑے بھیا بھی کھانے کی میز پہ موجود تھے وہ تو کیونکہ گھر میں رہتے ہی کم تھے۔ ا انہیں حالات کا پوری طرح اندازہ نہیں تھا۔ انہیں صرف اتنا معلوم تھا کہ آپا جان کا شہزادے میاں کا رشتہ آ رہا ہے۔ اس کے بعد گھر میں کیا کیا ڈرامے ہو رہے تھ سب سے وہ بالکل بے خبر تھے۔ اس کے باوجود انہوں نے دل ہی دل میں یہ فیصا

کیا کہ دو چار روز میں فرصت ملے گی تو امی اور چچی جان سے بات کر دوں گا۔ ان کے خیال میں یہ رشتہ قطعی غیر مناسب تھا۔

اس وقت آپا جان کی آنکھوں میں چمکتے ہوئے ستارے ٹوٹ کر رخساروں پہ گرے تو وہ سوچ میں پڑ گئے۔ پانی کا گلاس ہاتھ میں تھامے چند سیکنڈ تو وہ گم صم سے بیٹھے رہے پھر گلاس میز پہ رکھ کر خود بھی آپا جان کے کمرے کی طرف چلے گئے۔

"یا اللہ! سبھی کھانا چھوڑ چھوڑ کر بھاگے جا رہے ہیں۔"

بڑی اماں بولیں۔

شجو کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"بلا وجہ ہنسی کیوں آ رہی ہے تمہیں؟"

اماں بیگم نے فوراً ٹوکا۔

شجو رانی نے فوراً اپنا منہ بڑی سختی سے بند کر لیا۔

دوسری طرف آپا جان اپنے کمرے میں میز پہ سر ٹیکے باقاعدہ سسکیوں سے رو رہی تھیں۔ سجاد بھائی کمرے میں داخل ہوئے تو اس منظر کو دیکھ کر ان کا دل بہت آزردہ ہوا۔ چند سیکنڈ وہ آپا جان کے پیچھے خاموش کھڑے دیکھتے رہے۔ پھر ان کا سر اوپر اٹھانے کی کوشش کی، مگر آپا جان نے تو جیسے ماتھے پر گوند لگا کر میز پہ سر ٹیکا تھا۔ ٹس سے مس نہ ہوئیں۔

"یہ کیا بے وقوفی ہے؟"

سجاد بھائی نے مصنوعی ناراضگی سے کہا۔

"اچھا سر تو اوپر اٹھاؤ۔"

سجاد بھائی نے کہا۔

"ٹھیک سے بات کرو بھئی، کچھ پتہ تو چلے۔"

سجاد بھائی نے پیار سے کہا۔

"مگر آپا جان تو جیسے ان کی آواز ہی نہیں سن رہی تھیں۔"

اتنے میں بڑے بھیا بھی پہنچ گئے۔

"دیکھو میں ناراض ہو جاؤں گا۔"

سجاد بھائی نے دھمکی دی۔

آپا جان پھر بھی کچھ نہیں بولیں۔

"بتاؤ نا، میری بہن!"

سجاد بھائی نے بڑی مشکل سے ان کا سر اوپر اٹھایا۔

آپا جان کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔ بڑے بھیا نے افسوس بھری نگاہوں سے ان کو دیکھا، لیکن خاموش کھڑے رہے۔

"کوئی بات نہیں سجاد بھائی، بس ویسے ہی......"

آپا جان نے سسکیوں کے درمیان بمشکل تمام کہا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ بلا وجہ تو کوئی نہیں روتا۔"

سجاد بھائی نے جرح کی۔

آپا جان خاموش رہیں۔

"تم فکر مت کرو شمسہ، میرے ہوتے ہوئے تمہارے اوپر کسی قسم کی زیادتی نہیں ہو سکتی۔"

بڑے بھیا نے آپا جان کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا، ان کے لہجے میں بے پناہ شفقت تھی۔

سجاد بھائی نے حیران نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔ وہ سوچ میں پڑ گئے کہ آخر ی کونسی بات ہو گئی۔

"شمسہ، تمہیں میری جان کی قسم، اگر تم مجھ سے کوئی بات چھپاؤ۔"

سجاد بھائی نے کہا۔ وہ خاصے پریشان ہو گئے تھے۔

سجاد بھائی نے اپنی قسم دی تو آپا جان سوچ میں پڑ گئیں۔

"شاباش بتا دو"

سجاد بھائی نے کہا۔

"سجاد بھائی نہیں....."

آپا جان پوری بات کہنے کی جرأت ہی نہ کر سکیں۔

"ہاں، ہاں کہو!"

"میں — میں شہزادے میاں سے شادی نہیں کروں گی۔"

آپا جان نے اپنی بات پوری کرتے ہی پھر سسکنا شروع کر دیا۔

"شہزادے میاں سے؟"

سجاد بھائی کے اوپر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ انہوں نے بڑے بھیا کی طرف اس طرح دیکھا جیسے پوچھ رہے ہوں۔

"کیوں بھئی؟ یہ صحیح ہے؟"

"آخر یہ کس کا مشورہ ہے؟"

سجاد بھائی نے پوچھا۔

آپا جان چپ رہیں۔

اتنے میں شجو رانی بھی چھٹ باجی کے ساتھ دوچار نوالے زہر مار کر کے آگئیں

"تم آخر اتنی پریشان کیوں ہو رہی ہو؟ تمہارا اور شہزادے میاں کا کوئی جوڑ ہی نہیں
میں تو یہ زیادتی ہرگز نہیں ہونے دوں گا۔"

بڑے بھیا نے آپا جان کو پھر تسلی دی۔

"سجاد بھائی، بات صرف اتنی سی نہیں ہے کہ آپا جان کو شہزادے میاں کا رشتہ نہیں ہے، بلکہ اس کے آگے یہ قصہ بھی ہے کہ اماں بیگم، دادی اماں اور بڑی اماں ڈاکٹر وصی کا رشتہ ریجیکٹ کر دیا ہے۔"

شجو بیگم نے بغیر سانس لئے کہا۔

"ڈاکٹر وصی کون؟"

بڑے بھیا اور سجاد بھائی نے ایک ساتھ پوچھا۔

"یونیورسٹی میں ہیں، آپا جان کو پڑھاتے ہیں۔"

شجو نے بڑی بے باکی سے کہا۔

"ان کا رشتہ بھی آیا ہے؟"

سجاد بھائی نے پوچھا۔

"ابھی آیا کہاں، آنے والا ہے۔"

شجو نے کہا۔

"کیا الٹی بات کر رہی ہو گڑیا؟" (سجاد بھائی شجو کو پیار سے گڑیا کہتے تھے)

سجاد بھائی کو ہنسی آگئی۔

"میں تو بالکل سیدھی بات کر رہی ہوں"

شجو بولیں۔

"رشتہ آیا نہیں تو ریجیکٹ کیسے ہو گیا؟"

"یہی تو اماں بیگم کا کمال ہے۔"

شجو نے مسکرا کر کہا۔

"تمہیں کس نے بتا دیا کہ ڈاکٹر وصی کا رشتہ آنے والا ہے؟"

بڑے بھیا نے پوچھا۔

"انہوں نے بتایا۔"

شجو نے چھٹ باجی کی طرف اشارہ کیا جو اس کی دیدہ دیری اور بے باکی پر آنکھیں پھاڑے اسی کی طرف دیکھے جا رہی تھیں۔

"کیوں عمرانہ؟ کیا قصہ ہے؟"

بڑے بھیا چھٹ باجی کی طرف متوجہ ہو گئے۔

چھٹ باجی نے کچھ جھجکتے ہوئے ساری تفصیلات بتانی شروع کیں تو آپا جان ڈاکٹر بنفشہ کے کمرے میں چلی گئیں۔

"ہوں، تو یہ بات ہے۔"

سجاد بھائی نے الف سے ی تک پوری داستان سن کر سنجیدگی سے کہا۔

"اب آپ ہی لوگ اس بیل کو منڈھے چڑھائیے۔"

شجو نے باری باری سجاد بھائی اور بڑے بھیا کی طرف دیکھا۔

"ہاں، ہاں، بالکل! انشاءاللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

سجاد بھائی نے بڑے وثوق سے کہا۔

بڑ بھیا آپا جان کی طرف چلے تو باقی لوگوں نے بھی ان کی تقلید کی آپا جان بستر پہ اس کے قریب ہی بیٹھی تھیں۔ آنسو ایک کے بعد ایک رخساروں پہ پھسل رہے بنفشہ بے چاری انہیں چپ کرانے کی کوشش میں ناکام ہو کر پریشان سی بیٹھی تھی

"ایسی حماقت کی توقع نہیں تھی مجھے تم سے۔"

بڑ بھیا نے آپا جان کے قریب رک کر کہا۔

آپا جان نے پریشان ہو کر ان کی طرف دیکھا۔ وہ سمجھیں کہ شاید بڑ بھیا محبت کر کہ رہے ہیں۔ حالانکہ بڑ بھیا کا اشارہ ان کے رونے دھونے کی طرف تھا۔

"ذرا اپنا چہرہ دیکھو، بالکل زرد ہو رہا ہے۔"

بڑ بھیا نے مصنوعی ناراضگی کا مظاہرہ کیا۔

سجاد بھائی نے اپنے رومال سے آپا جان کے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا

"ارے، بس اتنی سی بات، ہم اپنی بہن کے لئے سب سے ٹکر لے لیں گے ڈاکٹر وصی کا رشتہ تو آنے دو۔"

آپا جان کا چہرہ شرم سے سرخ ہو گیا۔

"پہلے ہم ڈاکٹر وصی کو دیکھ تو لیں کہ آخر وہ ہیں کتنے پانی میں؟ ہماری بہ قابل بھی ہیں یا نہیں"

سجاد بھائی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

آپا جان نے اپنی مسکراہٹ چھپانے کے لئے منہ دوسری طرف کر لیا۔

"باقی تو سب ٹھیک ہے، لیکن ان بے چاروں کا پنجابی ہونا ان کے لئے

یا ہے۔"

شجو نے کہا۔

"لاحول ولا قوۃ، یہ کیا بات ہوئی۔"

بڑ بھیا کی پیشانی پر سلوٹیں پڑ گئیں۔

"مجھے کیا معلوم؟ بڑی اماں اور بیگم سے پوچھئے۔"

شجو نے ناک چڑھائی۔

"انہی لوگوں کو تو کہہ رہا ہوں، پنجابی مسلمان نہیں ہوتے یا انسان نہیں ہوتے۔"

"میرے تو دیک تو ہوتے ہیں۔"

شجو نے معصوم صورت بنا کر کہا۔

"بلکہ بعض باتوں میں تو وہ ہم ہندوستانیوں سے بدرجہا بہتر ہوتے ہیں۔"

سجاد بھائی نے کہا۔

سجاد بھائی کی بات ابھی ختم ہی نہ ہوئی تھی کہ اماں بیگم کمرے میں داخل ہوئیں۔

"کیا کانفرنس کر رہے ہو تم لوگ؟"

اماں بیگم نے گہری نظروں سے سب کا جائزہ لیا۔

"کوئی کانفرنس نہیں اماں بیگم! بس ویسے ہی۔۔۔۔"

سجاد بھائی نے کہا۔

"ویسے ہی کیا؟ اور ہاں، تم نہا دھو کر کھانا کیوں نہیں کھاتے؟"

اماں بیگم نے سجاد بھائی سے کہا۔

"ابھی کھاتا ہوں۔"

سجاد بھائی نے کہا۔

"کب کھاؤ گے؟ آخر کن چکروں میں پڑے ہو؟"

"چکر وکر کا قصہ تو آپ ہی بتلایئے، معلوم نہیں کیا ڈرامہ بازی شروع کر رکھی آپ نے؟"

سجاد بھائی مسکرائے۔

"کیسی ڈرامہ بازی؟ کیا کہہ رہے ہو؟"

"میں ذرا کھانا کھالوں، پھر بات کروں گا آپ سے۔"

سجاد بھائی نے ہنس کر کہا۔

سجاد بھائی کمرے سے باہر نکلے۔ تو اماں بیگم بڑے بھیا کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

"اور تم کیوں کھانا چھوڑ کر اٹھ گئے؟"

"کھانا چھوڑ کے تو نہیں اٹھا۔"

"اور کیا"

"میں تو کھا چکا تھا۔"

"کیا کھا چکے تھے؟ آدھا پیٹ کھایا۔"

"بس اتنی ہی بھوک تھی۔"

"ایک تو میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ تم لوگوں کی بھوک کو کیا ہو گیا ہے؟ دیکھو....."

ابھی اماں بیگم کی بات منہ میں ہی تھی کہ رمضانی، ابا میاں کا قاصد بن کے آ گیا اور اپنے غرارے کے پائنچے سنبھالتی ہوئی چلی گئیں۔

اس دن تو اماں بیگم کی سجاد بھائی سے کوئی بات ہی نہ ہو سکی۔ وہ کھانا کھا کر اٹھے تو بڑے بھیا کی خالہ کی فیملی آ دھمکی۔ شام کو وہ اپنے ایک دوست سے ملنے چلے گئے تھے۔ رات کو آئے تو بڑے ماموں جان آئے ہوئے تھے۔ عباس بھائی کے علاوہ دوسرے بھی ان کے ساتھ تھے۔ اگلے روز جب سب لوگ رات کا کھانا کھا کر اٹھے، بفشہ اپنے کمرے کی طرف چل دی۔ اس نے ایک ناول شروع کر رکھا تھا اسے ختم کرنے کی جلدی ناول پڑھنے بیٹھی تو وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا۔ وہ تو جب ناول پڑھتے پڑھتے نے آنکھیں بند کر کے ناول کی ہیروئن کی اور اپنی زندگی کا موازنہ کیا تو ایک دم ہی اسے آیا کہ شجو بڑی دیر سے کمرے سے غائب ہے۔ وہ کتاب بستر پہ رکھ کے کمرے سے نکل گئی۔ ڈرائنگ روم کے سامنے والی راہداری سے گزری تو زور زور سے باتیں کرنے آواز آئی۔ وہ دروازے کے قریب رک گئی۔ بڑے بھیا اور بڑی اماں کی آواز بھی آ رہی تھی۔

اچھا، آپا جان کا مسئلہ زیر بحث ہو گا۔

اس نے سوچا اور آگے بڑھ گئی۔ اسی وقت سامنے سے شجو رانی آتی ہوئی نظر آئیں۔

"آیئے اندر چلیں، معلوم ہوتا ہے زوردار جھگڑا ہو رہا ہے۔"

شجو رانی قریب آ کر مسکرائیں۔

"تم کہاں سے آ رہی ہو؟"

"میں تو دادا جان کے پاس تھی۔"

شجیعہ بیگم بفشہ کا ہاتھ پکڑ کر اندر داخل ہو گئیں۔

بفشہ نے دیکھا اماں بیگم کافی غصے میں معلوم ہوتی تھیں۔ بڑی اماں کے نتھنے بھی پھول پچک رہے تھے۔ دادی اماں کا سروتہ کچھ زیادہ ہی تیزی سے چل رہا تھا۔ ابا میاں

بے چارے تو دیوان پہ نیم دراز اپنی توند کو سہلائے جا رہے تھے۔

شجو رانی بڑی مسکین صورت بنا کر ایک کونے میں بیٹھ گئی۔

"شجیعہ، چلو ہم لوگوں کو نہیں بیٹھنا چاہیئے، بُری بات ہے۔"

بنفشہ نے آہستہ سے کہا۔

"ابھی بیٹھی رہیئے، اگر ڈانٹ پڑے گی تو چلے جائیں گے۔"

شجو نے اطمینان سے کہا۔

بنفشہ نے سوچا۔ میں تو یہاں سے چلی جاتی ہوں۔ اماں بیگم کو غصہ بھی آرہا ہے۔ ارادے سے اس نے قدم بڑھایا مگر شجیعہ نے فوراً اس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ کر قریب بٹھالیا۔

"تم لوگوں کے تو دماغ خراب ہوگئے ہیں۔"

اماں بیگم نے کہا۔

"دماغ خراب ہونے کی بات نہیں ہے اماں بیگم، جب وہ راضی نہیں۔"

"یہی تو میں پوچھتی ہوں کہ آخر ایسی کونسی بُرائی ہے اس لڑکے میں؟"

"جب وہ دوسری جگہ کرنا چاہتی ہے تو۔۔۔۔"

بڑے بھیا بولے۔

"اس کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے؟ وہ کہے گی مجھے کنوئیں میں پھینک دو۔ دوگے؟"

بڑی اماں بولیں۔

"اور ابھی اس ڈاکٹر کا رشتہ آیا کہاں ہے؟"

اماں بیگم بولیں۔

"آجائے گا دو ایک روز میں۔"

سجاد بھائی نے بڑے وثوق سے کہا۔

"رشتہ آجائے تب بھی نہیں کرنی اس سے۔"

"کیوں؟"

سجاد بھائی نے پوچھا۔

"معلوم نہیں کون لوگ ہیں؟ کیسے ہیں؟"

"وہ تو ہم دیکھ لیں گے۔"

بڑے بھیا بولے۔

"بیٹا، تم تو بس خاموش ہی رہو۔"

بڑی اماں بولیں۔

"کیوں؟"

"اچھی بھلی تمہارے ساتھ ہو جاتی اس کی شادی، مگر تمہارے دماغ میں تو خناس ہوگیا ہے۔"

بڑی اماں نے غصے سے کہا۔

"لاحول ولا قوۃ، یہ کیا بات ہوئی؟"

بڑے بھیا سنجیدگی سے بولے۔

"ہوئی کیسے نہیں بات۔"

بڑی اماں بولیں۔

"یعنی ہر جگہ زبردستی ضرور کریں گی آپ لوگ، نہ وہ چاہتی ہے نہ میں چاہتا ہوں۔"

"یہی تو میں پوچھوں ہوں کہ آخر کیوں نہ چاہو؟"

دادی اماں بولیں۔

"آپس میں نہیں ہوں گی شادیاں تو کیا آسمان سے رشتے آئیں گے؟"

بڑی اماں بولیں۔

"آسمان سے رشتے آنے کا کیا سوال ہے؟ گھر میں اور بھی لڑکے ہیں۔"

سجاد بھائی بولے۔

"اور کون سے لڑکے ہیں؟"

اماں بیگم بولیں۔

"اپنے سلمان ہیں۔"

"سلمان تو انگریز کے بچے بنے ہوئے ہیں، ان کے ساتھ ہماری لڑکی کا گزر کیسے ہوگا؟"

بڑی اماں بولیں۔

"اور پھر جب سلمان کی ماں نے کچھ نہیں کہا تو میں کیسے منہ پھوڑ کے کہہ دیتی کہ بیٹی کو بہو بنا لو۔"

اماں بیگم بولیں۔

"اپنے عباس بھائی کسی سے کم ہیں؟ ہزاروں میں ایک ہیں۔"

سجاد بھائی نے بڑے فخر سے کہا۔

"شادی بیاہ کے معاملے میں ان لوگوں کا نام نہ لینا بیٹا!"

اماں ایک دم بولیں

"کیوں؟"

"بس ان لوگوں کی خوبیاں انہی کے ساتھ رہنے دیں۔"

اماں بیگم کی پیشانی پہ بل پڑ گئے۔

اس کے بعد بنفشہ تو موقعہ پا کر اٹھ کر چلی آئی معلوم نہیں کیا کیا باتیں ہوتی رہیں تو شجیعہ کے کمرے میں آنے سے پہلے ہی سو بھی گئی۔

اگلے روز اسے شجیعہ سے پتہ چلا کہ بڑے بھیا اور سجاد بھائی ابا میاں کی سفارش پہ ی مشکل سے اماں بیگم کو اس بات پہ راضی کر سکے ہیں کہ ڈاکٹر وصی کا رشتہ آتے اماں بیگم انہیں اور ان کے گھر والوں کو خوب اچھی طرح چھان پھٹک لیں۔ پھر اگر مناسب ہیں تو حامی بھر لیں۔

پھر ایسا ہوا کہ جمعہ ہی کے روز ڈاکٹر وصی کا رشتہ آ گیا۔ ظاہر ہے ان بے چاروں تو ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے تھے یہ سن کر کہ ان کی من موہنی شمسہ کی شادی کہیں اور نے والی ہے۔ بات کچھ اس طرح بنی تھی کہ پہلے تو ڈاکٹر وصی کے ماموں دباپ تو ان کے نہیں) کو ٹیلی فون آیا۔ پھر وہ ابا میاں کے آفس ان سے ملنے کے لئے پہنچے۔ آفس واپسی پہ ابا میاں بوکھلائے ہوئے گھر میں داخل ہوئے اور اماں بیگم کے پاس خ کر بولے۔

"بھئی وہ لوگ آ رہے ہیں۔"

"اے ہے! کون آ رہے ہیں؟"

اماں بیگم نے پوچھا۔

دادی اماں بھی چوکنی ہو کر بیٹھ گئیں۔

"ارے وہ بھئی، کیا نام ہے ان کا؟"

ابا میاں مارے پریشانی کے نام بھی بھول گئے۔

"اس سلسلے میں وہ بے چارے قصوروار بھی نہیں ٹھہرائے جا سکتے تھے۔ گھر بیٹی کے رشتے کا مسئلہ تھا نا۔

"اب مجھے کیا معلوم، کیسے کہہ رہے ہیں؟"

اماں بیگم نے دادی اماں کی طرف دیکھا۔

"ارے بیگم، ڈاکٹر وصی کے گھر والے آ رہے ہیں۔"

ابا میاں نے بڑی مشکل سے یاد کر کے کہا۔

"آپ کو کیسے معلوم؟"

اماں بیگم نے وکالت کی۔

"وہ خود آئے تھے، ٹیلی فون بھی آیا تھا۔"

ابا میاں نے جلدی سے کہا۔

"کون؟ ڈاکٹر وصی؟"

"نہیں، ان کے ماموں۔"

"تو کیا وہ خود نہیں آئیں گے؟"

"آئیں گے، وہ خود بھی آئیں گے، ایک بہن آئے گی —— ماں آئیں گی۔"

"باپ نہیں آئیں گے؟"

دادی جان نے پوچھا۔

"باپ حیات نہیں ہیں۔"

"وہ تو سب ٹھیک ہے، مگر آپ کیوں اس قدر گھبرائے جا رہے ہیں۔"

"کیا کریں بیگم، لڑکی کا معاملہ ہے نا، لڑکی کے باپ ہیں ہم۔"

ابا میاں نے سادگی سے کہا۔

"میں بھی تو لڑکی کی ماں ہوں، مجھ پر تو....."

"آپ تو ماشاء اللہ بہادر ہیں۔"

"یا اللہ، اس میں بہادری کہاں سے ٹپک پڑی۔"

"نہیں تو ایسا لگ رہا ہے بیگم، جیسے لڑکی کا رشتہ نہیں بارات آ رہی ہے۔"

"اگر اس طرح ہاتھ پیر پھولے آپ نے، تو ہو چکا کام۔"

"اچھا خیر، ہاں تو پھر کیا تیاری ہے؟"

"کاہے کی تیاری؟ جب آئیں گے تو چائے پانی ہو جائے گا۔"

اماں نے لاپرواہی سے کہا۔

"میں کہوں بیٹا، اگر سجاد اور شعیب بھی موجود ہوتے تو اچھا تھا۔"

دادی اماں نے کہا۔

"سجاد کو تو میں نے ٹیلی فون کر دیا تھا ہاسپٹل میں —— اس کی ڈیوٹی نہیں ہے پہنچ جائے گا۔"

"اور شعیب؟"

اماں بیگم نے پوچھا۔

"اس کا معاملہ ذرا مشکل ہے، بہت کوشش کی، مگر....."

"خیر، اگر سلسلہ آگے بڑھا تو پھر مل جائے گا، اس میں کیا بات ہے۔"

دادی اماں بولیں۔

شبو رانی، جو اس وقت اماں بیگم کے پاس یہ پوچھنے کے لئے آرہی تھیں کہ کیا میں اپنی سہیلی فرزانہ کے پاس چلی جاؤں، دروازے کے قریب رک کر ساری کہ سے چکی تھیں۔ انہوں نے سوچا کہ اب تو پوچھنا بیکار ہے اگر وہاں چلی گئی تو ڈاکٹر دیدار نہیں ہو سکے گا۔ وہ تو ویسے ہی انہیں دیکھنے کے اشتیاق میں مری جا رہی اسلئے قدموں دوڑی ہوئی آپا جان کے پاس یہ خوش خبری سنانے چل دیں۔

شام کو ڈاکٹر وصی اپنی اماں، بہن اور ماموں کے ساتھ آئے۔ گھر کے سارے مع دادا جان کے ڈرائنگ روم میں جمع ہوئے۔ سجاد بھائی بھی پہنچ گئے تھے۔ بڑ باتیں ہوئیں۔ چائے پانی کا دور چلا۔ آپا جان کو بلوایا گیا۔ مگر آپا جان بارے شرم ہی نہیں، پھر ڈاکٹر وصی کی اماں خود ان کے کمرے میں پہنچ گئیں۔ ڈاکٹر وصی اپنی پہلے بھی تین چار دفعہ آپا جان سے یونیورسٹی میں ملوا چکے تھے۔ بلکہ بہن ہی کے ذر تو آپا جان کو اصل بات کا علم ہوا تھا۔

ان لوگوں کے جانے کے بعد اماں بیگم تو ایسی ہشاش بشاش نظر آرہی تھ بات پہ ہنسی کے فوارے چھوٹ رہے تھے۔ کہاں تو ڈاکٹر وصی کے نام سے رہی تھیں اور کہاں ایسی کایا پلٹی کہ ان کے گھر والوں کی اور ان کی شان میں قصیدے جا رہی تھیں۔ معلوم نہیں ذرا سی دیر میں ڈاکٹر وصی کیا جادو کر گئے تھے ان کے اوپر۔

شبو بیگم کا خیال تھا کہ وہ کلفٹن والے بابا عبداللہ شاہ کے مزار پر حاضری د منت مان کر چلے آرہے ہوں گے۔

غرض یہ کہ اماں بیگم نے اندر ہی اندر چپکے چپکے ڈاکٹر وصی کے خاندان کے کئی افراد کے رے میں چھان بین کروا کے جب پوری طرح اطمینان کر لیا اور ڈاکٹر وصی کے گھر والوں کو پنے گھر تک کی دوڑ دو چار دفعہ اور لگوالی تو شہزادے میاں کو ریجیکٹ کر دیا اور سب کے ووٹ ڈاکٹر وصی کے حق میں ڈلوا دیئے۔

طے یہ پایا کہ آپا جان کے امتحان ختم ہوتے ہی — جس میں زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ مہینہ باقی تھا۔ ان کی شادی کر دی جائے گی۔ یہ خبر سنتے ہی آپا جان کے چہرے کی تو رنگت ہی بدل گئی۔ پھر سے رخساروں پہ گلاب کھل اٹھے۔ ہونٹوں پہ کلیاں چٹک اٹھیں اور آنکھوں میں ستارے جھلملانے لگے۔

شبو رانی دل ہی دل میں آپا جان کی قسمت پہ رشک کیا کرتی تھیں۔ ہائے کیا قسمت پائی ہے۔ آپا جان نے! چشم بد دور — کیسی شاندار جوڑی ہے دونوں کی؟ ڈاکٹر وصی تو بالکل ناولوں کے سنجیدہ، باوقار اور خوبصورت ہیرو کی طرح ہیں۔ وہ فرصت کے اوقات میں تنہا بھی منصوبے بنایا کرتی تھیں کہ آپا جان کی شادی کے موقعے پر فلاں دن فلاں رنگ کا جوڑا پہنوں گی، ہیر اسٹائل میک اپ اور زیوروں کے بارے میں بھی بڑی سنجیدگی سے غور کرتی تھیں، نہ صرف یہ بلکہ اس بات کا فیصلہ بھی انہوں نے کر لیا تھا کہ بنفشہ باجی کس دن کس رنگ کے کپڑے پہنیں گی۔ امتحان بس شروع ہی ہونے والے تھے، یہی کوئی چھ سات روز باقی تھے، لیکن ان کے دماغ میں اسی قسم کی باتیں کیڑوں کی مانند کلبلاتی رہتی تھیں۔ اماں بیگم، بڑی اماں، دادی اماں، چھوٹی چچی بڑے زور و شور سے آپا جان کا جہیز بنانے میں مصروف تھیں۔

ایک طرف تو یہ ہنگامہ تھا اور دوسری طرف سلمان بھائی بڑی بے چینی سے اپنی ممی کے آنے کا انتظار کر رہے تھے۔ بنفشہ سے باتیں کرنے کا موقعہ ہی نہیں مل رہا تھا۔ وہ اپنے

امتحان کی تیاری میں معروف تھی روزانہ پانچ دس منٹ کی مختصر سی ملاقات ہو جاتی تھی اس میں سلمان بھائی کا کہاں بھلا ہوتا تھا۔

خدا خدا کر کے چچی جان واپس آئیں تو سلمان بھائی نے شکر کا سانس لیا۔ دل پہ پتھر کی طرح رسل رکھ کے دو روز انہیں سستانے کے لئے بھی دے دیئے۔ ان کے آتے ہی اپنا حال سنانا مناسب نہ معلوم ہوا، ورنہ ان کا دل تو یہ چاہ رہا تھا کہ ایئرپورٹ سے گھر واپس آتے ہی ان سے سب کچھ کہہ سن لیں۔

خدا خدا کر کے وہ دو روز سلمان بھائی کے لئے دو صدی بن کر گزر ہی گئے۔ مگر تیسرے دن اتفاق ایسا ہوا کہ جب سلمان بھائی آفس سے واپس آئے تو معلوم ہوا کہ چچی جان ابا کے ساتھ آپا جان کے جہیز کی خریداری کے سلسلے میں بازار گئی ہوئی ہیں۔ چلو اچھا ہے دیر اور انہوں نے سوچا اور کھانا کھا کر اپنے کمرے میں آرام کرنے چلے گئے۔ شام کو چائے بعد صوفیہ تو اپنی کسی سہیلی سے ملنے چل دی۔ چھوٹے چچا اپنی کوئی میٹنگ اٹینڈ کرنے چلے گئے۔ سلمان بھائی کو اپنی ممی سے بات کرنے کا مناسب موقع مل گیا۔

"دوپہر میں کہاں گئی تھیں ممی آپ؟"

سلمان بھائی نے انجان بن کر پوچھا۔

"شمسہ کے لئے کچھ چیزیں خریدنی تھیں بھابی جان کو، انہی کے ساتھ گئی تھی۔"

"بڑے زوروں میں تیاریاں ہو رہی ہیں۔"

سلمان بھائی مسکرائے۔

"ہاں بھئی، ماشاء اللہ ان کی پہلی بیٹی کی شادی ہے۔ جتنا بھی کریں تھوڑا ہے۔"

"میری شادی کب کریں گی آپ؟"

سلمان بھائی لاڈ میں آ کر ان کے گلے کے ہار بن گئے۔

"تمہیں تو کوئی لڑکی پسند ہی نہیں آتی۔"

"پسند تو آ گئی ہے ایک لڑکی۔"

"اللہ تیرا شکر ہے۔"

"چچی جان خوش ہو گئیں۔"

"کون لڑکی ہے؟"

انہوں نے پوچھا۔

"آپ گیس کیجئے۔"

"یہ تو مشکل کام ہے، تمہاری تو اتنی ساری لڑکیوں سے واقفیت ہے۔"

"پھر بھی، کوشش تو کیجئے۔"

چچی جان نے کئی لڑکیوں کے نام گنوا دیئے، مگر سلمان بھائی نے نو، ناٹ ایٹ آل اور راگ، کی جرٹ لگانی شروع کی تو چچی جان عاجز آ گئیں۔

"او مائی گاڈ، اتنی ساری لڑکیوں کے نام تو گنوا دیئے، اب کون سی باقی رہ گئی ہے؟"

"ایک دفعہ اور ٹرائی کیجئے۔"

سلمان بھائی مسکرائے۔

"نہیں بھئی، تم خود ہی بتا دو۔"

"ایک چانس اور دیتا ہوں۔"

"ممکن ہے میری غیر موجودگی میں کلب کی تمہاری کوئی نئی فرینڈ بنی ہو۔"

"کلب تو اب میں برائے نام ہی جاتا ہوں۔"

"کیوں؟ کیا آج کل زیادہ بزی رہتے ہو؟"

"ہاں، بس یہی سمجھ لیجئے۔"

سلمان بھائی کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔

"آج تو تم معموں میں باتیں کر رہے ہو۔"

"اچھا، اگر میں آپ کو تھوڑی سی ہنٹ دے دوں تو۔۔۔۔"

"نہیں، اب تم صاف صاف اس کا نام بتا دو۔"

"اس کا مطلب ہے آپ ہار گئیں۔"

"یہی سمجھ لو۔"

"چلئے، میں بتا دیتا ہوں۔"

"بتا دو۔"

"بنفشہ"

"بنفشہ!"

چچی جان حیرت زدہ سی ان کی طرف تکتی رہ گئیں۔

"جی ہاں، آپ کو اتنی حیرت کیوں ہوئی؟"

"بات تو حیرت کی ہے۔"

"کیوں؟"

"تمہاری فرینڈز میں ایک سے ایک اچھی لڑکیاں شامل ہیں، تمہیں بنفشہ پسند آئی"

"بنفشہ میں کیا برائی ہے؟"

"برائی تو کوئی نہیں۔"

"پھر؟"

"اس کا نباہ تمہارے ساتھ نہیں ہو سکے گا۔"

"کیوں؟"

"اس کی پرورش بالکل مختلف ماحول میں ہوئی ہے۔"

"ہاں، یہ تو درست ہے، لیکن رفتہ رفتہ وہ خود ہی عادی ہو جائے گی۔ اس ماحول کی، ورنہ۔۔۔۔"

سلمان بھائی نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

چچی جان نے استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔

"ورنہ میں اپنے آپ کو اس کی مرضی کے مطابق ڈھال لوں گا۔"

"تم!!؟"

چچی جان نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا۔

"جی ہاں۔"

"یہ تو ناممکن ہے۔"

"ناممکن کیوں ہے؟"

"بس مجھے معلوم ہے۔"

"ممکن ہے آپ ہی صحیح کہہ رہی ہوں، لیکن کوشش کرنے میں تو کوئی حرج نہیں ہے۔"

"یہ سب تو ٹھیک ہے لیکن۔۔۔۔"

"لیکن؟"

"بنفشہ کا خاندانی بیک گراؤنڈ کچھ ٹھیک نہیں ہے۔"

"کیا ہوا اس کے خاندانی بیک گراؤنڈ کو؟"

"اس کی ماں کسی کلب کی اسٹیج ڈانسر تھی۔ کلب میں بنفشہ کے فادر سے ملاقات ہوئی۔ وہ بس لو افیئر ہو گئے۔ انہوں نے اس سے شادی کر لی۔ مگر اس وقت وہ دولت مند آدمی تھے۔ شادی کے بعد دو بچے ہوئے۔ بنفشہ کی پیدائش کے بعد انہیں کاروبار میں گھاٹا ہوا۔ ان کی مالی حالت کمزور ہوتی گئی۔ دوسری طرف بنفشہ کی ماں بھی ان سے دن بدن کھنچتی گئی۔ انہی دنوں کلب میں کسی اور سے اس کی فرینڈشپ ہو گئی۔ وہ اس کی طرف انٹرسٹڈ ہو گئی۔ بے چارے ان صاحب نے اسے بہت سمجھایا، بچوں کا واسطہ دیا، لیکن اس سنگدل عورت کے اوپر کسی بات کا اثر نہیں ہوا۔ بس پھر دونوں میں سپریشن ہو گئی۔"

"اوہ، ویری سیڈ۔"

سلمان بھائی تاسف سے بولے۔

چچی جان خاموش بیٹھی کچھ سوچتی رہیں۔

"اپنے بیٹے کو وہ ساتھ لے گئیں؟"

سلمان بھائی نے پوچھا۔

"نہیں۔"

"پھر؟"

"اسے کوئی اٹھا کر لے گیا۔"

چچی جان نے ایک طویل سانس لیا۔

"پوئر گرل۔"

سلمان بھائی نے کہا۔

چند لمحے خاموشی رہی پھر سلمان بھائی نے کہا۔

"مگر ہمارے لئے ان تمام باتوں سے کیا فرق پڑتا ہے ممی؟"

"کیوں نہیں پڑتا۔"

"اس سارے معاملے میں بنفشہ کا تو کوئی قصور نہیں۔"

"میں کب کہتی ہوں کہ اس کا قصور ہے۔"

"تو پھر آپ کو کس بات پر اعتراض ہے؟"

"بھئی، وہ لڑکی تمہیں سوٹ نہیں کرتی۔"

"یہ تو آپ کی غلط فہمی ہے۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر تمہیں اس لڑکی میں کیا نظر آتا ہے؟"

چچی جان کچھ چڑ کر بولیں۔

سلمان بھائی نے سوچا کہ اس بات کا وہ کیا جواب دیں۔ انہیں بنفشہ میں کیا نظر آتا ہے، اس بات کو وہ الفاظ میں کیسے بیان کریں۔

"ایک سے ایک اچھی لڑکیاں تمہارے ننھیال میں موجود ہیں ان میں سے بھی کوئی تمہیں پسند نہیں آئی۔"

"ہاں، بس اپنی اپنی نظر ہوتی ہے۔"

سلمان بھائی کا لہجہ دھیما تھا۔

"کلب میں بھی بڑی اچھی اچھی لڑکیاں ہیں ان میں سے کسی کو پسند کر لو۔"

"یہ زبردستی کا سودا تھوڑی ہے ممی، بس جو پسند آ گئی سو آ گئی۔"

سلمان بھائی مسکرائے۔

"مجھے حیرت ہے، آخر ان میں سے کوئی لڑکی تمہیں کیوں نہیں پسند آئی؟"

"بس نہیں آئی، کیا کروں؟"

چچی جان کچھ دیر خاموش بیٹھی کچھ سوچتی رہیں، پھر بولیں۔

"اچھا بھئی، جیسی تمہاری مرضی، مگر میرا خیال ہے....."

وہ کچھ کہتے کہتے رک گئیں۔

"جی! کیا خیال ہے آپ کا؟"

"میں کہہ رہی تھی پہلے صوفیہ کی شادی ضروری ہے۔"

"جی ہاں، بالکل، میں کب کہتا ہوں کہ پہلے آپ میری شادی کر دیں۔"

"اس کے لئے کچھ پروپوزل آئے ہوئے ہیں، اس کا کچھ انتظام ہو جائے تو"

"جیسے آپ کی مرضی۔"

"اتنے عرصے میں تمہیں بھی موقع مل جائے گا۔"

"کس بات کا موقع؟"

"میرا مطلب ہے بنفشہ کو پرکھنے کا موقع مل جائے گا۔"

"اسے تو میں پرکھ چکا ہوں۔"

"پھر بھی، ذرا یہ ہے کہ اس کی عادات و اطوار کا تمہیں اچھی طرح اندازہ ہو جائے"

"یہ اندازہ بھی میں لگا چکا ہوں۔"

"نہیں میرا خیال ہے کہ جتنا زیادہ عرصے تک ساتھ رہنے کا موقع ملتا ہے اچھی طرح اور واضح طور پر آدمی کی شخصیت سامنے آتی ہے۔"

"ہوں۔"

سلمان بھائی جانے کیا سوچنے لگے۔

"ممکن ہے اس عرصے میں تم کوئی بہتر فیصلہ کر سکو۔"

"میرا فیصلہ تو اب بھی بہتر ہے۔"

"میرا مطلب ہے کہ ہو سکتا ہے کہ بنفشہ کے بارے میں تمہاری رائے تبدیل ہو جائے۔"

"یہ تو ناممکن ہے ممی۔"

سلمان بھائی ہنسے۔

"ارے بیٹا، جتنا میں جانتی ہوں تم نہیں جانتے، اور نہیں جتنا زیادہ میں سمجھتی ہوں کوئی دوسرا تو کیا خود تم بھی نہیں جانتے۔"

"اچھا خیر، اس ذکر کو چھوڑیئے، اب آپ یہ بتایئے کہ دادی اماں اور نانی اماں سے کب بات کریں گی اس سلسلے میں؟"

"ابھی سے بات کرنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"کیوں؟ تو پھر کب کریں گی؟"

"کچھ عرصہ ٹھہر جاؤ۔"

"آخر کیوں؟"

"جب تک صوفیہ کا رشتہ بھی طے ہو جائے گا — اور تمہیں بنفشہ کو اچھی طرح....."

"نہیں ممی، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ صوفیہ کا رشتہ بھی طے ہو جائے گا۔ ساتھ ہی میرا کام کر دیجئے۔"

"بہت بے صبرے ہو رہے ہو۔"

چچی جان نے عجب سے ان کی طرف دیکھا۔

"اوہ ممی، آپ کو نہیں پتہ....."

"مجھے کیا نہیں پتہ؟"

"اصل میں مشکل یہ ہے نا کہ اس کے بغیر وہ لڑکی مجھ سے بات بھی نہیں کرے گی"

"تمہیں کیسے معلوم؟ کوئی بات ہوئی تھی اس سے؟"

"وہ جو آفت کی پرکالا ہے نا شجیعہ۔"

"شجیعہ؟"

"ہاں، اس کی سرپرست بنی پھرتی ہے اس نے صاف کہہ دیا ہے کہ رومیو جولیٹ بننے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اگر نبشہ باجی پسند ہیں تو چچی جان سے کہیئے دادی اماں سے بات کر کے رشتہ طے کریں۔"

"اچھا!"

چچی جان مسکرائیں۔

"ہاں، اور نبشہ کا حال یہ ہے کہ جس دن سے میں نے اپنی پسند کا اظہار کیا ہے بات کرتے ہی رونا شروع کر دیتی ہے۔"

"ہاں، وہ بہت سیدھی سادی لڑکی ہے۔"

"کئی دن تک تو اس نے اپنی صورت نہیں دکھائی۔"

سلمان بھائی نے کہا۔

چچی جان دل ہی دل میں سوچ رہی تھیں کہ سلمان جیسے لڑکے پر نبشہ نے کیا جا

یا ہے۔"

"دادی اماں وغیرہ سے اس سلسلے میں بات ہو جائے گی تو پھر شاید اس کی جھجک دور ہو جائے۔"

"اچھی بات ہے۔ میں آج یا کل ہی ان سے بات کروں گی۔"

چچی جان نے کہا۔

سلمان بھائی اطمینان کا سانس لے کر اٹھ کھڑے ہوئے اور سیٹی بجاتے ہوئے باہر گئے۔

اسی روز ——— رات کو کھانے کے بعد جب سب لوگ ڈرائنگ روم میں جمع تھے۔ چچی جان بھی وہاں پہنچ گئیں۔ آپا جان کا جہیز کا موضوع زیر بحث تھا کہ ابھی کتنی تیاری ہوئی ہے، کیا کیا خریداری کرنی ہے؟ اور کل کی شاپنگ میں کیا کیا خریدنا ہے؟ چچی جان نے موقع غنیمت جان کر اپنا حرفِ مدعا بیان کر دیا کہ کسی کو اپنے کانوں پہ یقین نہیں آیا کہ چچی جان سلمان بھائی کے لئے نبشہ کا رشتہ مانگ رہی ہیں۔ چند سیکنڈ تک تو سب ایک دوسرے کی صورت ہی تکتے رہے۔ جب چچی جان نے دوبارہ اپنی بات دوہرائی تو دادی جان نے یہ کہہ کر بات ٹال دی کہ پھر کسی وقت اس مسئلے پر سوچا جائے گا لڑکی کی رائے بھی معلوم کی جائے گی۔ فی الحال تو شمسہ کی شادی کا بکھیڑا پھیلا ہوا ہے۔

چچی جان کو بھی دادی اماں کی بات مناسب معلوم ہوئی۔ انہوں نے کہا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔"

یوں بات آئی گئی ہو گئی۔ مگر اگلے روز دوپہر کو جب دادی اماں، اماں بیگم، بڑی اماں اور چھوٹی چچی آپا جان کے کچھ کپڑے سینے پرونے بیٹھیں، تو نبشہ اور سلمان بھائی کا ذکر چھڑ گیا

سب کا یہی خیال تھا کہ ویسے تو اس رشتے میں کوئی برائی نہیں، لیکن ڈر اس بات کا
کہ وہ لوگ بنفشہ کو بھی اپنے رنگ میں رنگ لیں گے۔ معلوم نہیں بنفشہ اس ماحول میں
رہ سکے یا نہ رہ سکے۔

اس سلسلے میں دادا جان کی چیئرمین شپ میں کئی خفیہ اجلاس ہوئے۔ ان اجلا
میں طول طویل بحثیں ہوئیں۔ ہر پہلو پہ غور کیا گیا۔ کئی بار دادا جان اور دادی جان میں نوک
بھی ہوئی۔ ان اجلاسوں کی کارروائی قطعی طور پہ کانفیڈنشل اور سیکریٹ رکھی گئی۔ بہت دن
لڑکیوں اور لڑکوں کو کانوں کان خبر نہ ہوئی، کہ اندر ہی اندر کیا کھچڑی پک رہی ہے!
ایک وجہ یہ بھی تھی کہ سب اپنے اپنے امتحانوں کے چکر میں پھنسے ہوئے تھے۔

آخری خفیہ میٹنگ میں یہ طے پایا تھا کہ امتحان ختم ہو جائیں تو بنفشہ سے اس کی
کی جائے گی۔ اس کام کے لئے شجورانی کا سہارا لیا جائے گا۔ امتحان سے پہلے بتانا اس لئے
نہیں تھا کہ کہیں بنفشہ کی توجہ پڑھائی کی طرف سے ہٹ نہ جائے۔

بڑی اماں نے یہ بات بڑے بھیا کو بھی بتا دی تھی۔ بڑے بھیا یہ خبر سن کر کافی دیر
سے بیٹھے رہے۔ پھر بہت دھیمی آواز میں کہا۔

"آپ لوگ اسے پڑھ تو لینے دیجئے۔ کم از کم"

"پڑھ تو رہی ہے، بس امتحان سے فارغ ہو جائے"

"کیا مطلب ہے؟ کیا صرف بی اے تک پڑھائیں گے؟"

"اے تو کیا پی۔ ایچ۔ ڈی کرا کے بوڑھا کرنا ہے اسے؟"

"ہاں، اگر اس کی مرضی ہوئی تو پی۔ ایچ۔ ڈی کرا دوں گا"

"تم سارے لڑکے لڑکیوں کے تو دماغ خراب ہو گئے ہیں"

بڑی اماں بولیں۔

"اور یہ بوڑھا کرنے والی بات بھی آپ نے خوب کہی"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ بنفشہ تو ابھی بہت کم عمر ہے"

"شجو کے ساتھ کی ہے"

"تو وہ کونسی بڑھیا ہو گئی ہے اور پھر....."

بڑے بھیا نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

بڑی اماں نے سوالیہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔

"پہلے اس کی مرضی تو معلوم کر لیجئے، زبردستی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس
کے ساتھ"

"زبردستی کون کر رہا ہے؟ امتحان سے فارغ ہو جائے تو مرضی بھی معلوم کر لیں گے"

"ہاں، بالکل، یہ بہت ضروری ہے، وہ غریب تو بے زبان ہے، ہر بات پہ سر جھکا نا آتا ہے اسے"

"اچھا، اب تم اپنی تو کہو"

بڑی اماں حرفِ مدعا اپنی زبان پہ لے ہی آئیں۔

"کیا؟"

"تم کب کرو گے شادی؟"

"آپ گھوم پھر کر میری ہی شادی کا ذکر کرتی ہیں"

بڑے بھیا مسکرائے۔

"سب ہی کی شادیوں کی فکر ہے مجھے تو"

"لیکن ساتھ میں مجھے ضرور گھسیٹتی ہیں۔"

"تم نے بھی تو مجھے عاجز کر رکھا ہے کسی طرح حامی ہی نہیں بھرتے۔"

"فی الحال تو میرا موڈ ہی نہیں ہے شادی کرنے کا۔"

"بڑھاپے میں موڈ ہوگا شادی کرنے کا؟"

"کچھ کہا نہیں جا سکتا۔"

"میں زبردستی کروں گی تمہاری شادی، سمجھ گئے میاں؟"

بڑی اماں نے کہا۔

"میرا کیا ہے؟ آنے والی اپنی قسمت کو روئے گی عمر بھر۔"

بڑھیا نے لاپروائی سے کہا۔

"تمہارے منہ میں خاک۔"

بڑی اماں جل کر بولیں۔

"بس پھر زبردستی کبھی نہ کیجئے گا میرے ساتھ۔"

"میری بلا سے، جو تمہارا جی چاہے کرو، اپنے آپ پچھتاؤ گے۔"

بڑی اماں اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"ارے، تو آپ جا کہاں رہی ہیں، بیٹھئے۔"

"نہیں میاں، بس مہربانی کرو میرے حال پہ۔"

"کیوں؟"

"کونسی نہال ہوئی جا رہی ہوں میں تمہارے پاس بیٹھ کے۔"

بڑی اماں اپنے بھاری بھرکم جسم کو سنبھالتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئیں۔

بنفشہ اور شجیعہ جس دن آخری پرچہ دے کر ہال سے باہر آئیں تو انہوں نے اس طرح میدان کا سانس لیا جیسے قید سے چھوٹ کر آ رہی ہوں۔

"اب کیا پروگرام ہے بنفشہ باجی؟"

شجو نے مسکرا کر پوچھا۔

"گھر چلتے ہیں اور کیا پروگرام ہوگا؟"

بنفشہ نے کہا۔

شجو کسی سوچ میں پڑ گئی۔

"تم کس سوچ میں پڑ گئیں؟"

"ہوں، میرا تو کوئی اور پروگرام ہے۔"

"وہ بھی بتا دو۔"

"ماموں جان کے یہاں چلتے ہیں۔"

"ماموں جان کے یہاں؟"

بنفشہ نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں، آپ کو حیرت کیوں ہو رہی ہے؟"

"اماں بیگم منع کرتی ہیں نا۔"

"تو ہم کونسا اُن کی بات مان کے دیتے ہیں؟"

شجو نے مسکرا کر کہا۔

"مگر یہ تو بُری بات ہے، وہ ناراض ہوں گی۔"

"ان کی یہ ناراضگی بے جا ہے۔ آخر ہم کیوں نہ ملیں اپنے ماموں سے؟"

شجو نے تنک کر کہا۔

"اگر اُن کو پتہ چل گیا تو؟"

"چل جائے پتہ، بلکہ میں خود بتاؤں گی انہیں۔"

شجو نے کہا۔

بنفشہ چپ چاپ اس کی طرف تکتی رہی۔

"اب تو میں ڈنکے کی چوٹ پہ ملوں گی ان لوگوں سے — اماں بیگم جتنا منع کریں گی اتنا ہی جاؤں گی ان کے یہاں، مجھے بھی ضد ہے۔"

غصے میں شجو رانی لال چقندر بن گئیں۔

بنفشہ پھر بھی کچھ نہیں بولی۔

"آپ کو اگر میرا ساتھ دینا ہے تو دیجئے، ورنہ میں اکیلی چلی جاؤں گی۔"

شجو نے کہا۔

"افوہ، اتنا غصہ؟"

بنفشہ مسکرائی۔

"ہاں، بس جلدی فیصلہ کیجئے۔"

شجو کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ تک نہ آئی۔

"نکر نہ کرو، میں تمہارا ساتھ دوں گی۔ مگر ضروری ہے کہ آج ہی ان کے یہاں جاؤ؟"

"ہاں، آج، ابھی اور اسی وقت۔"

شجو نے ایک ایک لفظ پہ زور دیا۔

"چلو، جیسی تمہاری مرضی، مگر اپنا موڈ ٹھیک کر لو۔"

بنفشہ نے کہا۔

شجو کا غصہ تو ایسا ہی ہوا کرتا تھا، اِدھر آیا اور اُدھر گیا۔

فوراً بتیسی باہر نکل آئی۔

کالج گیٹ سے باہر نکل کر دونوں نے رکشہ پکڑا اور بڑے ماموں جان کے گھر چل دیں۔

رکشہ گھر کے سامنے رُکا تو ممانی جان عباس بھائی کے کمرے سے نکلتے ہوئے رُک گئیں۔ انہوں نے دریچے کا پردہ سرکا کر باہر جھانکا اور ان کا چہرہ ایک دم کھل اُٹھا۔

"کون ہے امی؟"

عباس بھائی نے پوچھا۔

"شجیعہ اور بنفشہ ہیں۔"

ممانی جان کے چہرے سے خوشی چھلکی پڑ رہی تھی۔

عباس بھائی بستر سے اٹھنے لگے۔

"تم کیوں اُٹھ رہے ہو، لیٹے رہو۔"

ابھی آگ مذاق اڑائیں گی شجیعہ! کہ ذرا سا بخار ہو گیا تو بستر پہ پڑ گئے۔"

عباس بھائی مسکرائے۔

"اس کی باتیں تو بس ایسی ہی ہوتی ہیں۔"

ممانی جان نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ ان کی آواز سے شدید محبت کا اظہار ہو رہا تھا۔

شجو رانی دروازے کے قریب پہنچتے ہی زوردار انداز سے سلام جھاڑتے ہوئے ممانی جان سے لپٹ گئیں۔ بنفشہ کی آواز حسبِ معمول مدھم تھی۔ شجو رانی الگ ہٹیں تو انہوں نے بنفشہ کو گلے سے لگا لیا۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی شجو کی نظر عباس بھائی پہ پڑی وہ حیرت زدہ سی ہو کر
جلدی جلدی آنکھوں کو ملتے ہوئے بولی۔

"ارے! آپ! اس وقت؟ اور گھر میں؟"

"جی جناب!"

عباس بھائی مسکرائے۔

"خیریت تو ہے؟"

"ہاں سب خیریت ہے۔"

عباس بھائی نے کہا۔

"نہیں بیٹی، طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

ممانی جان بولیں۔

"کیا ہوا طبیعت کو؟ مجھے تو بھلے نظر آرہے ہیں۔"

شجو نے کہا۔

"کافی تیز بخار ہے۔"

ممانی جان مسکرائیں۔

"ذرا دیکھوں تو۔"

"شجو نے آگے بڑھ کر ان کی پیشانی پہ ہاتھ رکھا۔

"یہ کہیں ٹھنڈا بخار ہوگا۔"

شجیعہ نے کہا۔ حالانکہ پیشانی چھوتے ہی اسے احساس ہوا تھا کہ واقعی تیز بخار ہے۔

"میں تمہاری عادت اچھی طرح جانتا ہوں، اسی لئے اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ ہیں نا؟"

عباس بھائی نے کہا۔

ممانی جان اس بات کا جواب تو کیا دیتیں؟ ان دونوں کی نوک جھونک پہ ہنسنے لگیں۔

بنفشہ دریچے کے قریب رکھی کرسی پہ بیٹھی ان لوگوں کی باتیں سن کر مسکرا رہی تھی ممانی جان کمرے سے باہر نکلنے لگیں تو روحی سے ٹکراتی ٹکراتی بچیں جو شمع کے ساتھ کمرے میں داخل ہو رہی تھیں۔

"آج میں آپ لوگوں سے بات کرنے نہیں آئی ہوں۔"

شجو نے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیوں؟ کیا قصور ہو گیا ہم لوگوں سے؟"

"آپ لوگوں کا قصور یہ ہے کہ ابھی آپ لوگوں کے امتحان ختم نہیں ہوئے۔"

"ذرا اپنی بات کی وضاحت کرو۔"

روحی نے کہا۔

"مطلب یہ کہ ہم تو اپنے امتحانوں سے فرصت پا کر آرہے ہیں۔"

"پھر؟"

"پھر یہ کہ آپ کو ڈسٹرب کرنا نہیں چاہتے۔ ممانی جان سے ملنے آئے ہیں۔"

"مگر ہم تو بات کریں گے، چند گھنٹوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"جی ہاں، اور بعد میں مجھے کوسیں گی، یہ بھی تو کہئے۔"

"بڑی بدگمان ہو ہماری طرف سے۔"

"ہاں، معاملہ کچھ ایسا ہی ہے۔"

شجو نے ایک انگلی سے سر کھجاتے ہوئے کہا۔

"تم بھی تو کچھ بولا کرو بنفشہ!"

عباس بھائی نے کہا۔

"جی، میں بھی بولتی ہوں۔"

بنفشہ ان کے ایک دم مخاطب کرنے پر بوکھلا گئی، کوئی اور جواب ہی نہ بن پڑا۔

"کب بولتی ہو؟ میں تو تمہیں ہمیشہ چپ چاپ بیٹھے ہی دیکھتا ہوں۔"

عباس بھائی مسکرائے۔

"گھر میں بولتی ہوں۔"

"یہ کیا جنگل ہے؟"

عباس بھائی کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔

"جی نہیں تو ـــــ اپنے گھر میں بولتی ہوں۔"

بنفشہ اور زیادہ بوکھلا گئی۔

"یہ بھی تمہارا ہی گھر ہے۔"

عباس بھائی یہ بات کہتے ہوئے ایک دم سنجیدہ ہوگئے۔ ان کی آنکھیں سوچوں میں ڈوب گئیں۔

"صرف ہم لوگوں کے سمجھنے سے کیا ہوتا ہے عباس بھائی۔"

شجو رانی بھی خاصی سنجیدہ ہوگئیں۔

"ہوں ٹھیک کہتی ہو تم۔"

عباس بھائی کی آنکھوں میں سوچیں اور گہری ہوگئیں۔

روحی اور شمع نے بھی موضوع کی سنجیدگی کو محسوس کیا، لیکن انہوں نے سوچا، ان سب باتوں پر غور و فکر کرنا بیکار ہے، کچھ حاصل نہ ہوگا۔ مل جل کر ہنسی خوشی میں جتنے لمحے بھی گزر جائیں۔

وہی غنیمت ہیں۔

"ان باتوں میں کیا رکھا ہے، کوئی اور ڈھنگ کی بات کیجئے آپ لوگ۔"

شمع نے کہا۔

شجو رانی نے سوچا کہ شمع باجی ٹھیک ہی کہتی ہیں ـــــ ایسی باتوں کے لئے اپنا ذہن خراب کرنے کا کیا فائدہ؟ فوراً اپنا موڈ خوشگوار کرتے ہوئے بولیں۔

"ڈھنگ کی بات یہ ہے کہ کھانے کو کیا ملے گا آج؟"

"جو بھی پکا ہوگا مل جائے گا۔"

"وہی تو پوچھ رہی ہوں، کیا پکا ہے؟"

"یہ تو امی سے پوچھ کر بتا سکتی ہوں۔"

"آپ کو گھر داری سے کوئی مطلب نہیں ہے؟"

"امتحان ہونے والے ہیں بھئی، آج کل تو ہم باورچی خانے میں جھانکتے بھی نہیں۔"

"امتحان تو ہم بھی دے کر آرہے ہیں۔"

"ہاں تو کیا ہوا؟"

"ہم بھی تو آخر کام کرتے ہیں؟"

"کیا کام کرتی ہو تم؟"

شمع مسکرائی۔

"لیجئے، آپ کو کچھ خبر ہی نہیں۔"

"تو تمی کچھ بتاؤ۔"

"گھر داری کی کل ذمہ داری ہم دونوں کے سر پہ ہے۔"

شجو نے بڑی صفائی سے جھوٹ بولا۔

"اچھا!"

شمع نے مصنوعی حیرت سے کہا۔

"ہاں اور کیا، صبح پانچ بجے سے اٹھ کر ہم دونوں ناشتہ تیار کرتے ہیں پورے گھر کا۔"

"ہوں۔"

شمع نے اپنی مسکراہٹ ضبط کرتے ہوئے گردن ہلائی۔

"گھر میں افراد بھی تو ایک بٹالین برابر ہیں۔"

شجو نے سنجیدگی سے کہا۔

ماشاء اللہ، نظر نہ لگے۔

روحی نے جلدی سے کہا۔ وہ گھر کے افراد کی گنتی کرنا بہت برا سمجھتی تھی۔

"اچھا اور سنئے!"

شجو عباس بھائی کے بستر کے پائنتی پر سنبھل کر بیٹھ گئیں۔

"ہاں، سنائیے۔"

روحی نے کہا۔

"دوپہر کو تھکے ہارے واپس آتے ہیں کالج سے تو سارے گھر کا کھانا پکاتے ہیں۔"

"کیوں؟ وہ خانساماں، شیراتن بوا....."

"ارے سب ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے ہیں، ہمارے انتظار میں!"

شجو رانی نے بڑے غصے والا منہ بنایا۔

"تو پھر ان لوگوں کو بیکار ہی رکھ چھوڑا ہے۔"

شمع نے کہا۔

"ہاں بالکل، میں تو کہتی ہوں نکال باہر کرنا چاہیئے ان لوگوں کو مفت کی روٹیاں توڑ رہے ہیں۔"

شجو نے کہا۔

"اچھا اور رات کا کھانا کون پکاتا ہے؟"

روحی نے اس کی بات سے لطف اندوز ہو کر کہا۔

"وہ بھی ہم ہی پکاتے ہیں اور کون پکائے گا۔ دو گھڑی کو کمر ٹکانے کی بھی فرصت نہیں ملتی۔"

"تو پھر وہ پھوپھی جان اور بڑی اماں وغیرہ کیا کرتی ہیں؟"

شمع نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ان لوگوں کو باتیں بنانے سے ہی فرصت نہیں ملتی اور پھر ویسے بھی میں سوچتی ہوں کہ اب ان لوگوں کی عمر آرام کرنے کی ہے۔"

"ہاں، یہ تو ٹھیک ہے، لیکن شمسہ اور عمرانہ بھی کچھ نہیں کرتیں؟"

"وہ دونوں یونیورسٹی جاتی ہیں، یونیورسٹی سے بھی تو کالے کوسوں، اور وہاں سے آکر تھک جاتی ہیں، اور پھر سچی بات تو یہ ہے کہ میری اور بنفشہ باجی کی عادت ہی نہیں کہ ہم اپنے ہوتے ہوئے کسی کو تکلیف دیں۔"

"ہاں، یہ تو بڑی اچھی بات ہے، مگر آج تم لوگ ادھر آ گئی ہو تو وہاں کیا ہوگا؟"

"ہوگا کیا؟ بلّو بلّو پڑی ہوئی ہوگی وہاں۔"

شجو نے کہا۔

اس کے بعد تو شمع اور روحی سے اپنی ہنسی ضبط کرنا مشکل ہو گیا انہیں اچھی طرح معلوم

تھا کہ شجو کو ڈھنگ سے چائے تک بنانی نہیں آتی ہے۔

شمع نے اسے ایک دھپ لگاتے ہوئے کہا۔

"شجو، جھوٹ بولا کرو مگر اتنا زیادہ نہیں۔"

"اگر میں جھوٹ بول رہی ہوں تو نفیسہ باجی سے پوچھ لیجئے۔"

شجو نے کہا۔

"بہت بکواس ہو چکی شجیعہ۔"

عباس بھائی نے ہنس کر کہا۔

"اچھا تو نفیسہ باجی سے تصدیق کروا لیجئے، ان تمام باتوں کی۔"

"اس سے کیا پوچھ لوں، وہ بھی تو تمہاری صحبت میں رہتی ہے فوراً ہاں میں ہاں ملائے گی۔"

"پوچھ کے تو دیکھ لیجئے۔"

شجو بیگم مصر تھیں۔

عباس بھائی نے نفیسہ کی طرف دیکھا، جو اپنی ہنسی روکے بیٹھی تھی۔

"ہاں، اب آپ کچھ فرمائیے۔"

عباس بھائی نے کہا۔

"کیا فرماؤں؟"

"یہ بکواسی لڑکی جو کچھ کہہ رہی ہے اس میں کتنی صداقت ہے۔"

"ایک پائی کی بھی نہیں۔"

نفیسہ نے کہا۔

"حد ہو گئی نفیسہ باجی، آپ سے تو مجھے ایسی امید بالکل نہیں تھی۔"

شجو نے اپنا سر پیٹ کر کہا۔

"اب بکو تم۔"

عباس بھائی نے شجو کی طرف دیکھا۔

"سوائے اس کے اور کیا کہہ سکتی ہوں کہ اپنی عمرِ عزیز کے اتنے سارے بیش قیمت سال ان کے ساتھ ناحق گنوائے۔"

شجو نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیوں! خیریت؟"

رومی نے پوچھا۔

"میری ٹریننگ کا کرتی برابر بھی تو اثر قبول نہیں کیا انہوں نے۔"

"اچھا ہی ہوا، ورنہ بالکل چوپٹ ہو کر رہ جاتی۔"

"عنقریب ہی بنفشہ باجی کی منگنی ونگنی قسم کی کوئی چیز ہونے والی ہے"

"اچھا، کب؟ کس سے؟"

سب نے پوچھا۔

"غالباً سلمان بھائی سے"

شجو اپنی رو میں کہے گئی۔ یہ نہیں دیکھا کہ بنفشہ کے چہرے کا رنگ ایک ا
اس کی آنکھوں سے چھلکتے ہوئے دکھ اور پریشانی کو کسی نے نہیں دیکھا۔ سب ا
دے رہے تھے۔ اور وہ پلکیں جھپکائے گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔ جا
بھائی کو یکایک اس کی کیفیت کا احساس ہوا —— وہ پلکیں جھپکائے بنا ٹ
اس کے چہرے کی طرف دیکھنے لگے، مگر پھر دوسروں کی موجودگی کا احساس

طریں ہٹالیں۔ اسی وقت ممانی جان کھانے کے لئے بلانے آگئیں۔ شجیعہ بیگم تو
ا نام سنتے ہی چھلانگ لگا کر کمرے سے باہر نکل گئیں۔ روحی اور شمع بھی بنفشہ
ر شجو کے پیچھے نکل گئیں۔ بنفشہ اپنی جگہ گم صم سی بیٹھی رہ گئی۔ سچی بات یہ تھی کہ
ت اسے شجو کی بات سے بڑا دکھ پہنچا تھا وہ سوچ رہی تھی کہ شجیعہ کو قبل از وقت
ت کا ذکر نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ پتہ نہیں کیوں اسے اپنے ہاتھ، پیر بے جان سے
ہوئے۔ اسے ایسے لگا جیسے دماغ سن ہو کر رہ گیا ہو۔ اسے اس بات کا بھی خیال
رہا کہ ابھی ممانی جان کھانے کے لئے کہہ کر گئی ہیں اور نہ ہی اسے اس بات کا احساس
وہ اپنے کمرے میں نہیں بلکہ عباس بھائی کے کمرے میں بیٹھی ہے عباس بھائی
دروازہ سے بیٹھے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"کیا بات ہے بنفشہ؟"

عباس بھائی نے پوچھا تو اس نے چونک کر ان کی طرف دیکھا اور اسی لمحے اس
پلکیں آنسوؤں سے دھندلا گئیں۔ اس نے اپنے آنسوؤں کو پینے کی بڑی کوشش کی،
اور رخساروں پہ پھسل ہی پڑے۔

"تم —— رو کیوں رہی ہو؟"

عباس بھائی نے پوچھا۔

"جی، نہیں تو۔"

بنفشہ نے جلدی سے اپنے آنسو پونچھ لئے۔

اسی وقت شمع اسے دوبارہ بلانے آگئی، لیکن کمرے میں داخل ہوتے ہی وہ
ٹھٹک کر رہ گئی۔

" کیا بات ہے عباس بھائی ؟"

شمع نے پوچھا۔

" معلوم نہیں۔"

" بنفشہ ؟"

شمع نے آگے بڑھ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

" کچھ نہیں، کچھ بھی تو نہیں شمع باجی۔"

بنفشہ نے گھبرا کر کہا اور جلدی سے کمرے سے باہر نکل گئی

" آپ سے کوئی بات ہوئی عباس بھائی ؟"

" نہیں شمو، وہ جتنی بات کرتی ہے تمہیں معلوم ہی ہے۔"

" تو پھر کیا قصہ ہے ؟"

" میں نے تو یہ محسوس کیا ہے کہ جس وقت سے شجیعہ نے ان کی منگنی کا اسی وقت سے . . . . ."

" اچھا، میں نے غور نہیں کیا۔"

شمع نے کہا اور روحی کو آواز دیتے پر چلی گئی۔

عباس بھائی اتنی دیر سے محض شرما حضوری میں بیٹھے ہوئے تھے حالت غیر ہو رہی تھی۔ شمع کے جاتے ہی وہ لیٹ گئے، مگر بنفشہ کی کیفیت کا ذہن ایک دم پریشان ہو کر رہ گیا تھا۔

" معلوم نہیں وہ کیوں روئی تھی ؟"

انہوں نے آنکھیں بند کر کے سوچا۔

ار ذہن مسلسل اسی کے بارے میں سوچنے لگا۔ اسی کے متعلق سنی سنائی باتیں —

۔بہت پرانی!

یدہ بیگم بنفشہ کے بار بار ٹوکنے پر بھی شام سے پہلے ماموں جان کے گھر سے نہیں

بنشہ کا ذہن ایک تو ویسے ہی پریشان تھا، اوپر سے اس ڈر کے مارے اور بھی

رہ اثر کر رہ گیا کہ گھر پہنچنے پر اماں بیگم اچھی طرح خبر لیں گی۔ مگر شجو کو ناراض کرنا بھی

ارہ نہیں تھا۔ اندر ہی اندر گھٹتی رہی۔

لا پھر وہی ہوا جو ہونا چاہیئے تھا جب وہ دونوں گھر پہنچیں تو اس وقت تو اماں بیگم

بیر نہیں ہوئی۔ ڈاکٹر وصی کی بہن اور ان کی اماں آئی ہوئی تھیں۔ شاید آپا جان سے

پسند کروانی تھیں۔ دونوں دم دبا کر اپنے کمرے میں گھس گئیں۔ شجو نے اطمینان

یا کہ چلو کچھ دیر کے لئے تو مصیبت ٹلی رہے گی، لیکن بنفشہ یہ سوچ رہی تھی کہ آخر

ماں کب تک خبر منائے گی۔ ان لوگوں کے جانے کے بعد جھاڑ پڑے گی۔

رچا کہ اس وقت ان لوگوں کو سلام کے لئے جانا خطرے سے خالی نہ ہوگا، لہذا

کرنا چاہیئے آرام سے بستر پر پڑ گئیں۔ بنفشہ سہمی ہوئی سی کرسی پر بیٹھ گئی۔

بی نہیں گزرے تھے کہ چھٹ باجی کو اماں نے قاصد بنا کر دوڑایا وہ اپنی بیتیسی

رے میں داخل ہو گئیں۔

ملاؤں کو اماں بیگم بلا رہی ہیں۔"

یوں ؟"

شجو نے انجان بن کر پوچھا۔

علوم نہیں۔"

"آپا جان کی ساس اور نند کو سلام کرنے کے لئے بلا رہی ہوں گی۔"
شجو نے ناک چڑھائی۔
"ممکن ہے۔"
چھٹ باجی نے بنفشہ کے اترے ہوئے چہرے کی طرف دیکھا۔
"بھئی ہمیں ضرورت نہیں ہے ان کی دعاؤں کی۔"
شجو نے چڑچڑے پن کا مظاہرہ کیا۔
"یہ بات اماں بیگم سے ہی جاکر کہو۔"
چھٹ باجی بولیں۔
"فرصت نہیں ہے ہمیں۔"
شجو نے لاپرواہی سے کہا۔
"اور یہ تو بتاؤ تھیں کہاں صبح سے؟"
"امتحان دینے گئے تھے۔"
"ابھی تک امتحان ہی ہو رہا تھا۔"
چھٹ باجی معنی خیز انداز سے مسکرائیں۔
"نہیں، امتحان تو دوپہر کو ہی ختم ہو گیا تھا۔"
"پھر؟"
"پھر کیا؟ آپ تو دوسری اماں بیگم بن گئی ہیں۔"
شجو نے جھنجلا کر کہا۔
"سیدھی طرح بتا دو، کہاں گئی تھیں۔"

چھٹ باجی کو اسے تنگ کرنے میں خاصا لطف آ رہا تھا۔
"اماں جان کے یہاں گئے تھے اور کہاں جاتے؟"
شجو نے ڈھٹائی سے کہا۔
"کیوں شامت آئی ہے شجو تمہاری؟"
"شامت کی کیا بات ہے؟"
"ابھی اچھی طرح خبر لیں گی اماں بیگم، پھر پتہ چلے گا۔"
"اس میں خبر لینے والی تو کوئی بات ہی نہیں ہے۔"
شجو نے لاپرواہی سے کہا۔
"جب وہ ناراض ہوتی ہیں۔۔۔۔۔۔"
"ہوتی ہیں تو ہوا کریں۔ اب تو میں ڈنکے کی چوٹ پہ جایا کروں گی ان کے یہاں۔"
شجو کا پارہ پھر ہائی ہو گیا۔
"کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ کیوں بدتمیزی پہ کمر باندھی ہے تم نے؟"
چھٹ باجی نے حیرت زدہ ہو کر کہا۔
"آپ ہی لوگ مجھے بدتمیزی پہ اکساتے ہیں۔"
"کیوں؟ ہم نے کیا کیا؟"
"ظاہر ہے آپ آپا جان، سجاد بھائی اور شکیل بھیا مجھ سے بڑے ہیں۔ یہ آپ لوگ کا کام ہے کہ ان اختلافات کو ختم کریں۔ جب آپ لوگ کوئی قدم نہیں اٹھاتے تو مجبوراً مجھے۔۔۔۔۔۔"
"بھئی ہم میں تو اتنی ہمت نہیں ہے۔"

" کیوں نہیں ہے ہمت، اماں بیگم کوئی حوّا تو نہیں ہیں۔"

" اونہہ، تم جانو، تمہارا کام جانے، جب سب کے سامنے خبر لی جائے گی تو آپ دماغ ٹھکانے آجائے گا۔"

" یہ بھی ایک ہی رہی۔"

" ایک اور دو تو مجھے معلوم نہیں، یہ ضرور معلوم ہے کہ تم ہمیشہ ہی ڈانٹ کی بغیر دُبلی رہتی ہو۔"

شجو بیگم کوئی جلا بُھنا ہوا سا جواب دینے ہی والی تھیں۔ کہ اماں بیگم کا فتو آگیا۔

" بیگم صاب۔ بلا رہی ہیں آپ لوگوں کو۔"

" اچھا بابا، آ رہے ہیں، پورا گھر دوڑا چلا آئے گا بلانے کے لئے۔"

شجو نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

" اونہہ، اس بدتمیز کے منہ کون لگے؟"

چھوٹے باجی منہ بنا کر چلی گئیں۔

" آیئے، انہیں سلام پیش کر آئیں۔"

شجو نے طنزیہ انداز میں بنفشہ سے کہا۔

دونوں آگے پیچھے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئیں۔ بنفشہ غریب تو سہمی ہوئی تھی، لیکن شجو رانی کا انداز وہی دیرانہ تھا۔ سلام بھی کیا تو لٹھ مار کر، لبوں پہ بھی مسکراہٹ نہ تھی بلکہ ماتھے پہ تیوریاں ہی پڑی ہوئی تھیں۔ اس بات کو کیا کہ بہن کی سسرال کا معاملہ ہے۔ بس، ان کا موڈ ہی ایسا تھا، خراب ہوا

...ت بن جاتی تھیں۔ اماں بیگم نے انہیں خشمگیں نگاہوں سے گھورا، انداز بالکل ایسا ہی تھا ...ے کہہ رہی ہوں، ذرا ان لوگوں کو چلا جانے دو۔ پھر میں تمہارے مزاج پوچھوں گی۔ مگر شجو ...آج کسی بھی بات کی پرواہ نہ کرنے کا تہیہ کئے بیٹھی تھیں۔ آپا جان کی ہونے والی ...نے بڑی پیاری سی مسکراہٹ ہونٹوں پہ بکھیر کر نرم اور میٹھے لہجے میں اپنے پاس بیٹھنے ...پیش کش کی، تو من بھر کا تو بڑا سا جا کر بیٹھ گئیں۔ وہ بے چاری امتحان اور پرچوں کے بارے ...پوچھنے لگی۔ شجو رانی نے جواب تو جبر مجبوراً ہر بات کا دیا، لیکن انداز تمام وقت وہی لٹھ ...نے والا رہا۔ بلکہ اس کی خوش مزاجی پہ کچھ چڑ سی گئیں۔ دل ہی دل میں کہہ رہی ہیں۔

" ہنہ، سب بناوٹ ہے، ابھی آپا جان کو بیاہ کر نہیں لے گئیں نا، دنیا زمانے کی ...ٹھیر ہی اپنی آواز میں سمو رکھی ہے۔ بعد میں جب لہجے میں زہر گھولیں گی جب پوچھوں گی ...اہی چبا جاؤں گی اگر آپا جان کے ساتھ برا سلوک کیا۔"

اس غریب کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی کہ یہ دل ہی دل میں مجھے کیا کہہ رہی ہے لیکن سچی بات تو یہ تھی کہ اس وقت شجو کا زیادہ قصور تھا ہی نہیں۔ اب اس کا موڈ ہی اس وقت خراب تھا وہ کیا کرتی؟ ورنہ وہ کبھی کسی کے بارے میں اس قسم کی باتیں نہیں سوچتی ...ی، اور پھر آپا جان کے سسرال والے تو اسے پہلی ہی نظر میں بہت بھا گئے تھے اب تو ان لوگوں کی قسمت تھی کہ وہ ایسے دن آ کر اس سے ٹکرا گئے تھے جب وہ ایک دم ...بیزار سی ہو رہی تھی۔

شجو رانی کچھ دیر ان کے پاس بیٹھ کر بنفشہ کے ساتھ اپنے کمرے میں واپس آگئیں۔ ...ہی پہ بیٹھ کر اپنی لمبی لمبی ٹانگیں بستر پہ پھیلا دیں۔ ٹرانسسٹر آن کر دیا اور آنکھیں بند ...کر کے گانے سننے لگیں۔ بنفشہ بستر پہ ایک طرف سکڑ سمٹ کر بیٹھ گئی وقت گزاری کے لئے

ایک رسالہ اٹھا کر اس کے اوراق الٹنے لگی۔ اماں بیگم ان لوگوں کو رخصت کر کے تیزی سے
ان لوگوں کے کمرے میں آئیں۔ شنجو رانی نے ان کے قدموں کی آہٹ سن کر پہچان لی
لی تھی، مگر پھر بھی اسی طرح آنکھیں بند کئے بیٹھی رہیں۔

"شنجو رانی!"

اماں بیگم نے ان کے سامنے پہنچ کر کہا۔

شنجو رانی نے چونکنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے آنکھیں کھولیں اور ان کی طرف دیکھا
اور پاؤں نیچے لٹکا کر سنبھل کر بیٹھ گئیں۔

"جی اماں بیگم!"

"صبح سے کہاں غائب تھیں؟"

اماں بیگم کا لہجہ زیادہ سخت نہیں تھا۔

"صبح سے دوپہر تک تو امتحان ہی ہوتا رہا"

شنجو نے اطمینان سے کہا۔

"پھر؟ اس کے بعد؟"

"اس کے بعد ماموں جان کے ہاں چلی گئی تھی"

"کیوں؟ کس سے پوچھ کر گئی تھیں؟"

"اماں بیگم، آپ کے سوال کے پہلے حصے کا جواب تو یہ ہے کہ دل چاہ رہا تھا
اور دوسرے......"

"شنجو!"

اماں بیگم نے انتہائی غصے سے کہا۔

"جی۔"

شنجو نے بڑی سعادت مندی سے کہا۔

"نہیں معلوم ہے میں ان لوگوں کے یہاں زیادہ آنا جانا پسند نہیں کرتی"

"زیادہ کہاں جاتی ہوں۔ ایک مہینہ ہو گیا......"

"اچھا، تو تم اس سے پہلے بھی جا چکی ہو مجھ سے پوچھے بغیر!"

اماں بیگم کو اور غصہ آ گیا۔

"جی ہاں، آپ نے پوچھا ہی نہیں تھا ورنہ بتا دیتی"

شنجو نے بغیر کسی ڈر خوف کے کہا۔

"تم بہت بدتمیز ہو گئی ہو"

اماں بیگم نے اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے کہا۔

"میں نے تو کوئی بدتمیزی نہیں کی"

شنجو نے معصومیت سے کہا۔

"یہ بدتمیزی نہیں تو اور کیا ہے؟ تمہیں وہاں جانے کو منع کیا جاتا ہے اور تم بغیر
پوچھے وہاں چلی جاتی ہو"

"تو آپ منع ہی کیوں کرتی ہیں؟"

شنجو نے کہا۔

اماں بیگم چند لمحے حیرت زدہ سی اس کی طرف تکتی رہیں۔ شنجو سے اتنی بدتمیزی کی توقع
انہیں ہرگز نہیں تھی۔ مانا کہ وہ بدتمیز تھی اور ہمیشہ سے تھی، لیکن یہ آج والا روپ انہوں
نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ بڑی مشکل سے انہوں نے اپنے لہجے پر قابو پایا اور لہجے کو

قدرے نرم بناتے ہوئے بولیں۔

"جو کچھ کہا کر[illegible]"

"آپ کی ہر بات [illegible] اماں بیگم، لیکن یہ بات نہیں مان سکتی۔"

شبو نے آہستہ سے کہا۔

"کیا مطلب؟ یعنی تم وہاں جاؤ گی؟"

"جی۔"

"میں منع کروں، جب بھی؟"

اماں بیگم نے غصے سے پوچھا۔

"منع کریں گی تو اور زیادہ جاؤں گی۔"

شبو رانی کا انداز کسی ضدی بچے کا سا تھا۔

"کیوں تمہاری شامت آئی ہے شبو؟"

اماں بیگم زور سے چیخیں۔

شبو نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"معلوم نہیں کیا جادو کر دیا ہے ان لوگوں نے تمہارے اوپر؟ آخر اور بھی تو بچے ہیں۔"

"وہ تو سب بزدل ہیں۔"

شبو نے اطمینان سے کہا۔

"یا میرے خدا؟ کیا ہو گیا ہے اس لڑکی کو؟"

اماں بیگم نے اپنا سر پیٹ لیا۔

"گھر بھر کے لاڈ پیار نے تمہیں بالکل چوپٹ کر کے رکھ دیا ہے نہیں، دو کوڑی کی بھی نہ رہیں تم تو۔"

اماں بیگم نے کھا جانے والی نظروں سے شبو کو گھورا۔

"اماں بیگم، میں تو آپ کے سامنے ایک تجویز بھی پیش کرنے والی تھی۔"

شبو نے اس طرح کہا جیسے بڑے خوشگوار ماحول میں ان دونوں کی گفتگو ہو رہی تھی۔

"جہنم میں جائے تمہاری تجویز۔"

اماں بیگم جل کر بولیں۔

"سن تو لیجئے، میں یہ کہہ رہی تھی کہ اگر سجاد بھائی اور شمع بھاجی کی شادی ہو جائے تو...

"تم کہاں کی بڑی بوڑھی آ گئیں سب کے رشتے طے کرنے والی؟"

اماں بیگم نے ڈپٹ کر کہا۔

"کیسی ہے تجویز؟ میرا خیال ہے کہ کوئی حرج نہیں ہے اس میں۔"

شبو نے ان کی بات کو نظر انداز کر کے کہا۔

"ہوش کے ناخن لو شبو، تم تو بالکل ہی ہاتھوں سے نکل گئی ہو۔"

اماں بیگم نے لال پیلی آنکھیں کر کے کہا۔

"پھر اس بات کا بھی امکان ہو سکتا ہے کہ عباس بھائی اور جیٹ باجی کا رشتہ......"

"میں کہتی ہوں چپ ہو جاؤ، مجھے اس گھر میں رشتے جوڑنے کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔"

اماں بیگم مارے غصے کے اتنی زور سے چلائیں کہ بنفشہ اپنی جگہ پہ بیٹھے بیٹھے کانپ گئی۔

"کمال ہے اماں بیگم، آپ کو یہ بھی خیال نہیں کہ میں آپ کی سب سے چھوٹی اولاد ہوں آپ کو مجھ سے ذرا سی بھی محبت نہیں ہے، ورنہ اور لوگ تو......"

"ہاں محبت نہیں ہے، جبھی تو پال پوس کے اتنا بڑا کیا ہے۔"

اماں بیگم بولیں۔

اتنے میں دادی اماں جواب تک خاموش تماشائی کی طرح ایک طرف کھڑی تھیں، کھسر کھسر کرتی آگے بڑھیں اور شنجو رانی کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں۔

"بڑے افسوس کی بات ہے بٹیا! تم اتنی بدتمیزی کرو ہو ماں سے۔"

"میں سچی بات کہتی ہوں تو سب کو بدتمیزی نظر آتی ہے، سب کو میں بری لگتی ہوں، کسی کو مجھ سے محبت نہیں ہے۔"

شنجو دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر سسکنے پڑ گئی، لیکن روئی نہیں۔ اس کی آنکھوں میں بہت کم آنسو آتے تھے۔

شنجو کا یہ روپ دیکھ کر تو سبھی گھبرا گئے۔ بڑی اماں، چھوٹی چچی، آپا جان اور چھوٹی باجی سبھی آگے بڑھ آئے۔ اماں بیگم تو اس کا جملہ سننے سے پہلے ہی کمرے سے جا چکی تھیں۔ سب لوگ شنجو کو چمکارنے پچکارنے میں لگ گئے، مگر وہ کسی سے کوئی بات کئے بغیر اٹھ کر باہر چلی گئی اور برآمدے کی ٹھنڈی سیڑھیوں پہ کھمبے سے سر لگا کر بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر تک فضول قسم کی باتیں سوچنے کے بعد اپنے آپ ہی اس کا موڈ ٹھیک ہو گیا۔ رات کو کھانے کی میز پہ وہ اسی طرح چہک رہی تھی جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔

اگلے دن ——— اماں بیگم نے شنجو رانی کے یہ کام سپرد کیا کہ وہ بنفشہ سے سلمان بھائی کے رشتے کے سلسلے میں اس کی مرضی معلوم کریں۔ شنجو رانی کی تو یہ سن کر باچھیں کھل گئیں۔ کمرے میں پہنچ کر جو اس کا پیچھا پکڑا ہے تو دو گھنٹے تک اس کا مغز کھاتی رہیں اپنا کھپاتی رہیں۔ اس میں ان کا قصور نہیں تھا، غلطی ساری بنفشہ کی تھی جو اپنا منہ

نہیں بتا رہی تھی۔

تھک ہار کر شنجو رانی نے یہ فیصلہ کیا کہ یہ کام بڑے بھیا کے سپرد کر دوں گی، مگر بڑے بھیا رہتے نہیں اور کچھ پتہ نہیں تھا کہ ان سے کب ملاقات ہو سکے گی؟ لیکن ان کا انتظار کرنے کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا پھر ——— بڑے بھیا سے رات کے نو بجے کے بعد ہی ملاقات ہوئی۔ شنجو رانی نے ساری بات ان کے گوش گزار کر کے اپنی بلا ان کے سر ڈالی اور بنفشہ کو ان کے پاس بھیج دیا۔

بنفشہ کو بھی معلوم تھا کہ بڑے بھیا نے اس وقت کیوں بلایا ہے؟ لیکن جاتی نہ تو کیا کرتی؟ سہمے سہمے قدم رکھتی ان کے کمرے میں پہنچی۔ بڑے بھیا اس وقت دریچے کے قریب کھڑے سگریٹ سلگا رہے تھے انہوں نے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ بنفشہ نے چوں چرا کئے بغیر حکم کی تعمیل کی۔ بڑے بھیا اس کے سامنے آکر بیٹھے تو بنفشہ نے بڑی بے بسی سے ان کی طرف دیکھا۔ بڑے بھیا اس کے چہرے پر نظریں جمائے جانے کیا سوچنے لگے؟ کچھ دیر بعد ان کا یا تو سر جھٹک کر بغیر کسی تمہید کے بولے۔

"سلمان کے متعلق کیا فیصلہ کیا تم نے؟"

بنفشہ ان کی زبان سے یہ جملہ سن کر نہ شرمائی نہ لجائی۔ اصل میں بڑے بھیا کو اس نے شروع سے اپنے دل و دماغ میں ایک مخلص دوست کی حیثیت سے جگہ دی تھی، ان سے کوئی بھی بات کہتے یا سننے میں اسے جھجک محسوس نہیں ہوتی تھی۔ بالکل یہی حال شنجو رانی کا بھی تھا حالانکہ ان کی اور بڑے بھیا کی عمروں میں اچھا خاصا فرق تھا، لیکن پھر بھی بڑے بھیا کی شخصیت میں جانے کیا بات تھی؟ کیا چیز تھی؟ جو سجاد بھائی اور شکیل بھیا میں نہ تھی۔

بنفشہ نے بڑے بھیا کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ خاموش بیٹھی ان کی طرف تکتی رہی۔

بڑے بھیا نے جب دوبارہ اپنا سوال دہرایا، تو اس کی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے۔ انہوں نے
سہ بارہ پوچھا، تو اس نے بڑی باقاعدگی سے رونا شروع کر دیا۔

بڑے بھیا اس کے سامنے بیٹھے چپ چاپ اس کی طرف دیکھتے رہے انہوں نے
اس سے نہ تو یہ پوچھا کہ تم کیوں روتی ہو؟ اللہ نہ ہی یہ کہا کہ مت رو۔ چند منٹ بعد نفشہ
نے اپنے آنسو پونچھے تو انہوں نے پھر اپنا سوال دہرایا۔

"مجھے کچھ نہیں معلوم شعیب بھائی۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔"

بنفشہ کی آواز مدہم تھی۔

"سلیمان تمہیں پسند نہیں؟"

"میں نہ انہیں پسند کرتی ہوں نہ ناپسند کرتی ہوں۔"

"اتنے عرصے میں اس نے کوئی جگہ نہیں بنائی تمہارے دل میں؟"

"شاید نہیں۔"

"ممکن ہے شادی کے بعد خود بخود جگہ بن جائے۔"

بڑے بھیا نے کہا۔

"ہاں۔ ہو سکتا ہے ایسا ہو۔"

"تو پھر تمہاری طرف سے اثبات میں جواب دے دیا جائے؟"

"جیسے آپ کی مرضی۔"

"بعد میں خدانخواستہ کوئی بات ہوئی تو سارا الزام مجھ پر ہی دھرو گی، کیوں
ٹھیک ہے نا؟"

"نہیں، میں کسی سے کچھ نہیں کہوں گی۔"

"اچھا، یہ بات تو ختم ہو گئی۔ اب ایک اہم بات سنو۔"

"سنائیے۔"

"میری بات پر عمل کرو گی؟"

"جی۔ ضرور۔"

"تمہیں زندگی میں کسی وقت بھی کوئی تکلیف ہو، سلیمان کی طرف سے یا کسی اور
طرف سے، تم مجھ سے نہیں چھپاؤ گی۔"

"جی!"

بنفشہ نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا۔

"ہاں، میرا یہ حکم ہے۔"

بڑے بھیا نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔"

بنفشہ نے حامی بھر لی۔

"بس، اب تم جا سکتی ہو۔"

"جی ——— وہ ——— شعیب بھائی، مجھے بھی ایک بات پوچھنی تھی آپ سے۔"

"پوچھو۔"

"آپ ناراض تو نہیں ہوں گے۔"

"میں سب سے ناراض ہو سکتا ہوں، لیکن تم سے کبھی ناراض نہیں ہو سکتا۔"

"میں یہ کہہ رہی تھی کہ آپ شادی کیوں نہیں کرتے؟"

بنفشہ کا انداز قدرے سہما ہوا تھا۔

بڑے بھیا نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا، پھر سر جھکا لیا۔ کئی لمحے گذر گئے۔"

جانے کیا سوچتے رہے؟

"میں بھی کر لوں گا شادی، مگر ابھی نہیں۔"

بڑے بھیا کی آواز ——— یوں لگتا تھا جیسے بہت دور سے آ رہی ہو۔

"کب کریں گے؟"

"اس کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

بڑے بھیا اٹھ کر دریچے میں کھڑے ہو گئے۔

بنفشہ نے پلٹ کر ان کی طرف دیکھا وہ باہر تاریکی میں دیکھ رہے تھے۔

"اب تم جاؤ، آرام کرو۔"

بڑے بھیا نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

بنفشہ کرسی سے اٹھ کر دو ایک لمحے ان کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر آہستہ قدموں

سے باہر نکل گئی۔

سجاد بھائی کو جب اماں بیگم نے بنفشہ اور سلیمان بھائی کے رشتے کے بارے میں

بتایا تو دو تین منٹ تک وہ سکتے کے عالم میں ان کی طرف تکتے رہ گئے، پھر آہستہ سے

"بنفشہ سے پوچھ لیا آپ لوگوں نے؟ وہ کیا کہتی ہے؟"

"ہاں، پوچھ لیا، راضی ہے۔"

"راضی ہے!!"

سجاد بھائی نے ایک بار پھر حیرت سے ان کی طرف دیکھا۔

"ہاں ہاں، تمہیں حیرت کیوں ہو رہی ہے؟"

نہیں، مجھے قطعی حیرت نہیں۔ بس پھر ٹھیک ہے، سب ٹھیک ہے۔"

سجاد بھائی نے جلدی سے کہا اور اٹھ کر سیٹی بجاتے ہوئے کمرے سے باہر چلے گئے۔

اسی شام ——— دادا جان کے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے سلمان بھائی کی مڈبھیڑ

ہو گئی۔ بنفشہ کے سلسلے میں گھر کے سارے بزرگوں کی رضامندی حاصل ہو جانے

میں وہ مارے نہال ہوئے جا رہے تھے شجو کو دیکھتے ہی باچھیں کھل گئیں۔ اس کے

رک کر آہستہ سے بولے۔

مجھے مبارکباد نہیں دو گی؟"

کس بات کی؟" شجو نے انجان بن کر پوچھا۔

بزمت زیادہ، ورنہ ایک آدھ تھپڑ رسید کر دوں گا۔"

بہت زیادہ نہ اترائیے، ابھی شادی تو نہیں ہوئی نا!"

کیا مطلب؟"

مطلب یہ کہ اگر میرے اوپر رعب جمایا، تو سارا معاملہ الٹا کر دوں گی۔"

اچھا بابا، معاف کر دو، غلطی ہو گئی۔"

جائیے، ایدولت نے معاف کیا۔ شجو کا انداز شاہانہ تھا۔

"اچھا اب یہ تو بتا دو، بنفشہ کہاں ہے؟"

کمرے میں ہیں۔"

"اچھی بات ہے پھر خدا حافظ۔"

سلمان بھائی نے جلدی سے کہا اور سامنے والی راہداری کی طرف مڑ گئے۔

بنفشہ اسی وقت عصر کی نماز پڑھ کر اٹھی تھی اور جانماز تہہ کر رہی تھی اس نے حسب

عادت آہستہ سے سلام کیا۔ سلیمان بھائی نے سر کے خفیف سے اشارے سے
اور والہانہ انداز سے اس کے قریب آ گئے۔

"بنفشہ، میں جیت گیا۔"

سلیمان بھائی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

بنفشہ کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔

"تم ——— خوش ہو نا؟"

"جی ——— جی ہاں۔"

بنفشہ کی جھکی پلکیں آہستہ سے لرز کر رہ گئیں۔

"آؤ، باہر چلیں، یہاں تو گھٹن ہو رہی ہے۔"

"باہر کہاں؟"

"ظاہر ہے کہ لان میں، اور کہیں تو تم جاؤ گی نہیں میرے ساتھ فی الحال۔"

"چلئے۔"

بنفشہ نے کہا اور ان کے ساتھ کمرے سے باہر آ گئی۔

"ویسے ——— میرا خیال ہے کہ اگر کبھی کبھی ہم دونوں گھومنے چلے جایا
اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔"

بنفشہ نے چلتے چلتے ایک لمحے کے لئے رک کر ان کی طرف دیکھا۔

"میرا مطلب ہے فلم دیکھنے، یا پھر کسی کافی ہاؤس اور کبھی چائنیز ریسٹو
سلیمان بھائی نے جلدی سے وضاحت کی۔

"جیسے آپ کی مرضی ——— لیکن اجازت لینا ضروری ہے۔"

بنفشہ کا انداز سادہ تھا۔

کس سے اجازت لینا ضروری ہے۔"

امی بیگم اور دادی اماں سے۔"

ان کی تم فکر مت کرو، وہ میں سے لوں گا۔"

سلیمان بھائی نے لان چیئر کھسکاتے ہوئے لاپرواہی سے کہا۔

بنفشہ نے ان کے سامنے بیٹھتے ہوئے ایک دبی ہوئی سانس لی۔ معلوم نہیں
اسے اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ سلیمان بھائی نے ادھر ادھر کی باتیں شروع
ان نے اپنے آپ کو ان کی باتوں میں دلچسپی لینے پر پوری طرح آمادہ کر لیا۔

ان رات بنفشہ کو بالکل نیند نہیں آئی اس کی زندگی میں اچانک جو ایک نیا
ع ہوا تھا۔ اس کے صفحات پڑھتے پڑھتے صبح ہو گئی۔ کوشش کے باوجود
گھڑیوں کو بھی دہرانے سے باز نہ رہ سکی وہ گھڑیاں ——— وہ لمحے ——— جو
پن کی معصوم یادوں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے تھے۔ اس رات اس نے
ی باتیں سوچیں اور آنکھوں سے چپ چاپ بہتے ہوئے آنسوؤں کو دوپٹے
رکے اپنی زندگی کو وقت اور حالات کے دھارے کے ساتھ بہنے کے لئے

ے کے لمحات رک رک کر سرکتے رہے۔ پیچھے دھندلکوں میں گم ہوتے رہے
ی ملاقاتیں اسے سلیمان بھائی کے قریب سے قریب تر کرتی گئیں۔ اسی ہنگام
ں میں آپا جان کی شادی کا دن بھی آ گیا۔ آپا جان کے ہاتھوں اور پاؤں میں مہندی
ک پہ تھاپ پڑی، سہیلیوں نے بابل گایا اور آپا جان سرخ زرتار جوڑا پہنے

آنسوؤں کی برسات میں بھیگی ہوئی دعاؤں کی کلیاں چنتی بوجھل اور تھکے تھکے قدم
رخصت ہو گئیں۔

آپا جان چلی گئیں —— ان سے وابستہ باتیں اور ان کے بچپن اور جوانی
باقی رہ گئیں کہنے کو گھر میں سب تھے، لیکن پھر بھی گھر خالی خالی سا لگتا تھا۔ قہقہے بھی
مسکراہٹیں بھی تھیں لیکن پھر بھی ایک عجیب سی ویرانی اور سونے پن کا احساس ہو

شادی کے ہنگاموں میں شاید اماں بیگم نے پچھلی باتیں بھلا دی تھیں اور
شمع کو انہوں نے شادی سے ڈیڑھ ہفتہ پہلے ہی بُلا کر رکھا۔ ممانی جان کے پھیرے
روزانہ ہی لگتے تھے۔ ہر کام اور ہر چیز کے بارے میں اماں بیگم ان سے بھی مشورہ
اسی طرح ماموں جان اور عباس بھائی بھی باہر کے کاموں میں پیش پیش تھے ملی کو
کھلنڈرے پن کے اور کچھ نہیں آتا تھا۔ اس کی عمر بھی ابھی کچی تھی اس دوران
اور عباس بھائی کا جب بھی سامنا ہوا۔ انہوں نے اس کے سامنے وہی سوال دہرا

"تم اس دن کیوں روئی تھیں۔"

لیکن بنفشہ کے پاس یا تو اس سوال کا جواب تھا ہی نہیں یا پھر وہ جواب
نہیں چاہتی تھیں۔

آپا جان کی شادی سے ایک روز پہلے ہنگامے اور شور و غل میں کسی کو
نہیں رہا کہ بڑے بھیا بے چارے بھوکے بیٹھے ہیں۔ وہ تو اماں بیگم کا دھیان
کیسے ان کی طرف چلا گیا؟ انہوں نے ننھو کو آواز دے کر فوراً ان کے لئے کھا
کا حکم صادر کیا، مگر ننھو بھلا ایسے میں کس کی سنتی تھیں؟ ان دنوں گھر میں ان
مصروف کوئی تھا ہی نہیں، انہوں نے جھٹ سے اپنا کام بنفشہ کے سپرد کر

کی بات ٹالنا سیکھا ہی نہیں تھا اور پھر بڑے بھیا کا نام سن کر تو اس کے دل کو دھچکا
لگا تھا۔

"بے چارے شعیب بھائی اب تک بھوکے بیٹھے ہیں۔" اس نے باورچی خانے
کی طرف جاتے ہوئے سوچا۔

اور جب وہ بڑے بھیا کا کھانا لے کر ان کے کمرے میں گئی تو ان کے بجائے
عباس بھائی بیٹھے نظر آئے۔ بڑے بھیا باتھ روم میں تھے۔

بنفشہ نے سوچا۔ چلو اچھا ہے، اس وقت عباس بھائی کو مبارکباد بھی دے دوں گی۔
اڑتی اڑتی یہ خبر اس کے کانوں تک بھی پہنچی تھی۔ کہ ماموں جان کے کسی دوست
کی لڑکی سے ان کی منگنی ہونے والی ہے۔

کمرے میں داخل ہوتے ہوئے اس نے اپنے مخصوص انداز میں آہستہ سے سلام کیا
عباس بھائی نے بھی حسبِ عادت سر کے خفیف سے اشارے سے جواب دیا بنفشہ
ٹرے پر کھانا رکھنے کے لئے جھکی تو عباس بھائی کرسی کی پشت سے سر ٹکاتے ہوئے
اس کے چہرے کا بغور جائزہ لیا۔ بنفشہ نے سر اوپر اٹھایا تو عباس بھائی کو اپنی طرف اس
طرح دیکھتے پا کر گھبرا گئی۔

"اب خیر نہیں۔ عباس بھائی پھر اپنا سوال دہرائیں گے۔"

بنفشہ نے سوچا اور فوراً ہی اس کے ذہن میں خیال آیا کہ اگر وہ خود بات کرنا شروع
کرے تو عباس بھائی کو اپنی بات کہنے کا موقع ہی نہ مل سکے گا۔ وہ جلدی سے بولی۔

"آپ کو مبارکباد دوں عباس بھائی؟"

"کس بات کی؟"

عباس بھائی کی نگاہوں کا انداز نہیں بدلا۔

"وہ ——— آپ کی منگنی ہونے والی ہے نا؟"

"تم سے کس نے کہا؟"

"کئی لوگوں سے سنا؟"

"سنی سنائی باتوں پر یقین مت کیا کرو۔"

عباس بھائی مسکرائے۔

"تو پھر آپ ہی سچ سچ بتا دیجئے۔"

"اوہ، کوئی کام کی بات کرو، یہ قطعی غیر ضروری بات ہے۔"

عباس بھائی لاپرواہی سے بولے۔

"تو پھر ضروری بات کونسی ہے؟"

"تم اس دن کیوں روئی تھیں؟"

عباس بھائی کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔

"آپ تو ایک بات کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔"

"میں تو اس وقت تک اس بات کے پیچھے پڑا رہوں گا جب تک تم مجھے بتا نہیں دیتیں۔"

"فرض کیجئے میں اس بات کو بہت برسوں بعد بتاؤں تو؟"

"میں اس وقت تک انتظار کروں گا۔"

عباس بھائی نے بڑے عزم سے کہا۔

"اچھا تو پھر ٹھیک ہے، انتظار کیجئے۔"

"لیکن اس کے ساتھ میری بھی ایک شرط ہے۔"

"وہ کیا؟"

"پہلے وعدہ کرو۔ مانو گی ضرور۔"

"چلئے، وعدہ کرتی ہوں۔"

"اچھا کچھ نہیں، بس تم یہ ضرور کرنا کہ بتا دینا۔"

"منظور ہے۔"

بنفشہ نے جانے کن سوچوں میں ڈوب کر کہا۔

اسی وقت بڑے بھیا آ گئے۔

"جب تک میں کھانا کھاؤں، تم یہیں بیٹھی رہو۔"

بڑے بھیا نے مسکرا کر کہا۔

"اچھا۔"

بنفشہ نے ان کے حکم کی فوراً تعمیل کی۔

"بہت مزے لگ گئے ہیں تمہیں، ہر وقت گانے بجانے میں مصروف رہتی ہو۔"

"جی مجھے تو گانا آتا ہی نہیں۔"

"سب جانتا ہوں۔"

بنفشہ نے ان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ بستر پر پڑا اخبار اٹھا کر آن کر دیا۔

جب وہ کھانے کے خالی برتن لے کر باورچی خانے کی طرف جا رہی تھی تو اس نے سوچا آخر میں نے عباس بھائی سے کس بات کا وعدہ کیا ہے؟ جب کوئی بات ہی نہیں ہے تو انہیں کیا بتاؤں گی؟ اور پھر ان کو اس بات کا یقین کیوں نہیں آتا کہ میں جو اس دن روئی تھی تو اس لئے کہ شجیعہ نے اس بات کا بالکل بے وقت اور بے موقع ذکر کیا تھا۔

بنفشہ اور شنجو کا رزلٹ آیا تو سلیمان بھائی نے ان دونوں کے پاس ہونے کی خوشی میں ہ
میں کھانا کھانے کا پروگرام بنایا۔ ان دونوں کے طفیل میں باقی لوگوں کے بھی مزے آ گئے۔ بڑ
سلیمان بھائی سنتے ہی چھوٹ گئے۔ کیونکہ اس دن سجاد بھائی کی ہاسپٹل میں نائٹ ڈ
تھی۔ آپا جان اپنی سسرال میں بیٹھی تھیں۔ بڑے بھیا کو اس دن کوئی بہت ضروری کام یاد آ گیا۔
بھیا، چھوٹی باجی اور صوفیہ رہ گئیں لیکن سچی بات تو یہ تھی کہ سوائے بنفشہ کے سبھی طفیلی تھ
شنجو نے تو صاف کہہ دیا کہ سلیمان بھائی بنفشہ باجی کو اپنے ساتھ ہوٹلوں اور کلبوں میں گھما۔
کے لئے راہ ہموار کر رہے ہیں۔

اس وقت تو سلیمان بھائی نے نہیں، نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے کہہ کر بات ٹ
لیکن کچھ دنوں بعد جب سلیمان بھائی دادی اماں اور اماں بیگم کی بہت منت سماجت کے
بنفشہ کو اپنے ساتھ فلم دکھانے لے گئے۔ تو شنجو کی بات سچ ہی ثابت ہوئی اور بنفشہ ک
یہ تھی کہ مارے گھبراہٹ اور پریشانی کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ گئے تھے۔ دل ہی دل
دعا کر رہی تھی کہ کوئی صورت ایسی نکل آئے۔

بنفشہ کی حالت یہ تھی کہ مارے گھبراہٹ اور پریشانی کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ
گئے وہ دعا کر رہی تھی کہ کوئی ایسی صورت نکل آئے کہ فلم کا پروگرام کینسل ہو جائے۔
اس کی زندگی میں یہ پہلا اتفاق تھا۔ لڑکوں کے ساتھ تنہا گھومنا پھرنا اسے سخت ناپسند
تھا چاہے وہ رشتے کے بھائی ہی کیوں نہ ہوں۔ اس سلسلے میں اس نے شنجو سے مدد کی
درخواست کی تو اس نے لمبی چوڑی تقریر کے بعد یہ فیصلہ سنایا کہ آپ کو سلیمان بھائی
کے ساتھ ضرور جانا چاہیئے اس میں کوئی حرج نہیں ہے ایک آدھ سال بعد آپ کی
شادی ان ہی کے ساتھ ہوتی ہے۔

بنفشہ جب تیار ہو کر دادی اماں کو خدا حافظ کہنے کے لئے آئی تو اس نے بہت
دھیمی آواز سے کہا۔

دادی اماں! اگر آپ اجازت نہ دیتیں تو اچھا تھا۔

اجازت نہ دیتی تو کیا کرتی بیٹا! وہ تو اس بری طرح پیچھے پڑ گیا تھا۔

ہاں! ہے بھی تو اس قدر ضدی۔

قریب بیٹھی ہوئی اماں بیگم بولیں۔

مجھے اکیلے جاتے ہوئے ڈر لگتا ہے اماں بیگم!

بنفشہ دل کی بات زبان پہ لے آئی۔

وہ اگر دل کی بات نہ بتاتی تب بھی کوئی فرق نہ پڑتا، اس کا چہرہ تو اس کے دل کا آئینہ دار بنا ہوا تھا۔

تم تو ماشاء اللہ پڑھی لکھی اور سمجھدار ہو، تمہیں اس قدر بزدل نہیں ہونا چاہیے۔

اماں بیگم نے اس کو تسلی دی۔

حالانکہ انہیں بھی نہ یہ بات پسند تھی اور نہ ہی وہ سلیمان کے اس انداز سے مطمئن تھیں۔

بنفشہ دادی اماں کو سوچوں میں گم چھوڑ کر آہستہ قدموں سے باہر نکل گئی۔

گاڑی میں سلیمان بھائی کے برابر بیٹھتے ہوئے اس کا دل بڑی زور سے دھڑکا تھا تو اتنا بھی ہوش نہیں تھا کہ گردن موڑ کر ایک نظر سلیمان بھائی کے چہرے پہ ڈال لیتی، جو بے پناہ مسرت سے چمک رہا تھا گھر سے سینما ہاؤس تک کا آدھا راستہ گزر گیا لیکن بنفشہ نے ان کی طرف دیکھا بھی نہیں وہ تو بس دونوں ہاتھ اپنی گود میں رکھے کھڑکی سے باہر دیکھے جا رہی تھی اس کا پریشان چہرہ دیکھ کر سلیمان بھائی محظوظ ہو رہے تھے ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ اور گہری ہو گئی تھی۔ ایمان کی بات تو یہ تھی کہ سلیمان بھائی

وقت بہت پیارے لگ رہے تھے بنفشہ کی جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو اس پہ جانے کیا کیفیت گئی ہوتی۔ ہر لڑکی بنفشہ کی طرح بزدل تو نہیں ہوتی۔

سلیمان بھائی جب بنفشہ کے بولنے کا انتظار کر کے تھک گئے تو مجبوراً انہیں بات شروع کرنی پڑی۔ انہوں نے گلا خراب ہونے کے باوجود کھنکھار کر صاف بالا دھیرے سے بولے۔

کیوں بھئی؟ آخر یہ ناراضگی کس بات کی ہے؟

ناراضگی تو کسی بات کی نہیں۔

پھر یہ چپ شاہ کا روزہ کیوں رکھ چھوڑا ہے۔

بنفشہ نے ان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

کچھ تو بولو؟ کچھ تو کہو۔

سلیمان بھائی نے کہا۔

دیکھئے سلیمان بھائی ——

جی ہاں! دیکھائے، لیکن یہ بات آپ نوٹ کر لیجیے کہ میں آپ کا بھائی نہیں ہوں۔

بنفشہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

ہاں! کیا دکھا رہی تھیں آپ مجھے؟

کچھ نہیں۔

یہ کیا بات ہوئی؟

سلیمان بھائی مسکرائے۔

بنفشہ نے سوچا کہ میری عافیت اسی میں ہے کہ میں چپ چاپ بیٹھی رہوں۔

پھر پکچر ہاؤس پہنچنے تک سلمان بھائی نے اپنی سی پوری کوشش کر ڈالی۔
لیکن بنفشہ نے سوائے "ہوں" "ہاں" کے اور کوئی لفظ زبان سے نہیں نکالا۔
جب فلم شروع ہوئی، تو بنفشہ کی جان میں جان آئی اس نے اپنے آپ کو
پوری طرح فلم کیطرف متوجہ کر دیا۔ فلم دیکھنے تک تو خیر غنیمت تھا لیکن جب واپسی
پر سلمان بھائی نے ایک ہوٹل کے سامنے گاڑی روکی تو بنفشہ کا صبر و ضبط جواب
دے گیا۔

سلمان بھائی! بس اب گھر چلیئے، بہت تفریح ہو چکی۔
اس نے مدہم لیکن قدرے تلخ لہجے میں کہا۔
نہیں جناب! بھوک لگی ہے، کھانا کھائیں گے۔
سلمان بھائی اطمینان سے بولے۔
کھانا تو گھر میں بھی مل جائے گا۔
لیکن تمہارے ساتھ بیٹھ کے کھانے کو تو نہیں ملے گا۔
آج آپ ہماری طرف کھانا کھا لیجیے گا اور میرے برابر والی کرسی پر بیٹھ
جائیے گا۔
بنفشہ کا لہجہ بالکل سادہ تھا لیکن سلمان بھائی بہت محظوظ ہوئے۔
خوب! باتیں تو بڑی شگفتہ کر لیتی ہو۔
سلمان بھائی نے گاڑی سے اترتے ہوئے کہا۔
خدا کے لئے سلمان بھائی! میں ہاتھ جوڑتی ہوں، بس اب گھر چلیئے۔
بنفشہ روہانسی ہو گئی۔

نہیں بالکل نہیں۔
آپ نہیں جانتے مجھے سخت گھبراہٹ ہوتی ہے ہوٹلوں میں جاتے ہوئے۔
بالکل غلط بات ہے، آخر اس دن بھی تو آئی تھیں۔
اس دن تو اور لوگ بھی تھے۔
اچھا! تو یہ وجہ ہے۔
سلمان بھائی نے معنی خیز انداز سے اس کی طرف دیکھا۔
بنفشہ نے سر جھکا لیا۔
اب چاہے تم ڈرو یا کچھ کرو۔ میں ہر دفعہ تو کباب میں ہڈیاں برداشت نہیں
کرتا۔
سلمان بھائی نے کچھ اتنی بے ساختگی سے یہ جملہ کہا کہ بنفشہ باوجود ڈری سہمی
کے ایک دم مسکرا دی۔
شکر ہے خدا کا! مسکراہٹ تو نظر آئی تمہارے چہرے پہ۔
سلمان بھائی خوش ہو گئے۔
بس اسی بات پہ گھر چلیئے۔
جی نہیں۔ بس اسی بات پہ آپ نیچے اتریئے اور اندر چلیئے۔
سلمان بھائی اس کی طرف آ کر گاڑی کا دروازہ کھولنے لگے۔
آپ میری بات مان کیوں نہیں جاتے؟ کتنا برا لگ رہا ہے۔ سب لوگ کیا
کہہ رہے ہوں گے؟
یہی بات میں تم سے کہنے والا تھا، آخر تماشا کیوں دکھا رہی ہو سب کو؟

میں آخری بار آپ سے کہہ رہی ہوں۔۔۔۔

میں کچھ سننا نہیں چاہتا تم فوراً اترو۔

سلمان بھائی کا انداز تحکمانہ تھا۔

نفشہ کچھ جھنجھلا کر نیچے اتر آئی۔

اسے ہوٹلوں میں جانے کی بالکل عادت نہیں تھی اس کے لئے راستہ دشوار ہو گیا۔ جب سلمان بھائی نے کونے والی میز منتخب کر کے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا تو اس کی کچھ جان میں جان آئی۔ بیرے کو آرڈر دینے کے بعد سلمان بھائی اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ چند سیکنڈ اس کے چہرے پہ نظریں جمائے کچھ سوچتے رہے پھر آہستہ سے بولے آج تم نے مجھے بہت تکلیف پہنچائی ہے نفشہ۔

میں نے!!؟

نفشہ نے حیرانگی سے ان کی طرف دیکھا۔

تم مجھ سے ڈرتی ہو؟

نفشہ خاموش رہی۔

اس کا مطلب ہے کہ تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں ہے۔

نفشہ سر جھکائے بیٹھی رہی۔

میں اس بات کا دعویٰ نہیں کرتا کہ میں بہت نیک اور پارسا آدمی ہوں تمہاری عزت اور میری عزت دو مختلف چیزیں نہیں ہیں۔

سلمان بھائی نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

نفشہ کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ وہ اس موقع پہ کیا کہے اور کیا نہ کہے

پڑا تو وہ پلکیں ہی جھپکا کر رہ گئی۔

لکن ہے کہ دوسرے لوگوں کا یہ خیال درست ہو کہ میں لڑکیوں سے فلرٹ کرتا ہوں لیکن باقی تمام لڑکیوں میں اور تم میں جو فرق ہے اسے تو میں نظر انداز نہیں کر سکتا۔

نفشہ نے اپنی توجہ سامنے والی میز پہ بیٹھے ہوئے جوڑے پہ مبذول کر دی۔

کیا بات ہے؟ میری باتیں تمہیں اچھی نہیں لگ رہیں؟

کسی اور موضوع پہ بات کیجئے۔

نفشہ مسکرائی۔

تم بتاؤ اور کس موضوع پہ بات کروں؟

چھوڑیئے، اب تو کھانا آنے والا ہوگا، اتنی دیر ہم لوگ خاموش بیٹھے رہتے ہیں۔

خاموش بیٹھنا تمہیں بہت اچھا لگتا ہے۔

جی۔ اور وہ اس لئے کہ مجھے باتیں کرنی نہیں آتیں۔

باتیں کرنا تو کوئی مشکل کام نہیں۔

موقع محل کے لحاظ سے باتیں کرنا یقیناً مشکل کام ہے۔

سلمان بھائی چپ چاپ بیٹھے اس کی پلکوں کی گہرائی اٹھتی چلمن کی طرف دیکھتے ہے بیرے کے آنے تک وہ دونوں چپ چاپ بیٹھے رہے۔

جب دونوں گھر پہنچے تو نفشہ نے ایک لمحے کے لئے رک کر سلمان بھائی کی طرف دیکھا اور دھیرے سے بولی۔

سلمان بھائی!

سلمان بھائی مجسم شوق بنے اس کی طرف بڑھ آئے۔

ایک درخواست کروں؟

درخواست؟ تم حکم دو۔

سلیمان بھائی اس کی طرف والہانہ انداز سے دیکھ کر مسکرائے۔

آپ۔ آپ مجھے تنہا کہیں نہ لے جایا کریں۔

بنفشہ کے لہجے میں جھجک تھی۔

کیوں؟

سلیمان بھائی سنجیدہ ہو گئے۔

وہ ــــ بات یہ ہے نا کہ مجھے گھر والوں سے شرم آتی ہے۔

بنفشہ کی جھکی پلکیں اس کے رخساروں پر کانپ کر رہ گئیں۔

فی الحال میں اس سلسلے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔

سلیمان بھائی شنجو کو آتے دیکھ کر دوسری طرف مڑ گئے۔

پھر شنجو نے بنفشہ کا انٹرویو لے ڈالا۔ وہ اس کے سوالوں کے جواب دیتے دیتے تنگ آ گئی۔ جب شنجو نے اسے باقاعدہ چھیڑنا شروع کیا تو وہ روہانسی ہو کر بولی۔

تم نے خود ہی تو بھیجا تھا مجھے۔

ہاں! تو میں کب کہہ رہی ہوں کہ آپ اپنی مرضی سے گئی تھیں۔

تو پھر تم مجھے تنگ کیوں کر رہی ہو؟

یہ لیجیے۔ یعنی آپ تو اپنے ان کے ساتھ گھوم پھر کے لطف اندوز ہوں اور ہم آپ کو تنگ کرنے کا لطف بھی نہ اٹھا سکیں۔

بس! اب میں کبھی نہیں جاؤں گی ان کے ساتھ۔

ایسا غضب بھی مت کیجیے گا، ان کی حالت ویسے ہی قابل رحم ہے۔

بنفشہ جواب میں کچھ کہنے ہی والی تھی کہ چھٹ باجی کمرے میں داخل ہوئیں۔
...بان کی شادی ہو جانے کے بعد سے وہ اپنے آپ کو تنہا محسوس کرنے لگی تھیں
...بلکہ ان کی تو آپا جان کے ساتھ ہی گھٹتی تھی۔ شنجو نے ازراہِ ہمدردی انہیں اپنی
...ری میں شامل کر لیا تھا۔ شنجو کے بعد چھٹ باجی نے بنفشہ کا انٹرویو لینا شروع کر دیا۔
...دادی اماں کمرے میں نہ آ جاتیں تو اس کی جان چھوٹنی مشکل تھی۔

اس رات بنفشہ نہ چاہنے کے باوجود بڑی دیر تک سلیمان بھائی کے متعلق سوچتی
...ری۔ اس نے یہ بھی فیصلہ کیا کہ آئندہ چاہے سلیمان بھائی اس سے ناراض ہی ہو جائیں
...وہ ان کے ساتھ تنہا کہیں نہیں جائے گی۔ لیکن جب وقت آیا تو اس کا ہر ارادہ اور ہر
...فیصلہ ریت کی دیوار ثابت ہوا۔ وہ ہر دفعہ سلیمان بھائی کے ساتھ جانے پر مجبور ہو گئی۔
...گھر کے سارے بزرگ بھی سلیمان بھائی کے آگے جانے کیوں ہار مان جاتے تھے اماں بیگم
...نے تو یہ کہہ کر بات ہی ختم کر دی تھی کہ جب لڑکی کو آگے چل کر ایسے ماحول میں زندگی
...گزارنی ہی ہے تو پھر ابھی سے اسے اس کا عادی ہونا چاہیے۔ باقی لوگوں کو بھی اماں بیگم
...کی یہ بات عقلمندی پر مبنی معلوم ہوئی۔ لہٰذا سب نے اس سلسلے میں روک ٹوک کرنی
...چھوڑ دی۔ اب یہ سلیمان بھائی کی سعادت مندی تھی کہ وہ بنفشہ کو کہیں بھی لے جانے
...سے پہلے دادی اماں سے اجازت ضرور لے لیتے تھے۔ ویسے یہ بھی غنیمت ہی تھا۔ کہ
...سلیمان بھائی نے اب تک بنفشہ کو کلب لے جانے کی پیشکش نہیں کی تھی۔ لیکن
...ایک روز جب سلیمان بھائی بنفشہ اور صوفیہ کو اپنی نئی کوٹھی دکھانے لے جا رہے تھے
...جو زیرِ تعمیر تھی تو راستے میں انہوں نے کہا۔

محترمہ! آپ کو میری ایک درخواست قبول کرنی پڑے گی۔

کیسی درخواست؟

بنفشہ نے پوچھا۔

وہ درخواست یہ ہے کہ کل آپ کو میرے ساتھ کلب چلنا پڑے گا۔

کلب!!؟

بنفشہ کی مدہم آواز اور بھی مدہم ہوگئی۔

جی۔

سلمان بھائی اس کی گھبراہٹ سے لطف اندوز ہو کر بولے۔

نہیں بھئی! میں ایسی کوئی درخواست قبول نہیں کر سکتی۔

بنفشہ نے کہا۔

آخر کیوں؟

مجھے وہاں کے نام سے ہی وحشت ہوتی ہے۔

ایک دفعہ چل کر تو دیکھو، وحشت زدہ ہونے والی کوئی بات نہیں ہے۔

سلمان بھائی زیر لب مسکرائے۔

بنفشہ خاموش رہی تو سلمان بھائی نے صوفیہ سے تائید چاہی جواب تک کچھ نہیں تھی لیکن بنفشہ کی طرف دیکھ کر مسکرائے جا رہی تھی۔

میں بھی تو جاتی ہوں بنفشہ! پھر تمہارے جانے میں کیا حرج ہے؟

بس! اپنی اپنی فطرت ہوتی ہے۔

بنفشہ نے پلکیں جھپکا کر کہا۔

تم ایک دفعہ میرے ساتھ چلو، اگر دل گھبرائے تو مت جانا۔

سلمان بھائی نے کہا۔

اچھا۔ جب وقت آئے گا تو دیکھا جائے گا۔

بنفشہ نے یہ کہہ کر بات ختم کر دی۔

لیکن جب وقت آیا تو بھی وہ کسی طرح اپنی جان نہ چھڑا سکی۔

سلمان بھائی اور صوفیہ اس بری طرح اس کے پیچھے پڑے کہ تنگ آ کر وہ جھلائے ہوئے انداز میں جانے کے لئے کپڑے استری کرنے لگی اسی جھنجھلاہٹ میں اس نے اپنا ہاتھ بھی جلا لیا۔

جب چھٹ باجی اور شجو نے اس سے یہ کہا کہ واپسی پر پوری رپورٹ پیش کرنا تو اپنی بے بسی پر صرف پلکیں جھپکا کر رہ گئی۔

کلب جاتے ہوئے اس کا ذرا بھی دل نہیں چاہا کہ وہ صوفیہ اور سلمان بھائی سے بات کرے۔

لیکن اس کے چاہنے یا نہ چاہنے سے کیا ہوتا۔ وہ لوگ تو مستقل بولے جا رہے تھے۔ ناچار اسے بھی زبان ہلانی پڑی۔ سلمان بھائی نے گاڑی پارکنگ شیڈ میں روکی تو بنفشہ کا دل چاہا وہ دروازہ کھول کر ایک دم گھر کی طرف بھاگ جائے وہ سہمے ہوئے انداز میں گاڑی سے نیچے آئی اور پریشان نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگی۔

اس طرح مت دیکھو احمق لڑکی۔

سلمان بھائی اس کی طرف دیکھ کر مسکرائے

بنفشہ کچھ جھینپ گئی۔

جب وہ سلیمان بھائی اور صوفیہ کے ساتھ کلب کے صدر دروازے کی طرف بڑھی تو اسے ایسا لگا جیسے اس کے پاؤں من من بھر کے ہو گئے ہوں۔ وہ بڑی مشکل اپنے آپ کو سنبھالے آہستہ قدموں سے چلتی رہی۔ باوجود کوشش کے وہ اپنے آپ میں ذرا بھی خود اعتمادی پیدا نہ کر سکی۔ اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے سارے لوگوں کی نگاہیں اس کی طرف اٹھی ہوئی ہوں اور یہ حقیقت تھی کہ بے شمار نگاہیں اس پر جمی ہوئی تھیں۔ کچھ نگاہوں کا انداز بھیڑیوں کا سا تھا، کچھ کا شکاری کتوں کا اور کچھ نگاہیں بالکل ندیدی بلیوں کے انداز میں اس کا تعاقب کر رہی تھیں۔ کچھ میں پسندیدگی کے جذبات تھے اور کچھ رشک و حسد کا انداز لئے ہوئے تھیں۔ سلیمان بھائی نے جب اپنی مخصوص نشست کے قریب پہنچ کر اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا تو اس کی جان میں جان آئی۔ اس نے اپنی نشست پر بیٹھتے ہوئے اطمینان کا سانس لیا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ میلوں کی مسافت طے کر کے آئی ہو۔

ان لوگوں کو بیٹھے ہوئے بمشکل تمام چند منٹ گزرے ہوں گے کہ سلیمان بھائی اور صوفیہ کی سہیلیوں اور دوستوں کا تانتا بندھ گیا۔ وہ تمام لوگ جنہوں نے نشست پر بیٹھے ہی بیٹھے ہاتھ ہلا دیا تھا۔ اب شرف ملاقات کی خاطر اٹھ کر آنے لگے۔ سلیمان بھائی بڑے فخر سے بنفشہ کا تعارف ہر ایک سے کرا رہے تھے۔ بالکل یہی کیفیت صوفیہ کی بھی تھی، غنیمت تھا کہ ان دونوں نے بھائی کہہ کر ہی تعارف کروایا تھا۔ "منگیتر" یا "بھابھی" کے الفاظ نہیں استعمال کئے تھے۔ بنفشہ کو تو ان لوگوں کے سوالوں کے جواب دینا بھی مشکل لگ رہا تھا وہ کوشش میں تھی کہ کم سے کم بولے۔ بیرے نے ان کی ٹیبل پر کھانے پینے

کا ڈھیر لگا دیا۔ لیکن اسے کافی بھی حلق سے اتارنا دوبھر ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں یہ بات نکل نہیں آ سکی کہ سلیمان بھائی نے اتنی بہت ساری چیزوں کا آرڈر کس خوشی میں دیا تھا۔ وہ اس بات کا فیصلہ نہیں کر سکی کہ آیا سلیمان بھائی کا ارادہ سچ مچ یہ ساری چیزیں کھانے کا تھا یا پھر محض رعب ڈالنا مقصود تھا؟

یہ ساری چیزیں کون کھائے گا سلیمان بھائی؟

اس نے سلیمان بھائی سے پوچھا۔

تم کھاؤ گی اور کون کھائے گا؟

سلیمان بھائی نے اس کی طرف کچھ اتنی پیار بھری نگاہوں سے دیکھا۔ کہ وہ جھینپ کر رہ گئی۔

آپ کو تو اچھی طرح معلوم ہے بس کتنا کھاتی ہوں؟

بنفشہ کی جھکی پلکیں اوپر نہ اٹھ سکیں۔

سلیمان بھائی دوسرے لوگوں کی موجودگی کا خیال کئے بغیر اس کی طرف تکے جا رہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد جب ناچ گانے کا پروگرام شروع ہوا تو بنفشہ کو اور بھی زیادہ گھبراہٹ ہونے لگی۔ اس نے بڑی ہمت کر کے سلیمان بھائی سے کہا۔

سلیمان بھائی! میرا خیال ہے اب گھر چلنا چاہیے۔

ابھی سے!!؟

سلیمان بھائی بولے۔

تو پھر کب؟

دو گھنٹے سے پہلے تو میرا کوئی ارادہ نہیں جانے کا۔ یہ آپ کی زیادتی ہے۔

کیوں؟

میں یہاں بالکل نہیں بیٹھ سکتی، مجھے سخت وحشت ہو رہی ہے۔

آخر کس بات کی وحشت؟

یہ میں نہیں جانتی لیکن.....

اتنے سارے لوگ اور بھی تو بیٹھے ہیں۔

وہ عادی ہو گئے ہیں ان سب باتوں کے۔

یہی تو میرا مطلب ہے کہ تم بھی چار چھ دفعہ یہاں آؤ گی تو تم بھی عادی ہو جاؤ گی۔

مجھے قطعی ضرورت نہیں ان باتوں کا عادی ہونے کی۔

سلیمان بھائی اس کے چڑچڑے پن سے لطف اندوز ہو کر مسکرائے۔

نفیسہ روہانسی ہو کر بیٹھ گئی۔ اس کے چہرے پر کچھ اتنی بے بسی تھی کہ سلیمان بھائی کو اس پر ترس آ گیا۔ جب چند منٹ تک نفیسہ بالکل خاموش بیٹھی رہی تو سلیمان بھائی سے رہا نہ گیا۔ اس کی طرف قدرے جھکتے ہوئے بولے۔

گھر چلنا ہے؟

جی۔

نفیسہ نے منہ سے کہنے کے ساتھ ساتھ سر بھی ہلایا۔

چلو اٹھو۔

سلیمان بھائی کھڑے ہو گئے۔ صوفیہ کا بھی شاید آج یہاں دل نہیں لگا

تھا۔ جبھی وہ بھی چلنے کے لئے فوراً تیار ہو گئی۔ گھر واپس جاتے ہوئے نفیسہ نے یہ ارادہ کر لیا کہ وہ آئندہ کبھی اتنی واہیات جگہ نہیں جائے گی۔ اگلی دفعہ جب سلیمان بھائی نے اس سے جانے کے لئے کہا تو اس نے صاف انکار کر دیا۔ لیکن جب سلیمان بھائی کے چہرے پر ناراضگی کے آثار نظر آئے وہ نہ چاہتے ہوئے بھی جانے کے لئے تیار ہو گئی وہاں پہ نفیسہ نے جس بیزاری کا مظاہرہ کیا اس پہ سلیمان بھائی چڑ سے گئے۔ واپسی میں سارے راستے انہوں نے اس سے کوئی بات نہیں کی۔ حتیٰ کہ گھر پہنچ کر بھی وہ بڑی خاموشی سے دوسری طرف مڑ گئے۔

نفیسہ کے دل پر جانے کیوں چوٹ سی لگی۔

حالانکہ اب تک اس کے دل نے سلیمان بھائی کو ایک محبوب کی جگہ نہیں دی تھی لیکن اتنے عرصے تک ساتھ رہنے سے اسے اپنے دل کے انداز کچھ بدلے بدلے سے لگنے لگے تھے جب سے اسے یہ معلوم ہوا تھا کہ سلیمان بھائی اس سے شادی کرنے کے خواہشمند ہیں اس نے اپنے دل و دماغ کو مسلسل سمجھانا شروع کر دیا تھا۔ جب اسے اس بات کا علم ہوا تھا کہ گھر کے بزرگوں نے سلیمان بھائی کے ساتھ یہ بات ایک طرح سے پکی کر دی ہے تو اس کی طبیعت میں ایک قسم کا ٹھہراؤ آ گیا تھا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ اب جب کہ مجھے اپنی زندگی کے بے شمار طویل سال ان کے ساتھ گزارنے ہیں تو پھر دل و دماغ کے درمیان ایک سمجھوتہ بھی کرنا پڑے گا۔ وقت گزرنے کے ساتھ اس سمجھوتے میں ایک پختگی آ چکی تھی۔

نفیسہ تو ایسی لڑکی تھی جس نے اپنی زندگی میں کبھی کسی کو ناراض ہونے کا موقع نہیں دیا تھا لیکن اب سلیمان بھائی اس سے ناراض ہوئے تو اسے بڑا عجیب سا احساس ہوا۔

اسے تو یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ روٹھے ہوئے لوگوں کو کس طرح منایا جاتا ہے اتوار کا بیشتر حصہ اس نے الجھن پریشانی اور سوچوں میں گزار دیا۔ دوسرا روز بھی ایسے ہی گزرا۔ کالج گئی تو کالج میں بھی اس کا دل نہیں لگا۔ واپس آ کر بھی وہ زیادہ تر وقت الٹی پلٹی پڑی رہی۔ باوجود کوشش کے وہ اپنے آپ میں اتنی ہمت نہ پا سکی کہ سلیمان بھائی کے پاس جا کر ان سے معافی مانگ سکتی۔ حالانکہ یہ معافی بلا وجہ کی ہی ہوتی سچی بات تو یہ تھی کہ سلیمان بھائی خواہ مخواہ ہی ناراض ہو گئے تھے۔

اور اس وقت تو اس کا دل دکھ کر رہ گیا جب شام کو سلیمان بھائی معمول مطابق دادی اماں، دادا جان اور باقی بزرگوں کو سلام کرنے کے لئے آئے۔ تجوّ بات کی، چھوٹی باجی سے بھی کی۔ لیکن اسے بالکل نظر انداز کر دیا۔

کیا مجھ سے اتنا بڑا قصور سرزد ہو گیا ہے؟

اس نے دل ہی دل میں سوچا اور دریچے میں جھکی ہوئی دیر تک اداس اداس سے خیالات کا بوجھ اپنے ذہن پر لئے رہی۔

اس کے بعد ——— جب دو روز اور اسی انداز سے گزر گئے تو صبر و ضبط کا دامن اس کے ہاتھوں سے چھوٹ گیا۔ اس نے سوچا کل وہ ضرور سلیمان بھائی کے پاس جائے گی۔ اگلے روز کا انتظار اس نے بڑی بے چینی سے کیا لیکن وہ شام ہونے کا انتظار نہ کر سکی۔ دوپہر کو جب سلیمان بھائی آفس سے واپس آئے تو ان کی گاڑی کا ہارن سن کر وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس نے ایک نگاہ شجو پہ ڈالی جو یا تو سچ مچ سو رہی تھی یا پھر سونے کی ایکٹنگ کر رہی تھی۔ سرہانے سے دوپٹہ اٹھا کر شانوں پہ پھیلاتے ہوئے وہ کھڑی ہو گئی۔ اپنے کمرے سے سلیمان بھائی کے کمرے تک کا فاصلہ اس نے

۔۔۔خواب کے سے عالم میں طے کیا۔

یہ بھی اچھا ہی ہوا کہ راستے میں اس کی کسی سے بھی مڈبھیڑ نہ ہوئی ورنہ کسی کے پوچھنے پر وہ کیا کہتی، کیا بتاتی۔

سلیمان بھائی نے ابھی کپڑے بھی نہیں تبدیل کئے تھے۔ جوتوں اور کپڑوں سمیت اپنے بستر پہ آڑے ترچھے لیٹے بالا مقصد پر بلا سے چار سے ہے تھے۔ کمرے میں ان کے ۔۔۔ سگریٹ کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ اور سگریٹ کا سرمئی دھواں ایک لکیر کی ۔۔۔ میں چھت کی طرف بلند ہو رہا تھا، ان کی خوبصورت آنکھیں سوچوں میں ڈوبی ہوئی ۔۔۔ اور ذہن میں سوائے بنفشہ کے اور کسی کا تصور نہیں تھا۔ کمرے کا پردہ ہوا سے ۔۔۔ بنفشہ نے انہیں چپ چاپ لیٹے دیکھا۔ اس نے آہستہ سے دروازے پر ۔۔۔ دی۔ سلیمان بھائی چونک سے گئے۔ دستک کا یہ انداز ان کے لئے نیا تھا۔ وہ ۔۔۔ کر بیٹھ گئے۔

کون ہے؟ اندر آ جائیے۔

بنفشہ اپنے دھڑکتے دل کو سنبھالے اندر داخل ہو گئی۔

سلیمان بھائی نے بڑی حیرت سے اس کی طرف دیکھا، انہیں ایسا لگا جیسے وہ ۔۔۔ دیکھ رہے ہوں۔ بنفشہ ان کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی اور وہ ایک ٹک ۔۔۔ دیکھنے لگے۔ انہیں یہ بھی خیال نہ آیا کہ اس سے بیٹھ جانے کو کہہ دیتے۔

کیسے آئی ہو بنفشہ؟

چند لمحوں بعد انہوں نے پوچھا۔

بنفشہ خاموش رہی جھکی پلکیں اوپر نہ اٹھ سکیں۔

کچھ تو بولو بنفشہ بیگم!

سلیمان بھائی اس کے بالکل قریب آ کر کھڑے ہو گئے۔

سلیمان بھائی!

بنفشہ نے بمشکل تمام یہ دو لفظ زبان سے ادا کئے۔

ہاں۔ ہاں۔ کہو۔

سلیمان بھائی نے اس کے ضبط سے سرخ ہوتے ہوئے چہرے کی طرف دیکھا۔

بنفشہ نے بس ایک لمحے کے لئے ان کی طرف دیکھا۔ اور پھر ــــ دل کا طوفان آنکھوں تک آیا اور ساحل کو بھی پار کر گیا۔ وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر رو پڑی۔

سلیمان بھائی گھبرا گئے۔ انہیں توقع نہیں تھی کہ وہ یوں رو پڑے گی۔ اسے دیکھ کر ان کا دل دکھ سا گیا۔ انہوں نے اسے چپ کرانے کی بہت کوشش کی۔ بنفشہ کے بہتے آنسو کسی طرح تھمنے میں ہی نہیں آ رہے تھے۔ اس کی انگلیوں کی پوریں شبنمی آنسوؤں سے بھیگتی رہیں اور آنسو اس کی کلائیوں میں پڑی ہوئی کانچ کی سرخ چوڑیوں سے ٹکرا کر نیلے آنچل میں جذب ہوتے رہے۔

سلیمان بھائی کے دل کا سارا پیار سمٹ کر ان کی آنکھوں میں آ گیا۔ انہیں احساس ہوا کہ بنفشہ اتنی اچھی تو انہیں کبھی بھی نہیں لگی تھی انہوں نے سگرٹ قریبی ایش ٹرے میں ڈال کر بڑی آہستگی سے اس کی ہتھیلیاں چہرے سے ہٹا دیں۔

تم رونے کیوں لگیں؟

سلیمان بھائی نے پوچھا۔

بنفشہ نے بھیگی آنکھوں سے ان کی طرف دیکھا اور بولی۔

میں نے آپ سے کیا کہا تھا جو آپ نے مجھ سے بات کرنی چھوڑ دی۔

ہوں۔ تم نے مجھ سے کیا کہا؟

سلیمان بھائی نے سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھا۔

بنفشہ خاموش رہی۔

تم مجھے بوریت کرتی ہو۔ ہر بات میں تمہاری طرف سے انکار میرے دل کو تکلیف پہنچاتا ہے؟

بنفشہ ان کے جملے کا مطلب سمجھ گئی تھی اس نے خاموش رہنے میں ہی بہتری سمجھی۔

میں تم سے کسی غلط کام کے لئے نہیں کہتا پھر بھی تمہارا یہ انداز ہے۔

اچھا۔ اب آپ جیسے کہیں گے میں ویسے ہی کروں گی۔

بنفشہ کی آواز بہت دھیمی تھی۔

تم نے خوامخواہ ہی مجھے تین چار دن پریشان رکھا۔

سلیمان بھائی مسکرائے۔

میں خود بھی تو خوش نہیں رہی ان چار دنوں میں۔

بنفشہ نے دل میں سوچا سلیمان بھائی سے نہیں کہا۔ لیکن سلیمان بھائی نے خود اس کے دل کی بات کہہ دی۔

اور مجھے معلوم ہے کہ تم خود بھی اس دوران بے سکون نہیں رہیں۔

آپ کو کیسے معلوم؟

جھینپ کر مسکرائی۔

مجھے سب معلوم ہو جاتا ہے۔

سلیمان بھائی کی نگاہوں میں شوخی تھی۔

بنفشہ نے نظریں جھکا لیں۔

تو پھر آج شام کو کہاں چلنا ہے؟

سلیمان بھائی نے پوچھا۔

جہاں آپ کہیں۔

بنفشہ نے کہا۔

ایسی ہی فرمانبرداری کا ثبوت دیا کرو نا ہمیشہ!

سلیمان بھائی ہنسے۔

بنفشہ نیم باز آنکھوں سے ان کے چہرے کی طرف دیکھتی رہی۔

اچھا جاؤ تم بھی کیا یاد کرو گی! آج شام سب کو کافی ہاؤس لے چلوں گا۔

بنفشہ نے ان کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا۔

تم میرے ساتھ تنہا جاتے ہوئے ڈرتی ہو نا!

سلیمان بھائی نے اسے چھیڑتے ہوئے کہا۔

اگر ہمیشہ سب کو لے چلیں تو ایک بات بھی ہے۔

بنفشہ نے کہا۔

یہ تو نا ممکن ہے۔ کباب میں کبھی کبھی ہڈی برداشت کی جا سکتی ہے لیکن روز روز والی بات.........

بنفشہ کو ہنسی آگئی۔

ہنستی ہو، دل بھر کے مجھے پریشان کیا ہے تم نے۔

سلیمان بھائی نے کہا۔

میں نے کب پریشان کیا؟

اور پھر کس نے کیا؟ تمہیں کچھ اندازہ ہے تم مجھے کتنی اچھی لگتی ہو؟

سلیمان بھائی نے والہانہ انداز سے اس کی طرف دیکھا۔

بنفشہ نے انکار میں گردن ہلائی۔

پھر تمہیں دنیا میں کسی بات کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔

سلیمان بھائی نے سنجیدگی سے کہا۔

اچھا۔ تو اب میں جاؤں؟

بنفشہ نے پوچھا۔

کیوں؟ بس، اتنی سی دیر میں بیزار ہو گئیں؟

نہیں، مجھے نیند آ رہی ہے۔

پھر ضرور جاؤ۔ شام کو تیار رہنا۔

سلیمان بھائی نے کہا اور بنفشہ پرسکون ہو کر چلی گئی۔

تین چار دن سے دل و دماغ پر جو بوجھ تھا وہ اتر گیا تو اس نے اپنے آپ کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کیا۔

پھر --- اس کے بعد بنفشہ نے اپنے آپ کو سلیمان بھائی کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ وہ جہاں بھی جانے کے لئے کہتے وہ بیزاری کا احساس کئے بغیر ان کے ساتھ چلی جاتی۔ سچی بات تو یہ تھی کہ بنفشہ کے اس حد تک بدل جانے میں چھٹ باجی کا

بھی بڑا ہاتھ تھا۔ ایک دن جانے کس موقع پر چھوٹ باجی نے کہا تھا۔

آج کل اچھے رشتے ملتے کہاں ہیں، یہ تو ہم سب کی خوش قسمتی ہے کہ سلیمان بھائی نے تمہیں پسند کیا ہے۔

لوگوں کو تو ایک ہی بیٹی پہاڑ معلوم ہوتی ہے ہم تو تین ہیں، ذرا سوچو اماں بیگم اور ابا میاں کتنے فکر مند ہوتے ہوں گے؟

بنفشہ کے دل پر جانے کیوں یہ باتیں نقش ہو کر رہ گئی تھیں؟

اس نے سوچا۔ وہ تو زبردستی کا بوجھ بن گئی ہے ان لوگوں کے اوپر۔

اس کے بعد سے اس کے دل میں سلیمان بھائی کیلئے خاصی قدر پیدا ہو گئی۔ ان کی مرضی پہ چلنا جیسے اس نے اپنا فرض سمجھ لیا۔ سلیمان بھائی نے بھی اس کے معاملے میں اپنا رویہ خاصا محتاط رکھا تھا۔ وہ اسے روز روز اپنے ساتھ نہیں لے جاتے تھے بلکہ خود بھی زیادہ تر شامیں گھر پہ ہی گزارتے تھے۔

وقت گزرنے کے ساتھ بنفشہ اور سلیمان بھائی کے درمیان فاصلے خود بخود کم ہونے لگے۔

جس روز بنفشہ اور ننھو کے بی۔ اے (فائنل) کے امتحانات شروع ہوئے اس روز چھوٹے چچا اپنی نئی کوٹھی میں شفٹ ہو گئے۔ دادی اماں سے چاریوں نے تو اپنے بڑھاپے کا سارا زور صرف کر ڈالا لیکن وہ ان لوگوں کو روکنے میں کامیاب نہ ہو سکیں۔ دادا جان نے ان لوگوں کو جی بھر کے برا بھلا کہا۔ مگر ننھو نے سوچا کہ دادا جان بک جھک کر بلاوجہ ہی اپنی "انرجی ویسٹ" کر رہے ہیں ان کے برا بھلا کہنے سے چچا جان رک تھوڑی جائیں گے۔

اپنی کوٹھی میں منتقل ہو جانے کے بعد سلیمان بھائی کچھ دنوں تک تو بڑی باقاعدگی سے شام کو حاضری دیتے رہے۔ آنے کے بعد تو کسی طرح جانے کا نام ہی نہ لیتے۔ رات گئے تک بیٹھے رہتے۔ یہ بنفشہ ہی کی کشش تھی جو انہیں وہاں کھینچ لاتی تھی۔ اکثر و بیشتر بنفشہ کو ساتھ لے کر گھومنے بھی چلے جاتے۔ کبھی کلب، کبھی ہوٹل، کبھی پکچر اور کبھی صرف سڑکوں پہ سڑک گشتی کرنے نکل جاتے۔ پھر ان کی آمدورفت میں بتدریج کمی آتی گئی۔ آہستہ آہستہ انہوں نے بنفشہ کو کلب لے جانا بالکل چھوڑ دیا۔ صرف گھر پہ آ کر مل لیتے۔ بنفشہ کے ساتھ دوسری تفریح گاہوں پہ جانا بھی کم کر دیا۔ اس غیر معمولی تبدیلی کو ہر شخص نے محسوس کیا۔ بنفشہ بھی بے حس تو نہیں تھی لیکن اس نے حرفِ شکایت زبان پہ لانا مناسب نہ سمجھا۔ وہ اپنے وسوسوں اور اندیشوں کو دل ہی میں چھپائے چپ چاپ آنے والی شام و سحر کا انتظار کرتی رہی۔

دادی اماں، اماں بیگم اور گھر کے دوسرے بزرگ اس انتظار میں ہی رہے کہ کب چچی جان دوبارہ رشتے کی بات چھیڑیں۔ کیونکہ چچی جان نے کہا تھا کہ صوفیہ کا رشتہ طے ہو جائے تو سلیمان بھائی کے لئے بھی کچھ سوچا جائے۔ صوفیہ کا رشتہ تقریباً طے ہی ہو چکا تھا لیکن چچی جان نے پھر بھی خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔

ایک طرف چچی جان کی طویل خاموشی تھی اور دوسری طرف سلیمان بھائی کے انداز بدل گئے تھے۔ بنفشہ کے خیالات پریشان ہو گئے وہ سارا دن خاموش خاموش سی اپنے آپ کو کاموں میں مصروف رکھنے کی کوشش کرتی لیکن اس کا دل جیسے ایک بھاری پتھر تلے دب کر رہ گیا تھا۔

پھر —— ایک شام —— جب سلیمان بھائی کافی دنوں کے بعد گھر آئے

تو درختوں کے سائے طویل ہو چکے تھے۔ بنفشہ ڈوبتے سورج کی پیلی پیلی دھوپ میں نہائی بڑے بھیا کے کمرے کے سامنے والے کوریڈور میں کھڑی تھی۔

سلیمان بھائی نے اس کے قریب رک کر چند رسمی سی باتیں کیں اور اندر چلے گئے بنفشہ کے سینے میں جیسے کوئی چیز ٹوٹ کر بکھر گئی۔ اس نے پلکیں جھپکا کر آنکھوں میں امنڈتے ہوئے آنسوؤں کو پی لیا اور لان میں چلی گئی۔

سلیمان بھائی اندر بھی بہت زیادہ دیر نہیں رکے۔ جب وہ دوبارہ باہر آئے تو بنفشہ کو لان میں کھڑا دیکھ کر کسی سوچ میں پڑ گئے۔ پھر چند لمحوں بعد ان کے قدم اس کی طرف اٹھ گئے۔

اکیلی کیوں کھڑی ہو؟

انہوں نے اس کے قریب رک کر پوچھا۔

بنفشہ ان کے اس بے تکے سوال پہ دل ہی دل میں ہنسی۔

کیا بات ہے؟ بڑی چپ چپ ہو۔

سلیمان بھائی نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

بنفشہ خاموش رہی۔

اچھا بھئی! تم تو بات ہی نہیں کرنا چاہتیں، پھر ہم چلتے ہیں۔

بہت جلدی ہے آپ کو جانے کی۔

ہاں۔ کچھ کام ہے۔

بڑے مصروف رہنے لگے ہیں آپ۔

ہوں۔ آج کل کام بہت بڑھ گیا ہے۔

سلیمان بھائی کچھ جھینپ کر بولے۔

اچھا پھر جائیے۔

بنفشہ نے دبی ہوئی سانس لی۔

خدا حافظ۔

سلیمان بھائی اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئے۔ گاڑی گیٹ سے باہر نکل گئی تو بنفشہ نے شبنمی نگاہوں سے دور جاتی ہوئی گاڑی کی طرف دیکھا اور بوجھل قدموں سے اپنے کمرے میں آگئی۔

اور رات ——— اس کے پریشان خیالات نے اتنا ستایا کہ وہ گھبرا کر اپنے بستر سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ساتھ والے بستر پہ شبو بے خبر سو رہی تھی۔ بنفشہ پردے درنیچے میں ہٹا کر کھڑی ہو گئی۔ کچھ دیر یونہی کھڑی اپنے دل کی دھڑکنوں کو سنتی رہی پھر آہستہ سے دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔

کتنی اداس رات ہے؟

اس نے برآمدے کی سیڑھیوں کے قریب کھڑے ہو کر سوچا۔

یہ مجھے کیا ہو گیا ہے؟ میرے یہ انداز تو کبھی نہ تھے۔

اس نے اپنے آپ سے سوال کیا۔

ہوا رات کی رانی اور چنبیلی کی خوشبوؤں کو اپنے دامن میں سمیٹے اس کے قریب سے گزری تو اس کا دل دکھ کر رہ گیا۔ اس نے بھیگی آنکھوں سے نیلگوں آسمان کی وسعتوں پہ اڑتے ہوئے بادلوں کے سفید ٹکڑوں کی طرف دیکھا۔ اسی لمحے بڑے بھیا کے کمرے سے ان کے کھانسنے کی آواز آئی تو وہ سہم سی گئی۔ گردن گھما کر اس نے

بڑے بھیا کے کمرے کی طرف ڈری ڈری نگاہوں سے دیکھا اور ذرا سا سرک کر ستون کی آڑ میں ہو گئی۔ دادا جان کے کمرے کی سامنے والی دیوار پر چمپا کی سوکھی ہوئی شاخوں کا سایہ پڑ رہا تھا، چاند بادام کے درخت سے بہت اوپر کافی بلندی پر چمک رہا تھا چاندنی کا مدہم سا غبار زمین پر برستا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ درختوں میں سرسراہٹیں تھیں اور سرگوشیاں نیم کے گھنے درخت کی پتیاں بہت دھیرے دھیرے سرسرا رہی تھیں اور باہر سڑک پر جلتے ہوئے بلبوں کی روشنی دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ اتنی خاموشی تھی اور اتنا سناٹا کہ بنفشہ کو اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہوا۔

اس نے سوچا۔

میں یہاں کیوں کھڑی ہوں؟ اگر کسی نے دیکھ لیا تو کیا سمجھے گا؟

لیکن اندر جا کر بھی کیا کروں؟ نیند بھی تو نہیں آتی۔

اس کا دل کمرے میں جانے کو بالکل نہیں چاہ رہا تھا۔

لیکن وہ اپنے دل کے چاہنے یا نہ چاہنے کی پرواہ کئے بغیر کمرے میں آ گئی اور بستر پہ بیٹھ کر سونے کی ناکام کوشش کرنے لگی۔

دوسرے روز اتوار تھا۔ رات کو دیر تک جاگنے کی وجہ سے صبح بنفشہ کی آنکھ جلدی نہ کھل سکی۔ شجو نے اسے دو تین آوازیں دیں لیکن وہ بے سدھ پڑی سو رہی تھی۔ ناشتے کی میز پر اس کی غیر موجودگی کو سب سے پہلے بڑے بھیا نے محسوس کیا۔

بنفشہ کہاں ہے؟

انہوں نے شجو سے پوچھا۔

سو رہی ہیں۔

ابھی تک ....؟

بڑے بھیا فکر مند ہوئے۔ دادی اماں اور اماں بیگم کو بھی تشویش ہوئی۔

اس کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟

اماں بیگم نے پوچھا۔

معلوم نہیں۔

شجو نے لٹھ مار دیا۔

نہیں کیسی بات، ہوش بھی رہتا ہے؟

اماں بیگم شجو رانی پہ برس پڑیں۔

سارا وقت تو اس کے ساتھ رہا کرے اور پوچھو تو کچھ نہیں معلوم۔

دادی اماں بولیں۔

ایک کمرے میں رہنے سے کیا ہوتا ہے؟ وہ اپنے کاموں میں مصروف رہتی ہیں یہ اپنے کاموں میں۔

شجو نے ذرا جھینپتے ہوئے کہا۔

دادی اماں سے بھلا کہاں صبر ہو سکتا تھا۔ فوراً ناشتہ چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئیں اور اپنا غرارہ سنبھالتی ہوئی بنفشہ کے کمرے کی طرف چل دیں۔ تھوڑی دیر بعد جب انہوں نے آ کر بتایا کہ رات دیر سے سوئی تھی اس لئے نیند پوری نہیں ہوئی تو بڑے بھیا کے دل کو اطمینان ہوا۔ ورنہ وہ تو یہ سوچ کر فکر مند تھے کہ کہیں اس کی طبیعت نہ خراب ہو۔ سلیمان بھائی کے بدلتے ہوئے انداز ان کی نظروں سے پوشیدہ نہیں تھے۔ اور بنفشہ کی سوچ میں ڈوبی ہوئی آنکھوں سے بھی وہ بے خبر نہیں تھے۔ سلیمان بھائی

کے متعلق یہ خبر اڑتی اڑتی ان تک بھی پہنچی تھی کہ آجکل وہ کلب کی ایک نئی لڑکی میں بہت دلچسپی لے رہے ہیں وہ نئی لڑکی نیلما رستم تھی۔ سیٹھ رستم کی حسین و جمیل لاڈلی بیٹی ——— جو ہر روز بیش قیمت اور نت نئے ڈیزائن کے لباسوں میں کلب آتی تھی اور اس کی شامیں سلیمان بھائی کے ساتھ گزرتی تھیں خبر پہنچانے والوں نے یہ بات بہت زور دے کر بتائی تھی کہ ابتدا نیلما رستم کی طرف سے ہوئی تھی۔ سلیمان بھائی نے کافی عرصے تک اسے بالکل لفٹ نہیں دی تھی لیکن نیلما کے پاس ایک تو حسنِ بے پناہ تھا دوسرے اس کے پاس تیکھی اداؤں کا خطرناک جال بھی موجود تھا پھر سلیمان بھائی کو پھانسنے میں کیا دیر لگتی؟ اور پھر سلیمان بھائی تو میدانِ حسن و عشق کے پرانے کھلاڑی تھے وہ تو محض کچھ عرصے کے لئے ان کے قدم سیدھی راہوں کی طرف بھٹک گئے تھے۔ بنفشہ کا سادہ حسن نیلما کے چکا چوند کر دینے والے حسن کا مقابلہ بھلا کہاں کر سکتا تھا۔

بڑے بھیا کو اچھی طرح اندازہ تھا کہ بنفشہ کتنی حساس طبیعت کی مالک ہے سلیمان بھائی کے دن بدن بدلتے ہوئے رویے نے اس کے دل کو متاثر نہیں کیا ہوگا؟ وہ یہ سوچ کر پریشان تھے۔ ان دنوں ان کی اپنی الجھنیں، پریشانیاں اور مصروفیتیں اتنی زیادہ تھیں کہ وہ باوجود کوشش کے بنفشہ سے بات کرنے کا وقت ہی نہیں نکال سکے تھے۔ صبح وہ جلدی چلے جاتے تھے اور رات کو اکثر اتنی دیر سے آتے تھے کہ بنفشہ سو چکی ہوتی تھی۔

ناشتے کے بعد بڑے بھیا کچھ دیر اپنی امی کے پاس بیٹھے ان تصویروں اور خطوں پر تبصرہ کرتے رہے جو ان کی بہن نے لندن سے بھجوائی تھیں۔ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ ابا

پاس بیٹھے ملک کے سیاسی حالات پر تبصرہ کرتے رہے پھر اخبار اٹھا کر اپنے کمرے میں آگئے اخبار پڑھتے ہوئے انہیں ایک دم بنفشہ کا خیال آگیا۔ انہوں نے رسٹ واچ کی طرف دیکھتے ہوئے بنفشہ کو اپنے کمرے میں بلوانے کا فیصلہ کر لیا۔ اپنے کمرے سے باہر نکلے ہی تھے کہ ان کی نگاہ بتن میاں پر پڑی انہوں نے بتن میاں کو آواز دے کر بنفشہ کو بلانے کے لئے کہا اور اپنے کمرے میں آکر سگریٹ کا پیکٹ تلاش کرنے لگے بتن میاں نے آکر اطلاع دی کہ بنفشہ باجی غسل کر رہی ہیں۔ "اچھا" کہہ کر بڑے بھیا نے ایک طویل سانس لی اور اخبار لے کر صوفے پر نیم دراز ہو گئے

رفتہ رفتہ ہر شخص کو یہ بات معلوم ہو گئی کہ سلیمان بھائی کی مصروفیتیں آجکل
عروج پر ہیں۔ سلیمان بھائی اب وہ پہلے سے سلیمان بھائی نہیں رہے جو بنفشہ
سے بات کرنے کے بہانے ڈھونڈا کرتے تھے اور اس کے ساتھ سیر و تفریح کرتے
رہے دادی اماں اور اماں بیگم کی خوشامدیں کیا کرتے تھے۔ دادی اماں کو اب
یہ معلوم ہو گئی تھی کہ سلیمان بھائی آجکل کسی اور لڑکی میں دلچسپی لے رہے
اس کے باوجود خاندان کی بزرگ ہونے کے ناطے انہوں نے اس بات کا
تھی کہ اب کے چھوٹی بہو کے آنے پر وہ ضرور سلیمان اور بنفشہ کی شادی
چھیڑ دیں گی۔

اور ہوا بھی یہی۔ ایک اتوار کو جب چچی جان اور چھوٹے چچا دادی

لئے آئے تو دادی اماں نے صاف صاف بات کی۔

سلیمان اور بنفشہ کی شادی کب تک کرنے کا ارادہ ہے؟

پہلے تو چچی جان کے چہرے کا رنگ بدلا پھر فوراً ہی اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے بولیں۔

ابھی تو سلیمان کا کوئی ارادہ ہی نہیں معلوم ہوتا۔

آخر کیوں؟ کوئی وجہ بھی ہو؟ دادی اماں بولیں۔

معلوم نہیں۔

چچی جان دبی زبان سے بولیں۔

اب تو خیر سے صوفیہ کا رشتہ بھی طے ہو گیا ہے۔

دادی اماں بولیں۔

چچی جان خاموش رہیں۔

کہاں تو اتنی جلدی تھی اور اب یہ عالم ہے کہ بالکل خاموشی اختیار کر رکھی ہے

دادی اماں نے کہا۔

بس، آجکل کے لڑکوں کا تو یہی ہے۔

چچی جان مسکرائیں۔

اب تو وہ کئی کئی دنوں تک صورت ہی نہیں دکھاتا۔

دادی اماں نے ناراضگی کا اظہار کیا۔

آجکل کام زیادہ ہے، مصروف رہتا ہے۔

چچی جان نے بہانہ بنایا۔

ایسا کون سا کام ہو گیا کہ دس منٹ کے لئے صورت دکھانے نہیں آ سکتا۔

چچی جان اس بات کا بھلا کیا جواب دیتیں!

نظریں جھکائے خاموش بیٹھی رہیں۔

تم اس سے بات کر کے صاف صاف بتاؤ، اگر اس کی مرضی نہیں ہے تو ہم لڑکی کا رشتہ کہیں طے کر دیں۔

دادی اماں نے کہا۔

اچھا۔ میں اس سے بات کروں گی۔

چچی جان بولیں اور دل میں سوچا۔

سلیمان سے بات کرنا یا نہ کرنا برابر ہے، اس کا جواب مجھے اچھی طرح معلوم ہے، اہم بات تو یہ ہے کہ یہ جواب امی جان تک کس منہ سے پہنچاؤں گی؟ خیر! اللہ مالک ہے۔

انہوں نے اپنے دل کو تسلی دی۔

اس بات چیت کے تقریباً ایک ہفتے بعد چچی جان نے بڑی ہمت کر کے دادی اماں کو بتا دیا کہ سلیمان میاں شادی کرنے کے لئے راضی نہیں۔

دادی جان نے خشمگیں نگاہوں سے اپنی بہو کی طرف دیکھا اور بولیں۔

نہیں راضی ہے تو نہ سہی۔ بنفشہ کے لئے رشتوں کی کمی نہیں ہے لیکن......

دادی اماں ایک لمحے کے لئے رکیں۔ چچی جان نے ان کی طرف استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔

یہ کوئی اچھے لچھن نہیں ہیں۔

دادی اماں نے اپنا جملہ مکمل کرتے ہوئے اماں بیگم کی طرف ایسی نگاہوں سے

با جیسے پوچھ رہی ہوں کیوں زلیخا! میں ٹھیک کہوں ہوں نا!

اماں بیگم چپکی بیٹھی رہیں۔

ٹھیک ہے، جہاں اس لڑکے کا دل چاہے شادی کرے، کوئی زبردستی تو ہے نہیں۔

دادی اماں۔ چچی جان سے کہہ کر اپنے پاندان کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

سلیمان بھائی کے انکار کی خبر گھر بھر میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ شہزورانی نے اپنے ائی جیسے دانتوں کو پیس پیس کر سلیمان بھائی کو خوب برا بھلا کہا، دادا جان گرجے برسے بانے اپنے ہاتھوں میں پکڑی ہوئی موٹی سی کتاب کو ایک طرف رکھتے ہوئے ے غصے کے عالم میں چھوٹے چچا اور سلیمان کی خبر لینے کا فیصلہ کر لیا۔ سجاد بھائی نے ت پر دونوں ہاتھ باندھ کر برآمدے کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ٹہلتے ئے جانے کیا کچھ سوچ ڈالا اور بڑے بھیا نے اپنے کمرے کے دریچے میں کھڑے ہو کر ت کے متعلق سوچتے ہوئے درجنوں سگریٹ پھونک ڈالے۔ بڑی اماں اور چھوٹی چچی وچ کر پریشان بیٹھی تھیں کہ اب بنفشہ کا کیا بنے گا؟ وہ تو ویسے ہی اس قدر حساس ے اس کے دل پر کیا بیتے گی؟ وہ تو کسی سے کچھ کہتی سنتی بھی نہیں کہ اسی طرح دل جھ ہلکا ہو جائے۔

لیکن بات کوئی چھپنے والی تو تھی نہیں۔ بنفشہ سے بھی آخر کب تک چھپی رہتی۔ جانے ے جانے کس طرح؟ اس کے کانوں تک بھی یہ بات پہنچ گئی کہ سلیمان بھائی اب اس ے ساتھ شادی کرنے پر رضامند نہیں ہیں۔ بنفشہ کو زندگی میں پہلی بار اپنے دل پر بڑی ب سی چوٹ کا احساس ہوا اور بڑے انوکھے درد کا احساس ہوا۔ دماغ پر ہتھوڑے سے

برسنے لگے لیکن اس نے کسی سے کچھ نہیں کہا۔ بڑی خاموشی سے اپنے آپ کو ہلکے پھلکے قسم کے کاموں میں مصروف کر دیا۔ جب وہ بیکار قسم کے کام بھی ختم ہو گئے۔ تو تکیوں پر منہ چھپا کر لیٹ گئی۔ شام آئی اور آ کر ڈھلنے بھی لگی، درختوں کے سائے طویل ہو گئے سورج کی کرنیں مدہم پڑ گئیں۔ زرد بیمار دھوپ مکانوں کے آخری سروں کو چھوتے چھوتے غائب ہو گئی، آسمان لالہ گوں ہو گیا اور پھر تھوڑی دیر بعد سڑکوں پر لگے ہوئے بلب جل اٹھے لیکن نفیسہ نے کروٹ تک نہ بدلی۔ شجو رانی تو اسے اس طرح لیٹے دیکھ کر آئی گئی تھیں۔ کہ اسے اٹھانے کی ہمت بھی اپنے میں نہ پا سکیں۔ شام کی چائے کے وقت جب "نفیسہ" "نفیسہ" کی پکار بلند ہوئی اور دادی اماں نے اپنا غرارہ سنبھال کر نفیسہ کے کمرے کی طرف جانے کا ارادہ کیا تو شجو رانی جانے کیا سوچ کر جھوٹ بول دیں۔

رہنے دیجئے دادی اماں! وہ چائے پی چکی ہیں۔

اسے کب پی چکی؟

دادی اماں نے حیران ہو کر پوچھا۔

ابھی پندرہ منٹ پہلے ہی پی ہے، میں نے بنا کر دی تھی۔

شجو نے دوسرا جھوٹ بولا۔

کیا حرج ہے؟ اس وقت اور پی لے گی۔

دادی اماں نے پھر جانے کے لئے پر تولے۔

ان کے سر میں درد تھا، وہ چائے پی کر سو گئی ہیں۔

اپنے جھوٹ کو نبھانے کے لئے شجو نے ایک اور جھوٹ بولا۔

یہ سن کر نفیسہ ذرا ہی دیر پہلے سوئی ہے۔ دادی اماں نے اسے اٹھانا

ملتوی کر دیا لیکن مغرب کی نماز کے بعد دادی اماں کو پھر تشویش ہوئی۔ کیا وجہ ہے؟ ابھی تک نہیں اٹھی، کہیں شجو نے اسے سلیمان کے انکار کے بارے میں نہ بتا دیا ہو کو بلا کر پوچھا۔ تو شجو نے صاف انکار کر دیا اور بولی۔

انہوں نے خود ہی سن لیا۔

کیسے سن لیا؟

دادی اماں کے چہرے کی جھریاں اور گہری ہو گئیں۔

دوپہر کو بڑی اماں اور اماں بیگم باتیں کر رہی تھیں۔ تو نفیسہ باجی نے ادھر سے آتے ہوئے سن لیا۔

شجو نے آہستہ سے کہا۔

تجھے کیسے معلوم؟

دادی اماں نے جرح کی۔

میں اس وقت برآمدے میں بیٹھی ہوئی تھی، میں نے خود دیکھا وہ کھڑکی کے پاس رک کر سن رہی تھیں۔

شجو نے کہا۔

یہ تو برا ہوا۔

دادی اماں فکر مند سی ہو کر اماں بیگم کے کمرے کی طرف چل دیں۔

شجو کمرے میں واپس آئی تو نفیسہ اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ دونوں ہاتھ گود میں رکھے چپ چاپ فرش کو گھورے جا رہی تھی۔ قدموں کی آہٹ پر اس نے پلٹ کر دیکھا اور کچھ کہے اٹھ کر باتھ روم کی طرف چلی گئی۔ شجو رانی ہونق بنی کرسی پر بیٹھ گئیں۔ تھوڑی دیر بعد

بنفشہ آئی تو شنو نے بڑی ہمت کر کے چائے کے لئے پوچھا۔

اگر بنی ہوئی ہو تو لا دو۔

بنفشہ کی آواز بہت مدہم تھی۔

تھوڑی دیر بعد جب شنو رانی چائے لے کر آئیں تو بنفشہ نے چائے کی پیالی تھامتے ہوئے کہا۔

تم نے بھی مجھے یہ بات نہیں بتائی شنو!

کون سی بات؟

شنو نے انجان بن کر پوچھا لیکن دل سینے میں بڑی زور سے دھڑک اٹھا تھا۔

کہ سلیمان بھائی نے ......

بنفشہ نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

میری ہمت ہی نہیں پڑی۔

شنو نے کہا۔

یہ بات کہنے کے لئے ہمت کی کیا ضرورت تھی؟

بنفشہ نے کہا۔

شنو چور بنی کھڑی رہی۔

بنفشہ کو شنو کا یہ روپ دیکھ کر دکھ بھی ہوا اور حیرت بھی۔

اس نے تو شنو کو کبھی بھی اس قدر سہما ہوا نہیں دیکھا تھا۔ اسے اپنے اوپر غصہ آیا۔

یہ ایک اور نئی پریشانی کھڑی کر دی میں نے سب کے لئے۔

اب اگر میں نے چپ شاہ کا روزہ رکھا تو یہ لوگ اور پریشان ہوں گے۔ مجھے دلی کیفیات کو کسی پر ظاہر ہی نہیں کرنا چاہیئے اگرچہ یہ کام آسان نہیں لیکن اسکے علاوہ کوئی چارہ بھی نہیں۔

بنفشہ نے سوچا اور چائے پینے لگی۔

چائے پی کر وہ شنو کے ساتھ باہر لان میں نکل گئی۔

رات کو کھانے کے وقت باوجود اس کے کہ اسے ہر شخص کی نگاہیں اپنے چہرے کی طرف اٹھتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں اس نے اپنے آپ کو نارمل رکھا۔

دو تین دن اسی کیفیت میں گزر گئے۔ یونیورسٹی جاتی تو وہاں دل نہ لگتا، گھر
ہوتی تو بیزار بیزار سی رہتی۔ دل پہ ہر لمحے ایک بھاری بوجھ سا محسوس ہوتا تھا اور دماغ سوچ
سوچتے سن ہو کر رہ گیا تھا۔ نیند کا یہ عالم تھا کہ جیسے کبھی اس نے آنکھوں کا رخ کیا ہی
نہیں تھا۔ زبردستی آنکھیں بند کئے لیٹے رہتی۔ کسی وقت بھولے بھٹکے آنکھ لگ بھی جاتی
تو ذرا ہی دیر بعد وہ چونک کر اُٹھ بیٹھتی۔ وہ اپنی اس حالت پر خود بھی حیران تھی۔ سلمان
بھائی نہ اس کی چاہت تھے نہ محبت! اس نے تو مہینوں کی کاوشوں کے بعد اپنے دل و
دماغ کو اس بات پہ آمادہ کیا تھا کہ وہ سلمان بھائی کو اپنی آئندہ زندگی کے ہمسفر کی
حیثیت سے قبول کرے۔ دل و دماغ نے اس سمجھوتے کے سامنے سر جھکا دیا تو زندگی
میں ایک ٹھہراؤ سا آگیا۔ لمحے گزر کر پیچھے دھندلکوں میں گم ہوئے تو نفشہ کو احساس ہوا

مان بھائی اس کی رگِ جاں کے قریب تھے۔ اس نے جاگتی آنکھوں سے اپنے اور
ن بھائی کے مستقبل کے بارے میں بہت سے خواب دیکھ ڈالے۔ قنوطیت پسند
نے کے باوجود مستقبل کے کسی برے لمحے کے بارے میں اس نے کبھی نہیں سوچا تھا جانے
ں؟ یہ وہ خود بھی نہیں جانتی تھی لیکن —— اگلے لمحے کی خبر کسے ہوتی ہے؟ کوئی
ں جانتا، کوئی نہیں کہہ سکتا کہ زندگی میں اب جو دوسرا لمحہ آئے گا وہ اپنے دامن
خوشیاں سمیٹ کر لائے گا یا غم؟ منتظر آنکھوں میں آنسوؤں کے چراغ جلائے گا یا
ئے لبوں پہ مسکراہٹوں کی کرنیں بکھیرے گا؟ غموں اور آنسوؤں کی تمنا تو کوئی بھی
ں کرتا لیکن تقدیر کا پنچھی ہواؤں کے دوش پہ اڑتے اڑتے انسان کے پھیلے ہوئے
ن میں جو کچھ بھی ڈال دے اسے سمیٹنا ہی پڑتا ہے۔ دامن میں گرے ہوئے آنسوؤں
ستاروں کو دھرتی کا بوجھ بنا کر پھینک دینا انسان کے بس کی بات نہیں اور
زن کی آگ کے شعلوں سے اپنے وجود کو بچا لینا اپنے اختیار کی بات ہے۔ پھر
شہ کیسے اپنا آپ بچا کر اس آگ سے دور ہٹ جاتی؟ وہ تو ایک بہت کمزور
بزدل سی لڑکی تھی۔ وقت کے ان لمحوں کو اس نے اپنی زندگی کا ایک جزو سمجھ کر
ل کر لیا۔ اس نے سوچا تو یہ تھا کہ دل پہ یہ جو ایک بوجھ سا آن گرا ہے اس کی خبر
ی کو بھی نہ ہونے دوں گی۔ سینے میں یہ جو ایک آگ سی بھڑک اٹھی ہے اس کے شعلوں
سی کی نگاہیں نہ پڑنے دوں گی لیکن شعلے جب بھڑکتے ہیں تو زمین سے آسمان تک
شنی ہی روشنی ہو جاتی ہے اور روشنی پہ کس کی نگاہیں نہیں پڑتیں؟ آگ لگتی ہے۔
دھواں بھی اٹھتا ہے اور دھوئیں کے بادل کسے نظر نہیں آتے؟ چوٹ پڑتی ہے تو
خم بھی لگتا ہے، زخم سے ٹیسیں اٹھتی ہیں تو آنکھوں میں پانی آ ہی جایا کرتا ہے ضبط

کرنے کی کوشش کون نہیں کرتا؟ لیکن زندگی میں ایک لمحہ ایسا بھی آجاتا ہے جب ضبط کا یارا نہیں رہتا۔ بنفشہ نے بھی صبر و ضبط کی ہر کوشش کر ڈالی لیکن جب دل سے آنکھوں تک طوفان ہی طوفان ہو تو ہمت خود بخود جواب دے جاتی ہے۔

جب وہ دل و دماغ کو سمجھا سمجھا کر تھک گئی تو اس نے اپنے آپ کو آنے والے لمحوں کے رحم و کرم پہ چھوڑ دیا۔ تین روز اسی بے کلی اور بے چینی میں گزر گئے چوتھے روز یونیورسٹی سے آکر کھانا کھاتے ہی بستر پہ پڑ گئی۔ جانے کیسے؟ جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی اور وہ اتنی گہری نیند سوئی کہ اسے دین و دنیا کی خبر نہ رہی۔ شاید یہ تین راتوں تک جاگنے کا اثر تھا۔ شام کو ایک دفعہ شجو نے اسے جگانے کی کوشش کی۔ دوسری بار چھٹ باجی آکر جھنجھوڑ گئیں۔ مگر وہ کروٹ بدل کر پھر سو گئی۔ پھر دادی اماں نے آکر اٹھانے کی کوشش کی۔ بنفشہ نے ذرا سی آنکھیں کھول کر دادی اماں کی طرف دیکھا اور یہ کہہ کر پھر آنکھیں بند کر لیں۔

ابھی میری نیند پوری نہیں ہوئی دادی اماں! ابھی میں اور سوؤں گی۔

مغرب کی آذان کے وقت اماں بیگم کے پکارنے پر وہ بڑی مشکل سے اور ناخواستہ ہی اٹھی۔

شام کو بھرپور نیند لینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ رات کو پھر اس کی آنکھیں بے خواب ہو گئیں۔ رات کو کھانا کھانے کے بعد وہ شکیل بھیا کے مجبور کرنے پر ان لوگوں کے ساتھ تاش کھیلنے بیٹھ گئی۔ کھیلنے کے معاملے میں وہ ہمیشہ سے ہی اناڑی رہی تھی۔ شجو اس کی پارٹنر تھی۔ تاش کھیلنے میں اسے مہارت بھی حاصل تھی۔ لیکن وہ کہاں تک کھیل کو سنبھالتی بنفشہ کی غلط سلط چالوں کی وجہ سے وہ دونوں مسلسل ہارتی رہیں۔ شجو نے بور ہو کر پتے پھینکے اور بک شیلف میں سے گوئٹے کی فاؤسٹ" نکال کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

[illegible] باجی ریکارڈ سننے لگیں۔ شکیل بھیا بھی سگریٹ سلگاتے ہوئے باہر چلے گئے۔ بنفشہ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی اور نوٹس کی کاپی کھول کر زبردستی پڑھنے کی کوشش کرنے لگی بڑی مشکل سے ہی بنفشہ کا دل پڑھنے میں لگا۔ شجو تو "فاؤسٹ" کا مطالعہ کرتے کرتے ہی سو گئی۔ کچھ دیر بعد بنفشہ نے بھی کاپی بند کر کے بے دلی سے ایک طرف رکھ دی اور اٹھ کر دریچے میں کھڑی ہو گئی۔ سب کے کمروں کی روشنیاں گل ہو گئی تھیں۔ [illegible] بھی بتی بجھا کر اپنے بستر پہ لیٹ گئی۔ بڑی دیر تک کروٹ بدل بدل کر سونے کی کوشش کرتی رہی مگر سونے کا کیا سوال تھا؟ ایک تو ویسے ہی ان دنوں اسے راتوں کو بے خوابی کی شکایت تھی اور آج تو سونے پر سہاگہ یہ ہوا تھا کہ وہ دن میں خوب سوئی تھی۔ جب آنکھیں میچ کر بھی سونے کی کوششوں میں ناکام رہی تو جھنجھلا کر بستر سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ چند لمحوں تک سوتی ہوئی شجو رانی کی طرف رشک بھری نگاہوں سے دیکھتی رہی پھر آہستہ سے دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ برآمدے میں آکر اسے پتہ چلا کہ [illegible] اس کا خیال تھا کہ سب سو چکے ہیں۔ شکیل بھیا کے کمرے میں اب تک روشنی ہو رہی تھی۔ چھٹ باجی کے کمرے کی بتی بھی جل رہی تھی۔ بڑی اماں کے کمرے کی نہ صرف بتی جل رہی تھی بلکہ وہ اپنے کمرے کے سامنے والے برآمدے کی ریلنگ کے قریب کھڑی سڑک کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ان بے چاریوں کو بڑے بھیا کے سوا اور کس کا انتظار ہو سکتا تھا؟ بڑے بھیا ادھر چند دنوں سے پھر بڑی دیر سے گھر آنے لگے تھے۔ بڑی اماں کو دیکھ کر بنفشہ گھبرائی کہ اب وہ سوال جواب شروع کر دیں گی۔ نیند نہ آنے کا سبب پوچھیں گی۔ اس نے سوچا وہ اندر واپس چلی جائے لیکن اب وہ اندر جانے کی پوزیشن میں بھی نہیں تھی۔

بڑی آماں کی نگاہ اس پر پڑ چکی تھی۔ بنفشہ ابھی اسی شش و پنج میں تھی کہ کمرے میں واپس جائے یا باہر ہی کھڑی رہے کہ بڑی اماں نے اسے آواز دی۔

بنفشہ!

جی۔ بڑی اماں!

بنفشہ نے گردن اٹھا کر اوپر دیکھا کیونکہ بڑی اماں اوپر والی منزل پر تھیں۔

تم سوئیں نہیں ابھی تک؟

بڑی اماں نے پوچھا۔

نیند نہیں آ رہی مجھے۔

بنفشہ نے کہا اور اس خیال سے کہ بڑی اماں کہیں مزید سوالات نہ شروع کر دیں۔ اس نے خود ہی بڑی اماں سے سوال کر دیا۔

شعیب بھائی ابھی تک نہیں آئے؟

ابھی کہاں آیا؟ اسی کے انتظار میں تو کھڑی ہوں۔

بڑی اماں کی آواز میں جھنجلاہٹ اور پریشان تھی۔

اسی وقت باہر ٹیکسی رکنے کی آواز آئی۔ بنفشہ کی نگاہیں گیٹ کی طرف اٹھ گئیں چند لمحوں بعد بڑے بھیا گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہوئے نظر آئے بڑے بھیا کو دیکھتے ہی بڑی اماں بھی اپنے بھاری بھرکم جسم کو سنبھالتی ہوئی زینے سے نیچے اترنے لگیں بڑے بھیا بنفشہ کے قریب پہنچ کر رک گئے۔

تم ابھی تک نہیں سوئیں؟

بڑے بھیا نے پوچھا۔

نہیں۔

بنفشہ نے دھیرے سے کہا۔

کیوں؟

نیند نہیں آ رہی۔

آجکل تمہیں بے خوابی کی شکایت کیوں ہو گئی ہے؟

طبیعت؟ نہیں تو؟

بنفشہ نے گھبرائی ہوئی نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔

اسی وقت بڑی اماں وہاں پہنچ گئیں۔ دو چار سوالوں میں بڑے بھیا کی اچھی طرح گوشمالی کرنے کے بعد بنفشہ کو ان کے لئے کھانا لانے کا حکم دے کر بڑے بھیا کے ساتھ کمرے میں داخل ہو گئیں بنفشہ کی عدم موجودگی میں انہوں نے بڑے بھیا کو اور دو چار باتیں سنا کر دل کی بھڑاس نکالی۔ بنفشہ جب کھانا لے کر آئی تو بڑی اماں کمرے سے باہر نکل گئی تھیں۔

بیٹی! اگر تمہاری کچھ سنتا ہو تو تم ہی سمجھاؤ۔

بڑی اماں نے بنفشہ سے کہا اور بنفشہ کا جواب سنے بغیر آگے بڑھ گئیں۔

بنفشہ کمرے میں داخل ہوئی تو بڑے بھیا صوفے کی پشت سے سر ٹکائے بڑی گہری سوچوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ بنفشہ نے کھانا ان کے سامنے رکھا تو بھی وہ اسی طرح بیٹھے رہے۔ بس ایک بار خوابیدہ سی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

کیا بات ہے شعیب بھائی؟

بنفشہ نے پوچھا۔

ہوں! کچھ نہیں۔

بڑے بھیا سنبھل کر بیٹھ گئے۔

کیا سوچ رہے تھے آپ؟

بنفشہ میز پہ دونوں کہنیاں ٹیک کر آگے کی طرف جھک گئی۔

تمہارے متعلق سوچ رہا تھا۔

بڑے بھیا مسکرائے۔

میرے متعلق؟

بنفشہ نے گھبرا کر نظریں جھکا لیں۔

ہاں! تمہارا چہرہ اتنا زرد کیوں ہو رہا ہے؟

بڑے بھیا اس کے چہرے کی طرف بڑے غور سے دیکھ رہے تھے۔

نہیں تو۔ آپ کو وہم ہو گیا ہے۔

بنفشہ کی نیچی نگاہیں اوپر نہ اٹھ سکیں۔

اگر یہ میرا وہم ہے تو پھر تم مجھ سے نظریں ملا کر بات کیوں نہیں کر تیں؟

بڑے بھیا نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔

بنفشہ نے ان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی پلکوں کی چلمنیں کانپتی رہیں۔ سچ تو یہ تھا کہ بڑے بھیا کے پاس آتے ہی اس کا دل بھر آیا تھا خود اس کا دل رہا تھا کہ بڑے بھیا اس سے اس کی اداسی کا سبب پوچھیں۔ حالانکہ اسے یہ بات طرح معلوم تھی کہ بڑے بھیا کے پوچھنے یا نہ پوچھنے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ گو اس قدر بے نیاز رہنے کے باوجود بنفشہ کے متعلق انہیں ہر بات کا علم تھا۔ اس ک

ن الاہر دکھ سے وہ واقف تھے۔ بنفشہ کا دل چاہا، وہ بڑے بھیا کے دونوں مضبوط ہاں میں اپنا چہرہ چھپا کر اتنا روئے کہ دل کا سارا درد آنسوؤں کی راہ بہہ جائے۔

تم نے اس نالائق کی بدتمیزی کا بہت اثر لیا ہے؟

بڑے بھیا نے اس کے سر کو شفقت سے تھپتھپاتے ہوئے پوچھا۔

بنفشہ کے لئے یہ ایک جملہ ہی کافی تھا۔ سینے کی گہرائیوں میں سوئے ہوئے طوفان ٹے کر جاگ اٹھے۔ لہروں میں ہلچل مچی اور وہ سرکش انداز میں آگے بڑھیں۔ اور کچھ اور آگے ـــــ اور پھر وہ آنکھوں کے ساحل کو بھی پار کر گئیں۔ آنسوؤں کا مندر سا تھا جو امنڈا چلا آتا تھا۔ بنفشہ کے آنسو دیکھ کر بڑے بھیا اپنی بھوک، پیاس بھول گئے۔ انہوں نے پریشان اور افسردہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا، کچھ لے لئے لبوں کو جنبش دی لیکن پھر جانے کیا کہتے کہتے رک گئے۔ چند لمحے کمرے ل سکوت رہا۔ بنفشہ آنسوؤں کی رم جھم میں بھیگتی رہی اور بڑے بھیا اس کے چہرے ہیں جانے گہری سوچوں میں ڈوبے رہے۔ پھر بنفشہ کو جانے کیا سوجھی وہ ایک دم رکرے سے باہر جانے لگی۔

واپس آؤ بنفشہ!

بڑے بھیا نے اپنی جگہ پر بیٹھے بیٹھے کہا۔

بنفشہ کے بڑھتے قدم رک ضرور گئے لیکن وہ واپس نہیں پلٹی۔ بڑے بھیا نے چند لمحے کے پلٹ آنے کا انتظار کیا۔ لیکن جب بنفشہ وہیں کھڑی اپنے ہاتھوں میں چہرہ ا رلانے لگی تو بڑے بھیا ایک طویل اور گہری سانس لے کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ے۔

کچھ پاگل ہوگئی ہو؟

وہ اس کے قریب رک کر پیار سے بولے۔

بنفشہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

چہرے پر سے ہاتھ ہٹاؤ۔

بڑے بھیا کا انداز تحکمانہ تھا۔

بنفشہ اسی طرح کھڑی رہی۔

بڑے بھیا نے اگلے لمحوں کا انتظار کئے بغیر بڑی آہستگی سے اس کی دونوں ہتھیلیاں تھام کر چہرے سے الگ کر دیں اور اس کے رخساروں پر چمکتے ہوئے شبنم کے قطروں کو انگلیوں میں جذب کرتے ہوئے دکھ سے مسکرائے۔

چلو، بیٹھو۔

بڑے بھیا نے کہا۔

بنفشہ نے ان کے حکم کی تعمیل کی۔

احمق لڑکی۔

انہوں نے آہستہ سے کہا۔

بنفشہ نے شبنمی آنکھوں سے ان کی طرف دیکھا۔

اس طرح کیوں دیکھ رہی ہو؟ میں نے کوئی غلط بات تو نہیں کہی۔

بڑے بھیا کے خوبصورت ہونٹوں پر بکھری ہوئی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔

بنفشہ کی آنکھوں میں پھر آنسو امنڈ آئے۔

بھئی۔ اگر اس بیوقوف آدمی نے انکار کر دیا تو اس میں رونے کی کیا بات

بڑے بھیا نے کہا۔

مجھے تو بہت پہلے ہی اس بات کا یقین تھا۔ اس بدتمیز کو تمہاری قدر کیا معلوم؟ ان کے ساتھ رہ کر تو تمہاری زندگی برباد ہی ہونی تھی۔

بڑے بھیا کا لہجہ تلخ ہوگیا۔

تمہیں تو سلیمان سے محبت بھی نہیں تھی۔ پھر تمہیں اس کے انکار پہ اتنا دکھ کیوں ہوا؟

بڑے بھیا نے پوچھا۔

بنفشہ نے سوچا وہ بڑے بھیا کی اس بات کا کیا جواب دے؟

تمہارے اندر کس بات کی کمی ہے؟ پھر تمہیں اس قدر پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے؟

بڑے بھیا نے کہا۔

اور بنفشہ آنکھوں میں آنسو لئے بڑے بھیا کے جملے پر غور کرتی رہ گئی۔

اب ایک آنسو نہ نکلے تمہاری آنکھ سے ورنہ بہت بری طرح پیش آؤں گا۔

بڑے بھیا زیر لب مسکرائے۔

لیکن آنسو اس وقت بنفشہ کے اختیار میں کب تھے۔ وہ تو پھر بند توڑ کر بہہ نکلے۔

بہادر بن کر زندہ رہنا سیکھو بنفشہ! معلوم نہیں زندگی میں کب کتنے بڑے طوفان کا مقابلہ کرنا پڑ جائے؟

بڑے بھیا نے نصیحت آمیز لہجے میں کہا۔

بنفشہ خاموش کھڑی آنسو بہاتی رہی۔

خدا کے ہر کام میں مصلحت ہوتی ہے، یہ سوچ کر اپنے دل کو مطمئن رکھو۔
بڑے بھیّا نے اس کے آنچل کا ایک سرا تھام کر اس کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔
ہر شخص کے اپنے غم اور اپنی پریشانیاں ہوتی ہیں لیکن انہیں عام کرنا تو اچھی
بات نہیں ہے۔
بڑے بھیّا کے چہرے پر ایک کربناک سایہ لرز کر رہ گیا۔ بنفشہ کی جھکی آنکھیں اوپر
اٹھیں تو بڑے بھیّا کے چہرے پر جم کر رہ گئیں۔
کتنا درد اور کتنا سوز جھانک رہا تھا ان کی آنکھوں سے؟
آپ کو — آپ کو بھی کوئی غم ہے شعیب بھائی؟
بنفشہ اپنا درد بھول کر پوچھ بیٹھی۔
کیوں؟ کیا میں انسان نہیں ہوں؟
بڑے بھیّا مسکرائے۔
آپ کو کیا غم ہے؟
بنفشہ نے پوچھا۔
مجھے جناب کا غم کھائے جاتا ہے۔
بڑے بھیّا شوخ ہو کر بولے۔

جی!!؟
بنفشہ نے حیرت زدہ ہو کر ان کی طرف دیکھا۔
جس دن تم خوش رہنا سیکھ لوگی اس دن میرے غم بھی دور ہو جائیں گے۔
بڑے بھیّا کے لہجے میں بے پناہ عزت تھی۔

لیکن بنفشہ کا ذہن تو اس وقت صرف اسی الجھن میں تھا کہ شعیب بھائی کو کیا غم ہے؟
دیکھو، تمہیں تکلیف میں دیکھ کر میں کھانا پینا سب بھول جاتا ہوں۔
بڑے بھیّا میز پر رکھے ہوئے کھانے کی طرف دیکھ کر بولے۔
میں دوبارہ گرم کر لاتی ہوں۔
بنفشہ نے کہا۔
نہیں جلدی لانا۔
بڑے بھیّا نے کہا۔
بنفشہ کھانے کی ٹرے اٹھا کر باہر نکل گئی۔ چند منٹ بعد جب وہ لوٹ کر
آئی اس نے بڑے بھیّا کے چہرے پر پھر وہی کیفیت دیکھی۔
لیکن اس وقت اس نے بڑے بھیّا سے کچھ پوچھنا مناسب نہ سمجھا۔
کھانا میز پر رکھ کر وہ چپ چاپ ان کے سامنے بیٹھ گئی۔

آنے والے لمحے پیچھے گزر جانے والے لمحوں کے احساسات کو دھندلا دیت
گزرتے ہوئے وقت کی اڑتی ہوئی گرد کی تہوں کے نیچے بیتی باتیں اور بیتی یادیں
کر رہ جاتی ہیں اور جب وقت گزر کر پیچھے دھندلکوں میں گم ہو جاتے تو نہ کبھی غم
شدت باقی رہتی ہے اور نہ تکلیف میں دل میں چاہے زخموں کے انبار لگے ہوا
ٹیسوں میں خود بخود کمی آ جاتی ہے۔ ہمیشہ سے یونہی ہوتا چلا آیا ہے اور شاید۔
یونہی ہوتا رہے گا۔ سب کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے۔ پھر بنفشہ بھی دنیا کے با
سے کوئی مختلف تو نہیں تھی۔ لمحے آتے اور گزر گئے۔ اور پچھلی باتیں صرف ایک
اور ایک سایہ سا بن کر رہ گئیں۔

سلیمان بھائی اس دفعہ سچ مچ کلب کی تتلی نیلما کے بارے میں سنجیدہ ہوگئ

ا اس سے شادی بھی کر لی۔ شادی بڑی دھوم دھام سے ہوئی، سب کا
اور سب شریک بھی ہوتے اور کیوں نہ ہوتے؟ ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں
نہ داری تو ختم نہیں ہو جاتی۔ البتہ شجو رانی نے شرکت نہیں کی۔ بنفشہ نے
ں شرکت کرنے کا پکا ارادہ کیا تھا لیکن اس کے سارے ارادوں پر بڑھیا نے
ر دیا۔ انہوں نے اسے بڑی سختی سے شادی میں شرکت کرنے سے منع کر دیا۔
ے وہ سارا دن شجو اور بنفشہ کے ساتھ ساحلِ سمندر پر گزار دیا۔
یلمان بھائی کی شادی کا ہنگامہ بھی گزر گیا۔ بنفشہ کی زندگی میں جیسے ایک ٹھہراؤ
تا اس نے اپنے آپکو ہر وقت کی مصروفیتوں میں گم کر دیا۔ پڑھنے لکھنے میں
ے کبھی بھی زیادہ دلچسپی نہیں لی تھی۔ لیکن اب اس نے بڑی سنجیدگی سے کتابوں
ا توجہ دینی شروع کر دی۔ یونیورسٹی سے واپس آکر کچھ دیر آرام کرنے کے
بالو کتابیں لیکر بیٹھ جاتی یا پھر تیرے میرے ہاتھ سے کام چھین کر خود کرنے
ی۔
ہی دنوں سجاد بھائی کے امریکہ جانے کی خبر بھی بہت گرم تھی۔ سجاد بھائی
ں۔ ایس کرنے کے بعد گزشتہ ایک سال سے جناح ہاسپٹل میں ہاؤس جاب
ے تھے۔ اپنی بہنوں پر مہربان تو وہ ہمیشہ سے تھے۔ لیکن جب سے کماؤ پوت ہوئے
ان کی محبت اور شفقت میں کچھ اور اضافہ ہو گیا تھا۔ جب دیکھو جب لدے پھندے
ہے ہیں اور بہت خوش ہو کر بتا رہے ہیں۔ شجو رانی! یہ تمہارے لیے ہے!۔
ا لیے ہے۔ اور یہ بنفشہ کے لیے۔ قابلِ ذکر بات یہ تھی کہ یہ ساری چیزیں
با جی شجو اور بنفشہ کے فرمائشیں کیئے بغیر آتی تھیں۔ کبھی فلم کا پروگرام بن رہا

ہے، کبھی کسی ہوٹل میں کھانا کھانے کا اور کبھی صرف کافی پینے کا۔

یہ سب کچھ تو ایک طرف تھا لیکن دوسری طرف شجو رانی نے واضح طور پر بات محسوس کی تھی کہ بنفشہ کے لیے سجاد بھائی کی نگاہوں کے انداز بدلے ہوئے یہ بات محسوس تو چھٹ باجی نے بھی کی تھی۔ مگر کیونکہ شجو رانی اس قسم کے تمام کاملا بازی لے جایا کرتی تھیں لہٰذا اس دفعہ بھی پہلا نمبر ان ہی کا تھا۔ ایمان کی بات تو تھی کہ دونوں ہی سجاد بھائی کا یہ انداز دیکھ کر خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھ لیکن زبان دونوں نے بند کر رکھی تھی۔

اور بنفشہ غریب اللہ میاں کی گائے ـــــ اس کا دل و دماغ اتنی دور کوڑی کیسے لا سکتا تھا؟ اس کے تو فرشتوں کے بھی وہم و گمان میں یہ بات نہ کہ سجاد بھائی اس کے متعلق کسی اور انداز سے بھی سوچ سکتے ہیں۔ وہ تو اپنے خیالوں میں کھوئی ہوئی، بھٹکی ہوئی روح کی طرح منڈلایا کرتی تھی۔ سجاد بھائی کی موٹی خوبصورت آنکھیں اب اسے کس انداز سے دیکھنے لگی تھیں؟ اس نے ہی نہیں کیا۔ لیکن جب شجو اور چھٹ باجی کے ہونٹوں پر بکھری ہوئی معنی مسکراہٹیں دن بدن طویل ہوتی گئیں اور ان کی نگاہوں میں دن بدن شوخی گئی تو بنفشہ نے حیرت زدہ نظروں سے ان دونوں کی طرف دیکھا ضرور لیکن با کی تہہ تک پھر بھی نہ پہنچ سکی۔

شجو رانی ـــــ جو ہر معاملے میں بہت بے صبری کا مظاہرہ کیا کرتی تھیں اس موقع پر یہ بات کیسے برداشت کر سکتی تھیں کہ سجاد بھائی اتنے عرصے تک میں گھنگھنیاں ڈالے بیٹھے رہیں۔ وہ جھنجھلا کر سوچتیں کہ آخر سجاد بھائی اس

بھی نہ کبھی تو اُگلیں گے۔ ابھی اُگل دینے میں کیا حرج ہے؟ تنگ آ کر ایک روز ہوں نے فیصلہ کر لیا کہ آج تو سجاد بھائی سے اس معاملے پر صاف صاف بات ہو جانی چاہیئے۔ شام کی چائے پی کر جب سجاد بھائی اپنے کمرے میں گئے تو وہ ان کا پیچھا کرتی ہوئی وہیں پہنچ گئیں۔

سجاد بھائی شاید اس وقت کہیں جانے کے موڈ میں تھے۔ الماری کھولے پڑوں کا انتخاب کر رہے تھے۔ قدموں کی آہٹ پر انہوں نے پلٹ کر دیکھا۔ ی لاڈلی دلاری بہن کو دیکھ کر ان کا چہرہ پھول کی طرح کھل اٹھا۔

کیا بات ہے رانی؟

انہوں نے انتہائی پیار سے پوچھا۔

آپ کہیں جا رہے ہیں؟

شجو نے اُلٹا انہی سے سوال کر دیا۔

ہاں! کوئی کام ہے تمہیں؟

سجاد بھائی نے الماری بند کرتے ہوئے کہا۔

کام تو کوئی ایسا خاص نہیں۔

چلو عام ہی سہی۔ اب بتا بھی دو۔

سجاد بھائی مسکرائے۔

ایک بات پوچھنی تھی آپ سے۔

ضرور پوچھو، ایک نہیں دو پوچھو۔

ڈر لگتا ہے آپ کہیں ناراض نہ ہو جائیں۔

ارے! تجھے مجھ سے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اور ناراض ہونے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ تو تو میری ننھی مُنی سی گڑیا ہے۔

شجوؔ کے لیے سجّاد بھائی کے دل کی ساری محبّت، ساری چاہت سمٹ کر آنکھوں میں آگئی۔ انہوں نے اس کی پیٹھ تھپتھپاتے ہوئے بڑے پیار سے اس کی طرف دیکھا۔

یہی تو مشکل ہے سجّاد بھائی! کہ آپ مجھے ننھی منی سی گڑیا سمجھتے ہیں۔ اور جو بات میں پوچھنا چاہتی ہوں وہ کافی بڑی ہے۔

شجوؔ نے سنجیدگی سے کہا۔

سجّاد بھائی اس کی بات سن کر ہنس پڑے اور بولے۔

چاہے جتنی بڑی بات بھی ہو تم ضرور پوچھو۔

اچھا۔ اب آپ اجازت دے رہے ہیں تو پوچھ لیتی ہوں۔

شجوؔ نے مسکین سی صورت بنا کر کہا۔

ہاں! ذرا جلدی۔

وہ! سجّاد بھائی! بات یہ ہے کہ ـــــ یہ جو اپنی بنفشہ باجی ہیں نا! یہ آپ کو اچھی لگنے لگی ہیں؟

شجوؔ رانی کا انداز معصومانہ تھا اور سجّاد بھائی کی نگاہوں میں حیرت ہی حیرت تھی۔

تم سے کس نے کہا؟

کسی نے بھی نہیں۔

پھر تمہیں یہ بات کیسے معلوم ہوئی؟

بس میں خود ہی سمجھ گئی۔

خود ہی سمجھ گئیں؟

سجّاد بھائی زیرِ لب بولے۔

شجوؔ رانی بڑی دیدہ دلیری سے سجّاد بھائی کی طرف دیکھے جا رہی تھیں۔

اس کا مطلب ہے کہ تم بہت سمجھدار ہو۔

جی ہاں! دراصل! میں تو بچپن سے ہی بہت سمجھدار ہوں، آپ نے اپنی پڑھائی میں گم ہو کر کبھی میری سمجھداری کی طرف توجہ ہی نہیں دی۔

شجوؔ نے یہ بات کچھ اتنی بے ساختگی سے کہی کہ سجّاد بھائی مسکرائے بغیر نہ رہ سکے۔

اور کس کس کو معلوم ہے یہ بات؟

مجھے یقین ہے کہ چھٹّو باجی کو بھی معلوم ہے۔

بہت خوب!

سجّاد بھائی کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

لیکن بنفشہ باجی کے فرشتوں کو بھی علم نہیں۔

ہاں! وہ تو بہت سادہ اور معصوم لڑکی ہے۔

سجّاد بھائی نے کہا۔

تو پھر آپ ان سے کہہ کیوں نہیں دیتے؟

کہیں گے گڑیا! اصل میں جلدی کا کام اچھا نہیں ہوتا۔

سجاد بھائی بولے۔

لیکن اب تو کافی دیر ہو چکی ہے۔

شجو رانی مسکرائیں۔

اچھی بات ہے بس پھر اب نیک کام میں دیر نہیں کریں گے۔

سجاد بھائی ہنس کر بولے۔

اچھا! تو پھر اب میں جا کر چھٹ باجی کا شبہ بھی یقین میں بدل دوں۔

جو۔ تمہارا دل چاہے کرو۔

سجاد بھائی نے کہا اور شجو رانی سٹر پٹر کرتی چھٹ باجی کے کمرے کی طرف چلدیں۔

اگلے روز بھی سجاد بھائی کو بنفشہ سے بات کرنے کا موقع نہ مل سکا۔ وہ جانے کس کام سے چلے گئے تھے۔ بنفشہ بھی یونیورسٹی میں تھی۔ دن میں سوتے رہے کیونکہ رات کو ہاسپٹل میں ڈیوٹی تھی۔ اس سے اگلے روز بھی دن میں بنفشہ سے ملاقات نہ ہو سکی۔ ہاں! شام کو جب بنفشہ چائے پی کر اپنے کمرے میں آئی اور اگلے دن کیلئے کپڑوں کا انتخاب کرنے لگی تو شجو نے کمرے میں داخل ہوتے بڑی مسکین صورت بنا کر کہا۔

بنفشہ باجی! آپ کو سجاد بھائی بلا رہے ہیں۔

اچھا۔ کہاں ہیں وہ؟

بنفشہ نے الماری بند کرتے ہوئے کہا۔

اپنے کمرے میں۔

شجو نے لاپرواہی سے کہا۔

بنفشہ نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے کپڑے بستر پر ڈال دیئے اور سجاد بھائی کے کمرے کی طرف چلدی۔

سجاد بھائی بڑے اطمینان سے کرسی پر بیٹھے ہوئے ٹرانسسٹر سن رہے تھے

آؤ بنفشہ!

سجاد بھائی اسے دیکھتے ہی مسکرائے۔

بنفشہ چپ چاپ ان کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی لیکن اس نے یہ ضرور سوچا۔

کہ یقیناً کوئی خاص بات ہے ورنہ سجاد بھائی نے تو کبھی اسے اس انداز سے نہیں بلوایا۔

بے شمار لمحے گزر گئے۔ نہ سجاد بھائی نے اس سے کچھ کہا۔ نہ اس نے پوچھا۔ وہ تو بس حیرت زدہ سی بیٹھی یہ سوچ رہی تھی کہ آج سجاد بھائی کو کیا ہو گیا ہے؟

جب کچھ لمحے اور گزر گئے تو بنفشہ نے آہستہ سے پوچھا۔

سجاد بھائی! آپ نے مجھے بلایا تھا؟

ہاں!

کوئی کام ہے؟

ایک بات پوچھنی تھی تم سے؟

جی! مجھ سے!! بنفشہ نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

ہاں بھئی! تم ہی سے۔ تم پریشان کیوں ہو رہی ہو اس قدر،

سجاد بھائی مسکرائے۔

معلوم نہیں آپ کون سی بات پوچھنے والے ہیں؟

بنفشہ نے سہمی ہوئی نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔

کوئی ایسی بات نہیں ہے تمہیں ڈرنے یا خوفزدہ ہونے کی قطعی ضرورت نہیں۔

سجاد بھائی نے انتہائی نرمی سے کہا۔

پوچھئے۔

بنفشہ کی جھکی ہوئی پلکیں ایک لمحے کے لیے اٹھیں۔

دیکھو بنفشہ! تمہیں تو معلوم ہے نا کہ میں امریکہ جانے والا ہوں۔

جی —!

تو تم سے اس سلسلے میں یہ پوچھنا ہے کہ آیا تم میرے ساتھ چلو گی؟ یا پھر میری واپسی تک میرا انتظار کرو گی؟

جی!!!؟

بنفشہ نے نظریں اٹھا کر سجاد بھائی کی طرف دیکھا اور مارے حیرت کے وہ پلکیں تک جھپکنا بھول گئی۔

اس طرح کیوں دیکھ رہی ہو؟ میری بات کا مطلب نہیں سمجھیں؟

سجاد بھائی مسکرائے۔

بنفشہ نے ان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

دیکھو بنفشہ! میں زندگی میں کسی قسم کی بناوٹ اور تصنع کا قائل نہیں ہوں۔

سیدی سادی باتیں، سیدھے سادھے انداز اور سیدھے سادھے لوگ مجھے پسند ہیں۔

سجاد بھائی ایک لمحے کے لیے ٹھہرے۔

میری دلی خواہش ہے کہ اپنی آئندہ زندگی تمہارے ساتھ گزاروں اور ظاہر ہے کہ میری اس بات کا مطلب سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ میں تمہارے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہوں۔

سجاد بھائی بنفشہ کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے کہتے رہے۔ اور بنفشہ کی حالت یہ تھی کہ اس کے چہرے کا رنگ ہر لمحہ بدل رہا تھا۔

اپنے معاملے میں تم خود مختار ہو، آزاد ہو، جو چاہو فیصلہ کرو، اگر تمہارا جواب انکار میں ہے تو بھی میں اسے مان لینے پر مجبور ہوں کیونکہ میں زبردستی کا بالکل قائل نہیں۔

سجاد بھائی نے کہا۔

بنفشہ میں تو اتنی بھی تاب نہیں تھی کہ وہ سجاد بھائی سے نظریں ملا سکتی۔ ان کی بات کا جواب دینا تو بہت دور کی بات تھی۔ یہ سب کچھ اس قدر اچانک ہوا تھا کہ اسے اپنا دل اور دماغ سوچنے سمجھنے اور فیصلہ کرنے کی صلاحیتوں سے بالکل محروم نظر آتے تھے۔

جب کئی منٹ خاموشی کی نظر ہو گئے تو سجاد بھائی نے ٹرانسسٹر بند کر دیا۔ اور میز پر دونوں کہنیاں ٹیک کر بنفشہ کے سامنے قدرے جھکتے ہوئے بولے۔

میری باتیں بری لگیں تمہیں؟

بنفشہ نے ان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

بہت پریشان ہو گئیں میری باتیں سن کر؟

بنفشہ پھر بھی چپ رہی۔

یقیناً میری باتیں سُن کر تم حیرت زدہ رہ گئی ہو۔

سجّاد بھائی مسکرائے۔

میں نے بھی تو بہت زیادتی کی ہے۔ تمہارے ساتھ، ایکدم ہی ایٹم بم چھوڑ دیا۔ ہیں نا!

سجّاد بھائی مستقل اس کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے تھے۔

بنفشہ کی سوچیں، اس کے خیالات جانے اسے کہاں لے گئے تھے کہ اس کے دل کا درد آنکھوں میں سمٹ کر آنسوؤں کی راہ لینے کے لیے بیتاب ہوگیا۔ سجّاد بھائی ایکدم سیدھے ہوکر بیٹھ گئے۔ دو ایک سیکنڈ خاموش بیٹھے سوچتے رہے پھر بہت آہستہ سے بولے۔

میرا خیال ہے بنفشہ! کہ میں نے ایسی تو کوئی بات نہیں کہی جو تمہارے رونے کا سبب بن گئی۔

بنفشہ نے بڑی بے دردی سے اپنی آنکھوں کو رگڑ ڈالا اور بہت مدھم آواز میں کہا۔

میں نے آپ کو کوئی الزام بھی تو نہیں دیا۔

پھر رونے کا سبب؟

بس! ویسے ہی دل بھر آیا۔

سجّاد بھائی جانے کس سوچ میں کھو گئے؟

اب میں جاؤں؟

بنفشہ نے پوچھا۔

اور میری بات کا جواب؟

سجّاد بھائی نے کہا۔

میرے پاس کسی کی بات کا کوئی جواب نہیں۔

بنفشہ نے بڑے بے بس انداز سے کہا۔

میں تو اس وقت صرف اپنی بات کہہ رہا ہوں۔

آپ! سجّاد بھائی ——!

بنفشہ کچھ کہتے کہتے رُک گئی۔

ہاں کہو! رک کیوں گئیں؟

آپ سے مجھے صرف یہ پوچھنا ہے کہ ——

بنفشہ نے پھر بات ادھوری چھوڑ دی۔

آپ نے میرے بارے میں ایکدم اتنا بڑا فیصلہ کیسے کر لیا؟

سجّاد بھائی اس کی بات سُن کر بڑے عجیب انداز سے مسکرائے لیکن خاموش رہے۔

بنفشہ اپنی بات کے جواب کی منتظر سجّاد بھائی کی طرف دیکھتی رہی۔

مجھے نہیں معلوم بنفشہ! میری اس بات کو تم جھوٹ سمجھو گی یا سچ! کہ بہت پہلے میں نے اپنے دِل میں جو مقام تمہیں دیا تھا اس کا اظہار کرنے کا موقع آج ملا ہے۔

سجّاد بھائی نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔

اور بنفشہ ایک بار پھر حیرتوں کے بوجھ تلے دب گئی۔

یہ سجاد بھائی آج کتنی عجیب عجیب باتوں کا اظہار کر رہے ہیں؟ اس نے دل میں سوچا۔

بنفشہ! میں زندگی میں کچھ اصولوں اور کچھ اقدار کو پسند کرتا ہوں۔ جب میں نے پہلی بار تمہارے بارے میں ایک نئے انداز سے سوچا تھا اس وقت سے یا گھر کے کسی بھی فرد سے اس سلسلے میں کچھ کہنا مناسب نہیں تھا۔ کیونکہ ای ایک تو تم اس وقت بہت چھوٹی تھیں۔ دوسرے مجھے اپنے مستقبل اور ا کیریئر کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا۔

یا یوں کہہ لو کہ صحیح اندازہ نہیں تھا اور جب میں اپنے کیریئر کی طرف مطمئن ہوا تو مجھے محسوس ہوا کہ شعیب بھائی کے قدم تمہاری طرف بڑھ ر ہیں۔ میں شعیب بھائی کی بہت عزت کرتا ہوں اور ان سے مجھے محبت بے حد ہے اور اس وقت مجھے یہ غلط فہمی بھی تھی کہ تم بھی ان میں۔۔۔۔

سجاد بھائی نے بات ادھوری چھوڑ کر ایک لمحے کے لیے بڑے غو بنفشہ کے چہرے کا جائزہ لیا جو پلکیں جھپکائے بنا ان کی باتیں سن ر

دوسروں کی راہ میں رکاوٹ بننا میرا اصول نہیں اور نہ میری اخ اقدار مجھے اس بات کی اجازت دیتی ہیں کہ میں اپنی ذات سے دو کو دکھ پہنچا کر اپنا دامن خوشیوں سے بھر لوں۔ میں نے شعیب بھائی یا گ کسی بھی فرد کے سامنے اس بات کا اظہار کرنے کی ضرورت نہیں محسو کہ بنفشہ تو میری پسند ہے۔

سجاد بھائی آخری جملہ کہتے ہوئے بنفشہ کی طرف دیکھ کر قدرے مسکرائے اور بنفشہ کی پلکیں لرز کر رہ گئیں۔

لیکن — سلیمان کے آنے کے بعد جب میں نے تصویر کے بدلتے ہوئے ادیکھے تو یقین جانو بنفشہ! میں بہت حیران ہوا لیکن ان دنوں میں اپنی ھائی میں اتنا مصروف تھا کہ کسی بھی بات کی طرف زیادہ توجہ نہیں دے ا۔

سجاد بھائی نے تھکے تھکے انداز میں اپنے بالوں کو انگلیوں سے وارتے ہوئے کہا۔

ایک دن — جب امی نے مجھے بتایا کہ سلیمان کے ساتھ تمہارا رشتہ لے ہو گیا ہے تو اس دن سے زیادہ حیرت مجھے اپنی زندگی میں کبھی نہیں ہوئی۔

مجھے شبہ ہوا کہ کہیں تمہارے ساتھ کوئی زبردستی تو نہیں ہوئی اسی لیے میں نے امی سے پوچھا کہ بنفشہ راضی ہے؟

اور امی کا جواب اثبات میں سن کر میں خاموشی سے اپنے کمرے میں چلا آیا اور اسی رات جب شعیب بھائی سے میری بات ہوئی تو میرے پاس سوائے پچھتاوے کے اور کچھ باقی نہیں بچا تھا۔ اس روز مجھے پہلی بار احساس ہوا کہ شعیب بھائی کا اندازِ فکر ہم سب سے جداگانہ، اچھوتا اور بلند ہے۔ میں، یا کوئی دوسرا شخص ان کے کردار کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

لیکن — بہرحال! وقت گزر چکا تھا اور میں تمہیں کھو چکا تھا۔ اس

کے بعد اس بات کی کوئی امید نہیں تھی کہ میری زندگی میں کبھی آج کا دن بھی آئیگا جس کے گزرتے ہوئے لمحوں میں میں اور تم ۔۔۔۔

سجّاد بھائی نے بات ادھوری چھوڑ کر ایک طویل سانس لی۔

بنفشہ سوچ رہی تھی۔ سجّاد بھائی نے یہ کیسا خول اپنی خوبصورت سی شخصیت پر چڑھا رکھا تھا؟ یوں دیکھو تو سطحِ سمندر کی طرح خاموش اور پرسکون! اور پرسکون سطح کے نیچے طوفانِ بلاخیز۔! سچ تو ہے۔ سمندر کی گہرائیوں تک بھلا کتنے لوگ پہنچ سکے ہیں؟

اب بنفشہ بیگم!

سجّاد بھائی اس کے سامنے قدرے جھکتے ہوئے بولے۔

جبکہ زندگی میں ایک بار تمہیں کھو کر دوبارہ پانے کی آس بندھی ہے تو میں تمہارا جواب سننے کا منتظر ہوں۔

بنفشہ کرسی کے دونوں بازؤں پر ہاتھ رکھے بہت تھکی تھکی سی بیٹھی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ میلوں کی مسافت طے کرتے کرتے تھک چکی ہو۔ سورج ڈوب چکا تھا اور مدّھم سے اندھیرے اجالوں کا تعاقب کرتے ہوئے کمرے میں سمٹ آتے تھے۔ باہر ــــ نومبر کی شام لحظہ بہ لحظہ کہر آلود ہوتی جا رہی تھی۔ کمرے میں بڑی پرسکون سی خاموشی تھی اور خوشگوار سی نم آلود خنکی۔

سجّاد بھائی نے اُٹھ کر لائٹ جلا دی اور دریچے کے قریب کھڑے ہو کر بنفشہ کی طرف دیکھا۔ بنفشہ کا سر جھکا ہوا تھا اور رخساروں پر کانپتی لرزتی

کا عکس تھرتھرا رہا تھا۔ سجّاد بھائی کے دیکھنے کا انداز والہانہ تھا اور ریت سے پُر۔ لیکن بنفشہ ان کی نگاہوں کے انداز سے بالکل بے خبر ٹی سوچ رہی تھی۔ زندگی کے یہ ہر لحظہ بدلتے ہوئے رنگ و رُوپ تنے عجیب ہیں؟ کچھ پتہ نہیں چلتا ـــــ کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ اب جو ا لمحہ زندگی میں آئے گا وہ تصویر کا کون سا رُخ دکھائے گا؟ اِدھر چھلے ساڑھے تین برسوں میں ـــ میں نے وقت کے بہتے ہوئے دھارے میں حادثات کو جنم لیتے اور دم توڑتے ہوئے کس قدر قریب سے دیکھا ہے؟ اور ـــ اور ان اچانک سامنے آجانے والے حادثات نے میرے سوچنے اور سمجھنے کے انداز میں بھی تو کس قدر تبدیلی پیدا کر دی ہے؟

سجّاد بھائی اس کی اتنی گہری سوچوں سے کچھ پریشان سے ہو گئے وہ آہستہ قدموں سے اس کے قریب آئے، ایک لمحے کے لیے ٹھہرے اور پھر اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئے۔

بنفشہ!

انہوں نے قدرے اُونچی آواز سے کہا۔

جی!

بنفشہ ایکدم چونک گئی۔

مجھے اپنی بات کا جواب چاہیئے ضرور۔ لیکن ـــ ابھی۔ اسی وقت تو نہیں۔

سجاد بھائی مسکرائے۔

بنفشہ کرسی کی پشت سے سر لگائے چپ چاپ سجاد بھائی کی طرف دیکھتی

رہی۔

تمہیں طبیعت ٹھیک ہے؟

سجاد بھائی نے پوچھا۔

سجاد بھائی!

بنفشہ کی آواز بہت مدھم تھی۔

بنفشہ!

سجاد بھائی کچھ اور پریشان ہو کر اس کی طرف جھک گئے۔

میں — اس وقت اپنے آپ کو بے جان سا محسوس کر رہی ہوں۔

بنفشہ نے دھیمی آواز میں کہا۔

میرا خیال ہے تم تھوڑا سا گلوکوز پی لو۔

سجاد بھائی اُٹھتے ہوئے بولے۔

نہیں نہیں۔ آپ بیٹھے رہیے۔ مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔

بنفشہ نے کہا۔

سجاد بھائی نے ایک قدم اور آگے بڑھایا تو بنفشہ قدرے اونچی آواز

میں بولی۔

آپ یہیں بیٹھے رہیے۔ سجاد بھائی! کہیں مت جائیے۔

سجاد بھائی نے بڑی حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور اس کے حکم کی

[تعمیل] میں واپس اپنی جگہ بیٹھ گئے۔

تم اتنی نروس کیوں ہو رہی ہو؟

سجاد بھائی نے بے حد نرمی سے پوچھا۔

پتہ نہیں کیوں؟ میرا دل دن بدن کمزور ہوتا جا رہا ہے۔

بنفشہ نے دھیرے سے کہا۔

تم نے مجھ سے کہا ہوتا، میں تمہارے لیے کوئی دوا، کوئی ٹانک تجویز

دیتا۔

اور اس وقت تو — مجھے ایسا لگتا ہے جیسے میرا دماغ بھی بالکل

[خالی] ہو کر رہ گیا ہو۔

بنفشہ نے ان کی بات کی طرف کوئی توجہ ہی نہیں دی۔

سجاد بھائی نے گمبھیر نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ کر کرسی کی پشت

[س]ے سر لگا لیا، دو ایک لمحے خاموش بیٹھے سوچتے رہے۔

پھر مدھم آواز سے بولے۔

میری باتوں سے تمہیں بہت تکلیف پہنچی ہے؟

نہیں تو۔

بنفشہ کی نگاہوں میں حیرت تھی۔

پھر تمہاری اس کیفیت سے میں کیا نتیجہ اخذ کروں؟

معلوم نہیں، مجھے — مجھے کچھ نہیں معلوم۔

تمہیں معلوم ہو یا نہ معلوم ہو لیکن مجھے اچھی طرح اندازہ ہو گیا ہے؟

کیا؟

بنفشہ ایکدم پوچھ بیٹھی۔

کہ تمہیں اس وقت نہ صرف میری باتیں بُری لگی ہیں بلکہ میں بھی بُرا لگ رہا ہوں۔

سجاد بھائی نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

اتنا بڑا الزام تو مت لگا یئے میرے اُوپر۔

بنفشہ کی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے۔

اگر اسے الزام سمجھتی ہو تو پھر جو کچھ تمہارے دل میں ہے۔ وہ بتادو۔

میرے دِل میں کیا ہے؟

بنفشہ نے زیرِ لب کہا۔

سجاد بھائی کرسی کی پشت سے سر ٹکاتے اس کی طرف دیکھتے رہے۔

مجھے اپنے دل سے کوئی آواز ہی نہیں سنائی دے رہی۔

بنفشہ کی آواز بہت مدھم تھی۔

اچھا! تم جاؤ، میری باتوں پر ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کرنا، پھر تمہارا دِل اور دماغ جس فیصلے پر بھی متفق ہو جائیں اس سے مجھے آگاہ کر دینا۔

سجاد بھائی مسکرائے۔

اچھا!

بنفشہ آہستہ سے کرسی کھسکا کر کھڑی ہو گئی اور سجاد بھائی سے نگاہیں ملائے بغیر باہر نکل گئی۔

باہر تاریکی گہری ہو گئی تھی اور رات کے پہلے پہر کا سناٹا دھیرے دھیرے پھیلتا تھا۔ چاند کی روشنی پھیکی، مدھم، زرد اور بیمار سی تھی، اور چنبیلی کے پھولوں کی خوشبو مدھم ہواؤں کی باہوں میں سمٹی ہوئی انجانی سمتوں کی طرف اڑی جا رہی تھی۔ رات کو کھانے کے وقت جب سجاد بھائی اس کے سامنے آکر بیٹھے تو بنفشہ کے چہرے پر ایک ہلکا سا رنگ چھا کر رہ گیا۔ جھکی پلکوں کی چلمن اُٹھا کر اس نے ایکبار بھی سجاد بھائی کو نہیں دیکھا۔ سجاد بھائی اس کی گھبراہٹ سے لطف اندوز ہوتے زیرِ لب مسکراتے رہے۔

اس روز بنفشہ کو لکھنے پڑھنے کا بہت کام تھا لیکن سجاد بھائی نے اگر اس کو کسی قابل چھوڑا ہوتا تو وہ کتاب کھولتی۔ مشکل یہ تھی کہ وہ شبّو یا کسی دوسرے پر اپنی کیفیت ظاہر بھی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ جب کچھ بن نہ پڑا تو وہ منہ سر لپیٹ کر لیٹ گئی۔ شبّو کنکھیوں سے مسلسل اس کا جائزہ لے رہی تھی۔ یہ بھی حیرت کی بات تھی کہ اس نے خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔ حالانکہ دل بیتاب تھا کہ کس طرح بنفشہ سے شام کی "مصروفیت" کے بارے میں پوچھے۔

شبّو کافی رات تک پڑھتی رہی۔ جب آنکھیں نیند سے بالکل ہی بوجھل ہونے لگیں تو بتی بجھا کر سونے کے لیے لیٹ گئی۔ بنفشہ کی آنکھیں نیند کا سپنا دیکھتے دیکھتے تھک چکی تھیں۔ اس کی سوچوں اور اس کے خیالات پر سجاد بھائی مستقل پہرے دار بنے بیٹھے تھے۔ جب دل اور دماغ کسی فیصلے پر متفق ہی نہ ہو سکے تو وہ تنگ آکر رو دی۔ چپ چاپ اس کی آنکھوں کے کناروں سے بہتے ہوتے، کانوں کی لووں سے ہوتے ہوئے ٹپکتے اور بالوں میں جذب ہوتے رہے۔ ان گنت لمحے، سناٹے، خاموشی

اور دھیرے دھیرے گزرتی ہوئی رات کی نذر ہو گئے۔ باہر سڑک پر کتوں کے بھونکنے اور چوکیدار کے قدموں کی بھاری آواز بلند ہوئی تو وہ بغیر کسی مقصد اور کسی ارادے کے اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ ایک نظر بے خبر سوئی ہوئی شبّو کی طرف ڈالی اور اُٹھ کر دریچے میں کھڑی ہو گئی۔ دادجان کے کمرے سے ان کے کھانسنے کی آواز آئی اور پھر ہر طرف نیم سی خاموشی چھا گئی۔ رات خنک بھی تھی اور دلنواز بھی! ہواؤں میں پھولوں کی بھینی سی مہک رچی ہوئی تھی اور چاند، بادام کے گھنے، خوبصورت درخت کے پیچھے سے جھانکتے جھانکتے بہت بلند ہو گیا تھا۔

رات کا پچھلا پہر، خاموشی، سناٹا اور — آتے جاتے لمحوں کا رواں! بنفشہ یادوں کے خاموش، پُرسکون سمندر کی لہروں پر ڈولتی رہی، اس کی گہرائیوں میں ڈوب ڈوب کر اُبھرتی رہی۔ اس کا ماضی رنج و غم کی ایک طویل داستان کے سوا اور کچھ نہیں تھا، حال کا ہر لمحہ یقین اور بے یقینی کی ایک ایسی کہانی کہتا ہوا معلوم ہوتا تھا جس کے انجام کی کچھ خبر نہیں تھی اور — مستقبل — محض ایک تاریک خلا تھا۔ اسے دنیا اور دنیا والوں سے کبھی ڈر نہیں لگا تھا لیکن اس کی قسمت اسے ہر لمحہ خوفزدہ کیے رہتی تھی۔ دل کی دنیا میں ایک طوفان پہلے آیا تھا اور اب — سجّاد بھائی نے دوسرے طوفان کے سامان پیدا کر دیئے تھے۔ اس کے دل میں سجّاد بھائی کی عزّت ہمیشہ سے تھی اور محبّت بھی — ! لیکن اس کی محبّت اور چاہت کا وہ انداز نہیں تھا جو سجّاد بھائی کی محبت اور چاہت کا تھا۔ سجّاد بھائی کے جذبات تو بالکل مختلف تھے۔ اس نے تو کبھی ان کے اور اپنے لیے یہ بات خواب میں بھی نہیں سوچی تھی۔

ساری زندگی تو ان لوگوں کے اوپر بوجھ بن کر بیٹھنا نہیں ہے۔ آخر کبھی نہ کبھی تو اماں بیگم اور ابّا میاں کے کاندھوں کا بوجھ ہلکا کرنا ہے۔ کسی نہ کسی کا ہاتھ تو تھامنا ہی پڑے گا۔ تو پھر سجّاد بھائی — ! لیکن میں سجّاد بھائی کے قابل کب ہوں؟

اس نے سوچا اور کوئی فیصلہ کیے بغیر وہ اپنے بستر پہ آ گئی۔

دوسرا تمام دن بھی سوچوں کی الجھی ہوئی راہوں پر چلتے چلتے گزر گیا لیکن دل و دماغ کسی ایک بات پر متفق ہی نہ ہو سکے۔

رات کو شبّو کاپیوں اور کتابوں کا ڈھیر اپنے سامنے رکھ کر بیٹھی تو بنفشہ بھی بادلِ نخواستہ زبردستی کتاب کھول کر بیٹھ گئی۔ ایک صفحے کو جانے کتنی دفعہ پڑھ لیا۔ دماغ میں ایک لفظ بھی نہ بیٹھا۔ شبّو تھوڑی تھوڑی دیر بعد اس کا جائزہ لے کر زیرِ لب مسکرا رہی تھی۔ تنگ آ کر بنفشہ نے کتاب بند کر دی اور کرسی کی پشت سے سر ٹکا کر سامنے والی دیوار کو گھورنے لگی۔

پڑھنے کا موڈ نہیں ہے تو نوٹس ہی اتار دیجئے۔

شبّو نے کہا۔

لاؤ دیدو۔

بنفشہ نے حامی بھر لی اور بڑی دل جمعی کے ساتھ نوٹس اتارنے کی کوشش کرنے لگی۔ چار چھ ہی صفحے اتارے ہوں گے کہ شبّو نے قلم اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

آپ کا دماغ اس وقت حاضر ہے یا غائب؟

شبّو مسکرائی۔

کیوں ؟

بنفشہ نے چونک کر پوچھا۔ یوں ۔ جیسے اس کے دل کا چور پکڑا گیا ہو۔

ذرا یہ صفحہ تو پڑھ جائیے، ایک جملے کو دو دو، تین، تین دفعہ لکھنے کو تو نہیں کہا تھا میں نے!

شبّو کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

اور بنفشہ اپنا لکھا ہوا صفحہ پڑھ کر شرمندہ سی ہو گئی۔

کیا بات ہے؟ میں کل سے آپ کو کچھ کھویا کھویا سا محسوس کر رہی ہوں۔

شبّو نے بڑے پیار سے بنفشہ کا ہاتھ تھام کر اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

کچھ نہیں، مجھے بھلا کیا ہو گا؟

بنفشہ کی پلکیں جھک گئیں۔

دل کچھ اداس لگتا ہے!

شبّو کی آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی۔

نہیں ۔ بالکل نہیں ۔

بنفشہ نے گھبرا کر کہا۔

تو پھر کیا وجہ ہے؟ آپ سے نہ لکھا جا رہا ہے نہ پڑھا جا رہا ہے۔

شبّو نے بحث کی۔

ہاں! جانے کیا بات ہے؟ مجھے خود نہیں معلوم۔

بنفشہ، شبّو سے نظریں نہ ملا سکی۔

آپ کو نہیں معلوم؟!! اچھا!! لیکن مجھے تو معلوم ہے۔

شبّو نے جھٹ سے کہہ دیا۔

کیا!!! تمہیں کیا معلوم ہے!!؟

بنفشہ کی آنکھوں میں حیرت بھی تھی اور پریشانی بھی۔

یہی کہ — سجاد بھائی نے آپ کے سامنے حالِ دل بیان کر دیا ہے۔

شبّو نے بیباکی سے کہا۔

بنفشہ کی پلکیں اس کے رخساروں پر کانپ کر رہ گئیں۔ اس نے بڑی آہستگی
و کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑایا اور میز کے کنارے پر سر ٹکا دیا۔ کوئی درد
اور دل کا سارا دکھ سمٹ کر آنکھوں میں آ گیا۔ آنسو اس کی آنکھوں میں جھلملائے،
ں تک آئے اور ٹپ۔ ٹپ میز کے کنارے پر گرنے لگے۔

شبّو رانی کو یکّا یقین تھا کہ بنفشہ سے مارے شرم کے یہ حرکت سرزد ہوئی
کچھ دیر تک تو وہ مسکراتی رہیں اور پیار بھری نظروں سے اپنی بنفشہ باجی
دیکھتی رہیں پھر بڑی آہستگی سے ان کا سر اوپر اٹھاتے ہوئے بولیں۔

اُوہ بھئی! تو اب اس میں شرمانے کی کونسی بات ہے؟

لیکن بنفشہ کے چہرے پر نظر پڑتے ہی وہ ہونق سی بنی رہ گئیں۔

ایں! یہ کیا چکر ہے؟

انہوں نے دل میں سوچا۔

بنفشہ باجی! آپ تو رو رہی ہیں!

شبّو رانی نے کہا۔

بنفشہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

بتا دیجئے نا! کیا بات ہے؟ مجھ سے بھی چھپائیں گی؟

شبنو رانی کے لہجے میں عاجزی تھی۔

کیا بتادوں؟ مجھے کچھ نہیں معلوم! میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا

بنفشہ سسک پڑی۔

آپ کی سمجھ میں کیا نہیں آتا؟ آپ کو سجاد بھائی اچھے نہیں لگتے؟

شبنو رانی نے پوچھا۔

سجاد بھائی تو بہت اچھے ہیں لیکن - - - -

لیکن؟

میری سمجھ میں نہیں آتا میں انہیں کیا جواب دوں؟

اس کی آپ فکر نہ کیجئے میں کہہ دونگی کہ بنفشہ باجی راضی ہیں اور بہت خوش بھی ہیں۔

شبنو رانی نے بڑے اطمینان سے کہا۔

نم - - - - !

بنفشہ نے بات ادھوری چھوڑ کر حیرت سے شبنو رانی کی طرف دیکھا۔

ہاں! تو کیا ہوا؟ آخر وہ میرے لاڈلے چہیتے بھائی اور آپ میری لاڈلی بہن ہیں تو میں آپ لوگوں کا اتنا سا کام بھی نہیں کرسکتی؟

شبنو رانی نے بھولپن سے کہا۔

اماں بیگم کو معلوم ہوگا تو وہ کیا سوچیں گی؟

بنفشہ نے جیسے اپنے آپ سے کہا۔

وہ تو خوش ہوجائیں گی۔

شبنو نے چہک کر کہا۔

میرے بارے میں اچھی رائے تو قائم نہیں کریں گی وہ!

بنفشہ کا چہرہ بجھ سا گیا۔

بیکار کی سوچوں سے اپنا دماغ مت خراب کیجئے۔ سارا معاملہ ٹھیک ل چل رہا ہے۔

شبنو نے کہا۔

بنفشہ ہتھیلی پر ٹھوڑی ٹکائے جانے کن سوچوں میں ڈوب گئی؟

شبو رانی نے اپنی اور بنفشہ کی گفتگو کا ٹیپ سجاد بھائی کو سنوادیا۔ سجاد بھائی زیرلب تے ہوئے دھیرے دھیرے سر ہلاتے رہے۔

گلے روز بڑی ممانی کے گھر قرآن شریف کا ختم اور میلاد تھا صبح سے شام ادھر ہی بنفشہ جب دادی اماں کے ساتھ گھر میں داخل ہوئی تو شام ہلکی تاریکیوں میں ڈوب فضا میں خنکی تھی اور ہلکی سی دھند! ہوا ایک بڑی مدہم رفتار سے چل رہی تھیں۔ بڑھیا نے کے دروازے اکھڑکیاں حسب معمول بند تھے۔ بنفشہ کو ان بند دروازوں اور یوں کو دیکھ کر سخت کوفت ہوئی۔ جب سے سجاد بھائی نے ایٹم بم چھوڑا تھا۔ بنفشہ ہی تھی کہ کسی طرح بڑھیا سے بات کرنے کا موقع ملے تاکہ ان سے کوئی مشورہ مل لیکن بڑھیا کی "نامعلوم" مصروفیتوں نے انہیں کہیں کا نہیں چھوڑا تھا اور بنفشہ کا ہ تھا کہ بڑھیا کے مشوروں کے بغیر اس کے لئے ایک قدم اٹھانا بھی دشوار تھا۔ وہ نگاہوں سے بڑھیا کے کمرے کی طرف دیکھتی ہوئی آگے بڑھی۔ تو سجاد بھائی نظر

آ گئے وہ دادا جان کے کمرے سے نکل رہے تھے۔ نفشہ نے نگاہیں بچا کر گزر جانا چاہا لیکن سجاد بھائی بالکل سامنے آ کر رک گئے۔

دادی اماں تو سٹ پٹا کر تی اندر چلی گئیں۔

اپنے کمرے میں جانے کی بہت جلدی تو نہیں ہے؟

سجاد بھائی نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

جی! جی نہیں ——!

نفشہ سٹپٹا گئی۔

تو پھر میرے ساتھ آؤ۔

سجاد بھائی نے کہا۔

نفشہ سوچ میں پڑ گئی لیکن سجاد بھائی نے جاتے جاتے جب پلٹ کر اس کی طرف دیکھا تو وہ سر جھکا کر ان کے پیچھے پیچھے چل دی۔ سجاد بھائی بڑے اطمینان سے صوفے پر بیٹھ گئے تو نفشہ نے بھی بیٹھ جانا ہی مناسب سمجھا۔

پھر تم نے کیا فیصلہ کیا نفشہ بیگم؟

سجاد بھائی نے بغیر کسی تمہید کے کہا۔

نفشہ کو شاید پہلے سے توقع تھی کہ سجاد بھائی اسی قسم کا سوال کریں گے۔ اس نے دو ایک لمحوں کے لئے بڑی خود اعتمادی سے سجاد بھائی کی طرف پھر قدرے مدھم آواز میں بولی۔

میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکی۔

فیصلہ نہ کر سکنے کی وجہ؟

سجاد بھائی نے پوچھا۔

مجھے نہیں معلوم۔

نفشہ نے کہا۔

میں تمہیں بہت برا لگتا ہوں؟

سجاد بھائی نے سنجیدگی سے کہا۔

نہیں۔ نہیں۔ سجاد بھائی! یہ بات بالکل نہیں۔

نفشہ نے جلدی سے کہا۔

تو پھر؟

سجاد بھائی کی نگاہیں مستقل اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

میں آپ کی بات کا کیا جواب دوں؟ میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

نفشہ نے پریشان ہو کر کہا۔

تمہاری سمجھ میں نہیں آتا؟

سجاد بھائی نے کہا۔

نہیں۔

اچھا تو پھر میں جو فیصلہ کروں گا مان لو گی؟

سجاد بھائی نے پوچھا۔

جی۔

نفشہ کے پاس اقرار کر لینے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا۔

تو نفشہ بیگم! میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اب میں آپ کو کسی اور کا ہرگز نہیں

ہونے دوں گا۔ کیا سمجھیں؟

سجاد بھائی نے کہا۔

بنفشہ ان کی خود اعتمادی پر حیران رہ گئی۔

فی الحال آپ کو ساتھ لے جانا مشکل ہے کیونکہ میرے جانے میں صرف چند دن باقی رہ گئے ہیں لیکن ان چند دنوں میں، میں کچھ ایسا انتظام کر کے جاؤں گا کہ دوسرے شخص کو آپ کے متعلق کچھ سوچنے کی جرأت ہی نہ ہو سکے۔

سجاد بھائی نے یہ سب کچھ اتنی سنجیدگی سے کہا کہ بنفشہ پلکیں جھپکائے بنا ان کی طرف دیکھتی رہ گئی۔

اس طرح کیا دیکھ رہی ہو؟ کچھ اعتراض ہے تمہیں میرے فیصلے پر؟

سجاد بھائی نے پوچھا۔

ہن۔ نہیں تو —— لیکن —— پتہ نہیں آپ نے صحیح فیصلہ کیا ہے یا غلط؟

بنفشہ نے کہا۔

محترمہ! آپ اس کی قطعی فکر نہ کریں، میں بہت سوچ سمجھ کر فیصلے کیا کرتا ہوں۔

سجاد بھائی قدرے مسکرائے۔

گھر میں کوئی ناراض تو نہیں ہوگا اس بات پر؟

بنفشہ نے اپنے خدشے کا اظہار کیا۔

آپ بہت بڑی احمق ہیں، بیکار کی سوچوں میں اپنے دماغ کو الجھانے کی کوشش بالکل نہ کیجیے۔

سجاد بھائی کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

بنفشہ نے جھینپ کر نظریں جھکا لیں۔

بنفشہ تو نظریں جھکائے بیٹھی تھی اور سجاد بھائی اپنی نگاہوں میں پیار کا ایک ...ل لیے اس کی طرف دیکھے جا رہے تھے، بے شمار لمحے اس پیار بھری خاموشی کی ...ر ہو گئے تو بنفشہ کو ایک دم احساس ہوا کہ اسے سجاد بھائی کے کمرے میں بیٹھے ہوئے ...ت دیر ہو گئی ہے۔

اب میں جاؤں؟

بنفشہ نے سجاد بھائی کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

جاؤ۔

سجاد بھائی نے کہا۔

بنفشہ سوچوں میں ڈوبی ہوئی اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

پھر —— سجاد بھائی نے اماں بیگم کے سامنے اپنا حرفِ مدعا بیان کرنے میں ...ر نہیں لگائی۔ اماں بیگم تو حیرتوں کے سمندر میں کچھ اتنی زیادہ ڈوبیں کہ ان کے حال تک ...ر نہ آئے۔ سجاد بھائی نے جلدی جلدی اس سلسلے کی باقی تفصیلات بیان کر کے ...اں بیگم کو کھینچ کھانچ کر باہر نکالا تو وہ اپنے حواسوں میں آتے ہوئے آہستہ سے بولیں۔

بیٹا! اب بھی نہ بولتے منہ سے، گھنگھنیاں ڈالے بیٹھے رہتے، ابھی آپ کو بتایا ...ہے اماں بیگم! میں اس پوزیشن میں ہی نہیں تھا۔

سجاد بھائی مسکرائے۔

تم اپنی "اوزیشن"، پوزیشن کو ہی لیے بیٹھے رہے اور وہ غریب خواہ مخواہ ہی ...لمان کا روگ جی کو لگا بیٹھی۔

اماں بیگم نے ناراضگی سے کہا۔

ادں ہوں! پچھلی باتوں کو جانے دیجئے، اب تو آپ جلدی سے انتظامات کیجئے میرے جانے میں چند دن باقی ہیں۔

سجاد بھائی نے کہا۔

تم مردوں اور لڑکوں کی اس عادت سے مجھے سخت چڑ ہے۔ ہمیشہ ہتھیلی پہ سرسوں جمانے کی کوشش کرتے ہو۔

اماں بیگم جھنجھلا کر بولیں۔

محاورے بولنے کا وقت نہیں ہے اماں بیگم!

سجاد بھائی کو ہنسی آگئی۔

تو اور کیا کروں؟ اب اگر تم یہ چاہتے ہو کہ ان چند دنوں میں تمہاری شادی کر دوں تو یہ مجھ سے نہیں ہوگا، غضب خدا کا! پہلے بیٹے کی شادی کروں اور وہ بھی ڈھنگ سے نہ ہو۔

اماں بیگم کا بلڈ پریشر پھر ہائی ہونے لگا۔

شادی کے لئے کون کہتا ہے بس کوئی چھوٹی سی تقریب ہو جائے۔

سجاد بھائی نے سنجیدہ ہو کر کہا۔

منگنی کر دوں؟

اماں بیگم نے پوچھا۔

ہاں! فی الحال اتنا ہی کافی ہے۔

سجاد بھائی نے کہا۔

منگنی میں بھی کچھ تو دھوم دھڑکا ہونا چاہیئے آخر تم میرے بڑے بیٹے ہو۔

اں بیگم بولیں۔

وم دھڑکے کو پھر کسی وقت کے لئے اٹھا رکھئے۔

جاد بھائی نے کہا۔

چھا، بس۔ خاموش ہو جاؤ، میرا بزرگ بننے کی کوشش مت کرو، جو میں سمجھوں گی، کروں گی۔

اں بیگم نے گھڑک دیا۔

ی اماں سے تو بات کر لیجئے۔

جاد بھائی کمرے سے باہر نکلتے نکلتے بھی مشورہ دینے سے باز نہ آئے۔

ارے کہنے کی ضرورت نہیں، ان سے پوچھے بغیر تو کوئی کام کرنے کا سوال ہی یدا ہوتا۔ لیکن انہیں یا کسی دوسرے شخص کو اعتراض بالکل نہیں ہوگا اس بات پہ۔

اں بیگم نے بڑے مطمئن انداز میں کہا۔

ں روز ــــ رات کو ڈرائنگ روم میں دادا جان سمیت گھر کے سارے بڑوں" ب بڑی دیر تک ہوتی رہی۔ شیو رانی اپنی عادت کے مطابق چھپ چھپ وں کی باتیں سننے کی کوشش کرتی ہیں۔

جاد بھائی کا فیصلہ جس جس نے سنا دو ایک لمحے کے لئے تو وہ اپنی جگہ ہونق بنا ادی اماں پان چھالیہ چبانا بھول گئیں، دادا جان اپنی خشخشی داڑھی میں انگلیوں ھانکنا بھول گئے۔ تایا ابا اپنے پائپ کا دھواں باہر نکالنا بھول گئے۔

ب نے سوچا ــــ "یہ سجاد میاں تو چھپے رستم نکلے"۔ لیکن دل میں سب بہت

خوش تھے اور سجاد بھائی کو بہت عقلمند سمجھ رہے تھے۔

اس میٹنگ میں منگنی کا دن اور تاریخ بھی مقرر کر لی گئی، باقی انتظامات کے بارے میں بھی سب نے اپنا اپنا مشورہ پیش کر دیا اور جمعہ کا دن منگنی کے لئے مقرر کر دیا گیا۔

بڑے بھیا کو یہ ساری باتیں اگلی صبح کو پتہ چلیں۔ وہ بھی ہوا یوں کہ بڑی اماں ان کے آفس جانے سے پہلے موقع پہ ہی جا پکڑا اور جلدی جلدی ساری باتیں ان کے گوش گزار کر دیں۔

بڑے بھیا نے بڑی حیرت سے بڑی اماں کی تقریر سنی اور پھر بہت مطمئن انداز سے سر ہلا کر بولے۔

چلئے، یہ اچھا ہوا، بنفشہ کے لئے سجاد بہت موزوں اور مناسب ہے۔

بڑی اماں نے بھی ان کی تائید کی اور پھر اپنا حرفِ مطلب زبان پہ لے آئیں۔

میں کہتی ہوں آخر تم نے کیا سوچا ہے؟

میں نے کیا سوچا ہے؟

بڑے بھیا زیرِ لب بولے۔

ہاں! تم کب تک مجھ بڑھیا کو ستاؤ گے؟

بڑی اماں نے انتہائی بے چارگی سے کہا۔

میں آپ کو کہاں ستاتا ہوں امی؟

بڑے بھیا مسکرائے۔

یہ ستانا نہیں تو اور کیا ہے کسی طرح شادی پہ رضامند ہی نہیں ہوتے۔

چھوڑیئے امی! سب کی شادیاں ہو رہی ہیں، اگر ایک میری نہ ہوگی تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

بڑے بھیا کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

جو تمہارا دل چاہے کرو میاں! مر جاؤں گی تو پچھتایا کرو گے یہ سوچ کر کہ بوڑھی ماں کی بات نہ مانی۔

اچھی بات نکالا کرتے منہ سے امی! اور آپ اپنے آپ کو بوڑھا کیوں سمجھنے لگیں۔

بڑے بھیا نے کہا اور خدا حافظ کہہ کر چلے گئے۔

اس روز ——— بڑے بھیا خلافِ معمول دوپہر کو ہی گھر میں آگئے۔ دوپہر کا کھانا انہوں نے سب کے ساتھ ہی کھایا۔ بڑی اماں تو انہیں دیکھ کر مارے نہال ہوئی جا رہی تھیں۔ دادی اماں بھی کھلی جا رہی تھیں۔ اماں بیگم بڑی چاہت اور پیار سے ایک کے بعد دوسری ڈش بڑے بھیا کی طرف بڑھا رہی تھیں اور کہتی جا رہی تھیں ——— کھاؤ میاں! کبھی کبھی تمہاری صورت نظر آتی ہے کھانے کے وقت، معلوم نہیں کہاں رہتے ہو؟ کیا کھاتے ہو؟

بڑے بھیا بے پناہ رغبت سے بیٹھے تھے۔

کھانا کھا کر بڑے بھیا اپنے کمرے کی طرف جانے لگے تو دروازے کے باہر کھڑے ہو کر انہوں نے چائے کی فرمائش کر دی۔ اپنے کمرے میں پہنچے تو بنفشہ کو پہلے سے موجود پا کر مسکرائے اور پھر شرارت بھرے انداز میں اس کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔

کہو بھئی کیا ٹھیک ہے؟

بڑے بھیا اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولے۔

جی۔

بنفشہ نے گردن ہلائی۔

جھوٹ۔ اتنی جلدی تو اٹھ گئیں تھیں تم؟

بڑے بھیا نے کہا۔

ہاں نے اور شجو نے کینٹین میں سموسے کھائے تھے، بھوک زیادہ نہیں تھی۔

بنفشہ نے کہا۔

اچھا۔ اور کیا حال ہیں؟ سب خیریت؟

جی۔

سنا ہے جمعہ کو تمہاری منگنی ہے۔

بڑے بھیا نے مسکراتی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

بنفشہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

تم خوش تو ہو نا!

بڑے بھیا نے پوچھا۔

بنفشہ پھر بھی خاموش رہی۔

ارے بھئی! کچھ منہ سے تو بولو۔

بڑے بھیا نے کہا۔

کیا بولوں؟ مجھے کچھ نہیں معلوم۔

بنفشہ نے کہا۔

سجاد تمہیں پسند ہے؟

بڑے بھیا نے پوچھا۔

آپ کو پسند ہیں؟

بنفشہ نے الٹا انہی سے سوال کر دیا۔

یہ تم نے کیوں پوچھا؟ میری منگنی تو نہیں ہو رہی سجاد سے؟

بڑے بھیا مسکرائے۔

بنفشہ بھی مسکرا دی۔

ویسے یہ سب کچھ ہو کیسے گیا ایک دم؟

بڑے بھیا نے پوچھا۔

بنفشہ نے بڑی سادگی اور معصومیت سے اپنی اور سجاد بھائی کی گفتگو مختصراً بڑے بھیا کو بتا دی۔ وہ بڑے انہماک سے سنتے رہے۔ بنفشہ خاموش ہوئی تو وہ مسکرا کر بولے۔

بہت خوب! سجاد کا بھی جواب نہیں۔

بنفشہ خاموش بیٹھی ان کی طرف دیکھتی رہی۔

ویسے اب میں تمہاری طرف سے بالکل مطمئن ہوں، سجاد جیسے لڑکے بہت کم ملتے ہیں، اس سے زیادہ کوئی شخص تمہاری قدر نہیں کر سکتا۔

بڑے بھیا نے صوفے کی پشت سے سر ٹکاتے ہوئے کہا اور بڑی گہری سوچوں میں ڈوب گئے۔

جمعہ کے دن بنفشہ کی منگنی سجاد بھائی سے ہو گئی۔ سجاد بھائی کے منع کرنے کے باوجود اماں بیگم اپنے دل کے ارمان پورے کرنے سے باز نہ آئیں جتنی بھی دھوم دھام

سے وہ منگنی کر سکتی تھیں اس میں انہوں نے کوئی کسر نہ چھوڑی۔ شجو اور چھٹ باجی نے بھی اپنی حسرتیں پوری کرنے میں بخل سے کام نہیں لیا۔

ایک جمعہ کو منگنی ہوئی اور دوسرے جمعہ کو سجاد بھائی کے رخصت ہونے کا دن تھا۔ منگنی کے بعد سے بنفشہ سے ان کی تفصیلی بات بھی نہیں ہو سکی تھی اپنے جانے کے سلسلے میں وہ کچھ اتنے مصروف تھے کہ باوجود کوشش کے وقت نہیں نکال سکے تھے۔ انہوں نے سوچا کہ جمعہ کے دن تو ویسے ہی اتنا ہنگامہ ہوگا کہ بنفشہ کی صورت دیکھنا بھی دشوار ہوگا۔ کوئی نہ کوئی صورت ایسی نکالنی چاہیئے کہ ایک دن پہلے ہی اس سے ملاقات ہو جائے۔ کسی کے ذریعہ بلوانا انہیں اچھا نہیں لگا۔ خود اس کے کمرے میں جا کر اسے اپنے ساتھ لا نہیں سکتے تھے کیونکہ وہاں شجو سے مڈبھیڑ ہو جانے کا خطرہ تھا اور بنفشہ خود — منگنی کے بعد سے ان سے اس قدر چھپنے لگی تھی کہ ان کا سامنا ہوتے ہی جلدی سے نظریں جھکا کر دوسری طرف چل دیتی۔ لیکن آخر کب تک؟ جانے سے ایک روز پہلے سجاد بھائی کو موقع مل ہی گیا۔ بنفشہ دادا جان کو شام کا اخبار سنا کر ان کے کمرے سے نکل رہی تھی اور سجاد بھائی اسی وقت باہر سے آئے تھے وہ بڑے تھکے تھکے قدموں سے برآمدے کی سیڑھیاں چڑھ رہے تھے۔ بنفشہ پر نظر پڑتے ہی وہ مسکرا دیئے۔ بنفشہ نے جلدی سے آگے بڑھ جانا چاہا لیکن سجاد بھائی نے سامنے آ کر اس کا راستہ روک لیا۔ بنفشہ نے گھبرا کر دادا جان کے کمرے کی طرف دیکھا پھر سامنے والے کمروں کی طرف نظر دوڑائی۔

کیا بات ہے؟

سجاد بھائی اس کی گھبراہٹ سے محظوظ ہو کر بولے۔

جی! کچھ نہیں۔

بنفشہ نے کہا۔

پھر؟ یہ اس قدر بے رخی، بے اعتنائی؟

سجاد بھائی نے کہا۔

نہیں تو —

بنفشہ نے پریشان ہو کر ان کی طرف دیکھا۔

تمہیں معلوم ہے میں کل جا رہا ہوں؟

سجاد بھائی نے پوچھا۔

جی — بنفشہ نے کہا۔

تمہارا بالکل دل نہیں چاہتا کہ کچھ دیر میرے پاس بیٹھ کر مجھ سے باتیں کرو؟

بنفشہ اس بات کا کیا جواب دیتی؟ سر جھکائے کھڑی رہی۔

میرے ساتھ آؤ۔

سجاد بھائی نے کہا۔

بنفشہ نے گھبرائی نظروں سے چاروں طرف دیکھا۔

بلاوجہ ڈرنا اور خوفزدہ ہونا چھوڑ دو۔

سجاد بھائی نے کہا۔

آؤ —

انہوں نے پھر کہا۔

بنفشہ نے بڑی بے بسی سے ان کی طرف دیکھا اور ان کے ساتھ چل دی۔

سجاد بھائی اپنا کوٹ اتار کر بستر پہ ڈالتے ہوئے بولے۔

ہوں۔اب بتاؤ تمہارا بالکل دل نہیں چاہتا مجھ سے باتیں کرنے کو؟

آپ تو خود اس قدر مصروف رہتے ہیں۔

نفشہ نے کہا۔

اچھا بہانہ ڈھونڈا۔

سجاد بھائی مسکرائے۔

نفشہ خاموش رہی۔

میرے ساتھ جانے کو دل چاہ رہا ہے؟

سجاد بھائی نے پوچھا۔

نفشہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

بولو نا!

سجاد بھائی نے آگے بڑھ کر اس کا سر ہلایا۔

نفشہ کے چہرے پہ سرخی سی چھا گئی۔

منہ میں زبان نہیں ہے؟

سجاد بھائی نے مسکرا کر پوچھا۔

میرے دل کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے؟ آپ مجھے لے تھوڑی جائیں گے۔

نفشہ نے ان کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

سجاد بھائی کو اس پہ ٹوٹ کر پیار آیا۔اس جیسی بے زبان لڑکی اور کس طرح اپنے دلی جذبات کا اظہار کر سکتی ہے؟

انہوں نے سوچا اور اس کی طرف والہانہ انداز سے دیکھتے ہوئے ایکدم سنجیدہ ہو گئے۔

میرا بس چلے تو تمہیں ایک منٹ کے لئے اپنے آپ سے جدا نہ کروں۔لیکن مجبوری ماں سے سب کچھ کرواتی ہے۔

سجاد بھائی نے کہا۔

ویسے ــــ آپ مجھے کتنے عرصے بعد بلوالیں گے؟

نفشہ نے پوچھا۔

سجاد بھائی نے بڑی حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔چند لمحے اس کی جھکی ہوئی پلکوں نظریں جمائے کچھ سوچتے رہے پھر اٹھ کر اس کے قریب آئے اور پیچھے کھڑے ہو گئے جانے کیا کہنا چاہ رہے تھے؟ نفشہ نے گردن گھما کر ان کی طرف دیکھا۔

تم سچ مچ میرے بغیر نہیں رہ سکتیں؟

انہوں نے پوچھا۔

نہیں۔

نفشہ نے بڑی صاف گوئی سے اقرار کیا۔

کیوں؟

مجھے ڈر لگتا ہے۔

ڈر لگتا ہے؟ کس سے؟ کس بات سے؟

سجاد بھائی نے فکر مند ہو کر پوچھا۔

نفشہ خاموش بیٹھی سوچ رہی تھی کہ میں یہ بات کس طرح بتاؤں کہ اپنے مستقبل کے بارے میں سوچتے ہوئے جانے کیوں میرا دل دھڑک اٹھتا ہے، سہم جاتا ہے۔

سجاد بھائی نے جب اصرار کر کے پوچھا تو وہ اپنے دل کے خدشات زبان پہ لے آئی۔

بلا وجہ وہم نہیں کرنا چاہیئے، میرا دل کہتا ہے کہ اب تمہاری زندگی میں کوئی حادثہ نہیں آئے گا۔

سجاد بھائی نے تسلی دی لیکن بنفشہ سجاد بھائی کی اتنی محبت اور اتنی ہمدردی پا کر سوگوار سی ہو گئی۔ سجاد بھائی نے اس کا ذہن بٹانے کے لئے بالکل بچکانہ قسم کی باتیں شروع کر دیں۔ ان کی باتوں سے بنفشہ کے دل کی اداسی وقتی طور پر کم ضرور ہو گئی۔ لیکن اپنے کمرے میں آتے ہی وہ پھر گم صم سی ہو کر رہ گئی۔ اپنے بستر پہ بے جان سی پڑی وہ بڑے مایوس اور اداس اداس سے خیالات میں گھری رہی۔

اگلے دن سجاد بھائی کو جانا تھا۔ گھر کا ماحول بڑا اداس اور سوگوار سا تھا۔ اماں بیگم کو سب ہی لوگ سمجھا سمجھا کر تھک چکے تھے لیکن ان کے آنسو تھے کہ بہے چلے آ رہے تھے۔ دادی اماں بار بار اپنی عینک اتار کر گیلی آنکھوں کو خشک کر رہی تھیں۔ بڑی اماں اور چچی جان دل پہ اداسی کا بوجھ لئے کاموں میں مصروف تھیں۔ دادا جان، بڑے ابا، ابا میاں اور چچا جان وقفے وقفے سے سجاد بھائی کو نصیحتیں کر رہے تھے۔ سجاد بھائی اپنے دل کی اداسی کو چھپائے کبھی آپا جان کو سمجھا رہے تھے، کبھی چھٹ باجی کی پیٹھ تھپتھپاتے تھے اور کبھی ننھو کے سر پہ ہاتھ پھیرتے تھے۔ بنفشہ اس روز صبح ہی سے کونوں کھدروں میں چھپتی پھر رہی تھی۔ اس کی پوری کوشش یہی تھی کہ سجاد بھائی سے سامنا نہ ہونے پائے۔ ایئرپورٹ جانے کا وقت قریب آیا تو سجاد بھائی اس کے کمرے میں آ گئے وہ کرسی پہ بیٹھی دونوں ہاتھ گود میں رکھے بڑی گہری سوچوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ سجاد بھائی اس کے سامنے

آ کھڑے ہو گئے تب بھی وہ اسی طرح بیٹھی رہی۔

بنفشہ!

سجاد بھائی نے آہستہ سے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔

بنفشہ نے ان کی طرف دیکھا لیکن زبان سے کچھ نہیں کہا۔

ایئرپورٹ نہیں چلو گی؟

سجاد بھائی نے پوچھا۔

نہیں، میں یہیں سے آپ کو خدا حافظ کہہ دیتی ہوں۔

بنفشہ نے کہا۔

بیکار باتیں نہیں کرتے، چلو اٹھو۔

سجاد بھائی نے اس کا ہاتھ تھام کر اٹھایا۔

میں تمہیں خط لکھوں گا جواب ضرور دینا، سمجھیں۔

سجاد بھائی نے اس کا سر پکڑ کر ہلایا۔

اچھا۔

میرے بعد اداس رہنے کی قطعی ضرورت نہیں، ہنسا بولا کرو۔

سجاد بھائی نے کہا۔

بنفشہ خاموش رہی۔

میری نصیحتوں پہ عمل کرو گی نا!

سجاد بھائی نے پوچھا۔

بنفشہ نے اقرار میں سر ہلایا اور آہستہ سے کہا۔

سجاد بھائی چلے گئے اور گھر میں کئی دنوں تک قبرستان کا سا سناٹا چھایا رہا۔ گھر کو گھر بھرا ہوا تھا بچے بھی تھے، جوان بھی تھے۔ اور بوڑھے بھی! لیکن پھر بھی ایک خلا کا احساس ہوتا تھا۔ اماں بیگم کے دل کو تو اس وقت تک قرار نہ آیا جب تک سجاد بھائی کی خیریت سے پہنچ جانے کی اطلاع نہ بھجوا دی۔

بنفشہ کے نام جب سجاد بھائی کا پہلا خط آیا تو کئی دن گذر جانے کے بعد بھی اس نے جواب نہیں لکھا۔ شجو رانی روزانہ پوچھتیں، "بنفشہ باجی! آپ نے سجاد بھائی کو خط دیا؟" بنفشہ کا سر ایسے موقعوں پر ہمیشہ جھک جاتا اور وہ بڑی آہستگی سے کہتی، "نہیں! تو نہیں لکھا؟"

"آپ بھی کمال کرتی ہیں"

شجو رانی کی آنکھیں حیرت زدہ انداز میں بنفشہ کے چہرے پر جم کر رہ جاتیں۔

جب کئی دن اسی طرح گذر گئے تو شجو رانی کے پاس سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہ رہا کہ بنفشہ کے سر پہ سوار ہو کر سجاد بھائی کو خط لکھوائیں۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا شجیعہ! میں کیا لکھوں؟"

بنفشہ نے قلم تھامتے ہوئے کہا۔

"ارے بھئی کچھ بھی لکھ دیجئے۔"

شجو نے کہا۔

بنفشہ پیڈ کے نیلے صفحے پر نظریں جمائے خاموش بیٹھی رہی۔

شجو نے بڑی محنت سے خط کا مضمون ذہن میں تیار کر کے بنفشہ کے گوش گزار کیا۔

"نے اسے ایکدم ریجیکٹ کر دیا۔" "نہیں بھئی، یہ ساری باتیں تو میں ہرگز نہیں لکھ سکتی۔"

بنفشہ نے کہا۔

"پھر؟ آخر آپ کیا لکھنا چاہتی ہیں؟"

شجو نے پوچھا۔

"تم ذرا دیر کے لئے مجھے تنہا چھوڑ دو۔ میں خود ہی سوچ سمجھ کے لکھ دوں گی۔"

بنفشہ نے کہا۔

"میں یہ تو کر سکتی ہوں کہ آپ کے پاس سے ہٹ کر بستر پہ بیٹھ جاؤں لیکن اس کمرے سے آپ کو تنہا ہرگز نہیں چھوڑ سکتی۔"

شجو نے کہا۔

"آپ کا کیا ٹھیک؟ آپ پھر قلم چھوڑ چھاڑ کر اٹھ کھڑی ہوں۔"

شجو نے بنفشہ کو خاموش دیکھ کر کہا۔

میرا یہ مطلب نہیں کہ تم کمرے سے چلی جاؤ۔

بنفشہ باوجود کوشش کے اپنی مسکراہٹ نہ روک سکی۔ شجو رانی کسی تھانیدا
کی طرح دونوں ہاتھ کمر پہ رکھے کھڑی تھیں۔

پھر شجو رانی میز پر سے اخبار اٹھا کر اپنے بستر پہ لیٹ گئیں۔ اور بنفشہ ۔
بہت سوچ بچار کے بعد سجاد بھائی کو انتہائی مختصر سا خط لکھا جس کے ہر لفظ سے
اور معصومیت ٹپکتی تھی۔ اس میں سوائے گھر والوں کی خیر خیریت کے اور کوئی بات ن
تھی۔ خط لکھ کر وہ شجو رانی کو دکھانے کے لیے ان کے قریب آئی تو وہ مارے
کے اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

آخر آپ کب بڑی ہوں گی بنفشہ باجی ؟

شجو رانی نے کہا۔

بنفشہ نے ان کی بات نہ سمجھتے ہوئے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔ میرا مطلب
ذہنی طور پر۔

شجو نے اپنی بات کی وضاحت کی۔

بنفشہ خط ہاتھ میں تھامے شجو کی طرف چپ چاپ تکتی رہی۔

کم از کم یہ تو سوچ لیجئے کہ آپ نے جس شخص کو خط لکھا ہے وہ میرا بڑا بھا

شجو نے کہا۔

تو پھر ؟

بنفشہ نے پوچھا۔

مطلب یہ کہ سجاد بھائی کے بجائے اگر آپ کے منگیتر صاحب کوئی اور حضرت
تو میں چھین جھپٹ کر خط پڑھتی۔

شجو رانی نے اپنی بات کی مزید وضاحت کی۔

لیکن میں نے تو اس میں ایسی کوئی بات ....

کچھ بھی سہی۔ آخر شرم، لحاظ، ادب بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے۔

شجو رانی نے بنفشہ کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ بنفشہ نے سوچا "شجو اتنی ادب لحاظ
والی کب سے ہو گئیں ؟"۔

اب آپ اس خط کو لفافے میں بند کیجئے۔ اس پہ ایڈریس لکھئے، کل یونیورسٹی جائیں
تو اس کو پوسٹ کر دیجئے گا۔

شجو نے کہا۔

تم نے خواہ مخواہ ہی یہ لفافے کا چکر رکھا۔ سیدھا سادا ایروگرام ٹھیک تھا۔

بنفشہ نے کہا۔

اوہنہہ ! آپ بھی بس یونہی ہیں۔ منگیتروں کو ایروگرام بھیجنا انتہائی غیر رومانی
بات ہے۔

شجو نے کہا۔

بنفشہ نے جھینپ کر منہ دوسری طرف کر لیا اور رائٹنگ ٹیبل کے قریب چلی گئی۔
اپنے لفافے میں بند کر کے، اس پر ایڈریس لکھ کر اور شجو رانی کے دیئے ہوئے خوبصورت
ٹکٹ چپکا کر جب وہ مڑی تو شجو رانی اخبار سینے پر رکھے بے خبر سو رہی تھیں۔
پھر وقت بڑی خاموشی سے گزرنے لگا۔ سجاد بھائی کے خطوط بڑی پابندی سے آتے

ہے، کبھی اماں بیگم اور ابا میاں کے نام، کبھی شجو رانی اور چھٹ باجی کے نام کبھی
اور گھر کے دوسرے افراد کے نام۔ خاموشی کے انہی لمحات میں ایکبار پھر ہنگامے جگ
چھٹ باجی (چھوٹی باجی) — جو ایم اے کرنے کے بعد گھر میں ہی بیٹھی تھیں۔ اور ان
بارے میں سوچ سوچ کر اماں بیگم دن رات ہولایا کرتی تھیں۔ کہ یا اللہ! یہ لڑکی کب
اپنے گھر کی ہوگی؟ عمر گزرتی جارہی ہے۔ کہیں سے کوئی رشتہ ہی نہیں آرہا۔ کہیں لڑکی
بالوں میں چاندی کا کوئی تار نہ چمک اُٹھے۔ ابھی چھٹ باجی کے لیے کسی حیدرآبادی لڑ
کا رشتہ آیا۔ اماں بیگم نے پھر ہڈی، چمڑی اور ذات پات کا سوال اٹھایا۔ ابا میاں کا کہنا
تھا کہ اب ان سب باتوں کا زمانہ نہیں رہا۔ لڑکا شریف بھی ہے اور لائق بھی، بڑے ا
خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ بغیر کسی لیت ولعل کے حامی بھرلو۔ مگر وہ اماں بیگم ہی کیا
لڑکے کا "پوسٹ مارٹم" کئے بغیر ہنکارا بھرلیں۔ وہ تو اس چکر میں دن رات ایک ک
دے رہی تھیں۔ اور شجو رانی اس فکر میں دُبلی ہوئی جارہی تھیں کہ کہیں اماں بیگم سچ مچ ہا
نہ بھرلیں۔ حیدرآبادیوں کے بارے میں ان کی رائے کچھ اچھی نہیں تھی۔ آپا جان کے رشتے
کے سلسلے میں دخل اندازی کرنے پر اماں بیگم نے اگرچہ انہیں خوب ڈانٹا ڈپٹا تھا اس کے
باوجود وہ چھٹ باجی کے معاملے میں بولنے سے باز نہ آئیں۔ چلتے پھرتے اماں بیگم سے
بات کہہ ہی گئیں۔

حیدرآبادیوں کے چکر میں نہ پڑیئے اماں بیگم ورنہ زندگی بھر اس چکر سے باہر نہیں نکل سکیں

تم کیوں ہر موقع پر میری اماں بن کے مجھے مشورہ دینے بیٹھ جاتی ہو؟

اماں بیگم نے جھڑک دیا۔

آپ کو نہیں پتہ اماں بیگم! ان لوگوں کے یہاں بڑا لین دین ہوتا ہے۔

شجو رانی نے اماں بیگم کی جھڑکی کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔

ہاں! میں تو ننھی بچی ہوں کچھ نہیں جانتی اور تمہیں سب کچھ معلوم ہے۔

اماں بیگم چڑ کر بولیں۔

سچ کہہ رہی ہوں اماں بیگم! یہ لوگ تو آپ کے بدن کی کھال کھینچ لیں گے تب
بھی ہی رونا روئیں گے۔ کہ ابو ماں! کچھ نئیں دیئے، کچھ نئیں دیئے بڑے کنجوس لوگاں ہیں

شجو نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔

یا میرے اللہ کیسی ڈھیٹ لڑکی ہے۔ اس کے اوپر تو ڈانٹ ڈپٹ کا کوئی اثر
ہی نہیں ہوتا۔

اماں بیگم نے اپنا سر پیٹ لیا۔ بڑی مشکل سے انہوں نے اپنی مسکراہٹ روکی تھی۔
دادی اماں تو باوجود کوشش کے اپنی ہنسی نہ روک سکی تھیں۔

میں کہوں تو ایسی باتیں سن کہاں سے لے ہے؟ کتنا ہی چھپے چھپے باتیں کرو مگر اس
لڑکی کو ہمیشہ خبر ہو جاوے ہے۔ کہ کس کا رشتہ آیا ہے اور کہاں سے آیا ہے۔

دادی اماں ہنس کر بولیں۔

سوال یہ ہے کہ آپ لوگ چھپکے چھپکے باتیں کرتی ہی کیوں ہیں؟ شجو رانی نے گز
بھر کی زبان چلادی۔

اس بدتمیزی پر اماں بیگم کا بلڈ پریشر ہائی نہ ہوتا تو کیا ہوتا! انہوں نے تنبیہی
نگاہوں سے شجو رانی کی طرف دیکھا اور ڈپٹ کر بولیں۔

تم اٹھتی ہو یہاں سے یا میں کروں تم سے سوال وجواب؟

شجو نے بڑے اطمینان سے چپلیں پہنیں اور سٹر سٹر کرتی اپنے کمرے کی طرف چلی

گئی۔ وہاں شامت کی ماری بیچاری چھُٹ باجی بیٹھی بنفشہ سے باتیں کر رہی تھیں۔ شجو نے شرارت آمیز نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا اور بولی۔

اجی چھٹ باجی! کچھ سُنیے بھی؟

چھٹ باجی نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

اماں بیگم اور دادی اماں تمھارے کو حیدرآبادیوں میں دینے کی باتاں کرتے بیٹے۔

چھٹ باجی ابھی پوری طرح اس کی بات سمجھ بھی نہ پائی تھیں کہ شجو نے مزید لقمہ دیا۔

میرے کو کھٹے سالناں بہوت اچھے لگتے جی! میرے واسطے بگھارے بینگن اور "ڈبل کا میٹھا" ضرور بھیجنا۔

کیا بکواس لگائی ہے؟

چھٹ باجی شجو کو ڈانٹنے کے باوجود ہنسنے سے باز نہ رہ سکیں۔ ان کے قریب بیٹھی بنفشہ بھی بے ساختہ ہنس دی۔

، اور اپنے بیٹے کے عجنے (عقیقے) کے وخت (وقت) لمیاں (لقمیاں) ضرور بنوانا۔

شجو نے اپنی بکواس جاری رکھی۔

شجو کی بچی! میں ماروں گی۔

چھٹ باجی اسے دھپ لگانے کو دوڑیں۔ تو وہ چھلانگ لگا کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

حیدرآبادیوں کے بارے میں شجو رانی کی ناپسندیدگی قطعی کام نہ آئی۔ آخر وہ تھیں کس کھیت کی مولی۔ جو ایسے معاملوں میں ان کی رائے کو کوئی اہمیت دی جاتی؟ اماں بیگم نے جب اچھی طرح چھان پھٹک کرنے کے بعد یہ اطمینان کر لیا کہ لڑکا ہر لحاظ سے موزوں ہے تو انہوں نے چھٹ باجی کی مرضی معلوم کر کے حامی بھر لی۔ چھٹ باجی کو تو سرے سے

اس رشتے پر کوئی اعتراض ہی نہیں تھا۔ توصیف پاشا میں کوئی کمی ہوتی تو وہ ناک منہ بھی بناتیں۔ یہاں تو عالم یہ تھا۔ کہ وہ اپنے آپ کو توصیف پاشا کے مقابلے میں شکل وصورت کے لحاظ سے کچھ کم ہی محسوس کر رہی تھیں۔ رنگ اور ناک نقشے دونوں ہی میدانوں میں توصیف پاشا چھُٹ باجی کو صاف صاف مات دے رہے تھے۔

شجو رانی کے کان میں جب یہ بھنک پڑی کہ توصیف پاشا کا رشتہ منظور کر لیا گیا ہے تو انہوں نے غیر معمولی طور پر سنجیدہ ہو کر چھُٹ باجی کے مستقبل کے بارے میں غور و فکر کرنا شروع کر دیا۔ جب ان کے غور و فکر نے انہیں کسی نتیجے پر نہیں پہنچایا۔ تو وہ ٹہلتی ہوئی اماں بیگم کے کمرے کی طرف چل دیں۔ اماں بیگم، دادی اماں اور بڑی اماں سے جانے کس سلسلے پر صلاح مشورے کر رہی تھیں۔ شجو نے بھی دادی اماں کے برابر میں گھس گھسا کر اپنے لئے جگہ بنالی۔

دادی اماں کسمسا کر بولیں۔

پرے ہٹ کے بیٹھ لڑکی! تو تو بچوں کی طرح میری گود میں گھسی جا رہی ہے۔

میں بچی ہی تو ہوں دادی اماں۔

شجو نے بڑے اطمینان سے کہا۔

اب اتنی ننھی بھی نہیں ہے۔ کہ گود میں گھس کر بیٹھے۔

دادی اماں نے خود ہی ایک طرف کھسکتے ہوئے کہا۔

شجو رانی ان کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے اماں بیگم کی طرف دیکھ کر بولیں۔

اجی اماں بیگم! یہ ہی آپ حیدرآبادیوں کا رشتہ منظور کر لیئے۔

دادی اماں اور بڑی اماں ایکدم ہنس پڑیں۔ اماں بیگم نے بمشکل تمام اپنی ہنسی روکی اور ذرا رعب سے بولیں۔

رشتہ منظور کیا یا نہیں کیا لیکن تم آخر ایسی باتوں میں دخل اندازی کیوں کرتی ہو!

میں اس واسطے بولی کہ میرے کو یہ رشتہ پسند نہیں۔

شجو نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔

تمہاری ناپسندیدگی سے کیا مطلب؟ تمہارے لیے تو نہیں منظور کیا گیا یہ رشتہ، اماں بیگم نے کہا۔

مجھے چھٹ باجی کے لیے یہ رشتہ منظور نہیں۔

شجو نے کہا۔

جب اسے کوئی اعتراض نہیں تو تم کون ہوتی ہو؟ . . . . .

اچھا! انہوں نے منظور کر لیا۔ تب پھر کچھ کہنا سننا فضول ہے۔

شجو نے اماں بیگم کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی کہا۔

تم ایسی باتوں میں دخل اندازی کرنے سے باز کیوں نہیں آتیں؟

اماں بیگم چڑ کر بولیں۔

اس کے کانوں میں ساری باتوں کی بھنک بڑی جلدی پڑ جاتی ہے۔

بڑی اماں نے مسکرا کر کہا۔

کن سوئیاں لینے کی تو پرانی عادت ہے اس کی۔

اماں بیگم نے کہا۔

اور شجو رانی اس وقت ایسی لاتعلق ہو کر بیٹھی تھیں جیسے ذکر ان کا نہیں کسی ا
کا ہو رہا ہو۔ کچھ دیر تو وہ خاموش بیٹھی رہیں پھر ایکدم بولیں۔

اماں بیگم آپ بھی بھانت بھانت کے داماد شامل کر رہی ہیں۔ اپنے خاندان پر

اماں بیگم پھر کوئی سخت سست بات کہنے ہی والی تھیں کہ شجو نے پھر اپنی
نا کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

ایک پنجابی ہیں۔ دوسرے حیدرآبادی۔ اب میری شادی سندھیوں میں کریئے گا۔

پھر تم نے بدتمیزی شروع کی! اماں بیگم نے جھڑکا۔

بنفشہ باجی کا معاملہ اگر سجاد بھائی کے ساتھ نہ طے ہوا ہوتا۔ تو ان کی شادی
انوں میں کر دیتیں۔

شجو نے اماں بیگم کی جھڑکی کی پرواہ کئے بغیر اپنی بات جاری رکھی۔

دیکھ رہی ہیں بھابھی جان آپ اس کی ڈھٹائی!

اماں بیگم نے بڑی اماں کو مخاطب کیا۔

اور اس سے پہلے کہ بڑی اماں شجو کے بارے میں کوئی رائے زنی کرتیں شجو
ے سے باہر نکل گئیں۔

پھر— شادی کی تیاریاں بڑے زور و شور سے شروع ہو گئیں۔ اماں بیگم نے
اماں اور چھوٹی چچی کے ساتھ مل کر جہیز کی تیاری میں دن رات ایک کر دیا۔ ایک بار
سارے عزیز و اقارب اور دوست احباب جمع ہوئے۔ شور و غوغا ہوا اماں

چلئے، میں دو ایک منٹ بعد آجاؤں گی۔

اچھا!

سجاد بھائی اس کی بات سمجھ کر مسکرا لیے اور اس کا سر تھپتھپا کر باہر چلے گئے۔

سجاد بھائی کمرے سے باہر نکلے تو بنفشہ نے اپنی پلکوں کے نیچے جلتے ہوئے
ں کو آنچل کی ہوا دے کر بجھا دیا اور بوجھل قدموں سے باہر نکل آئی۔

بیگم اور ابا میاں نے بڑے دھوم دھڑکے سے چھوٹی باجی کو بیاہ کر سسرال بھ
چھوٹی باجی کی شادی کے ہنگاموں نے بھی تھک کر دم توڑ دیا۔ ولیمہ، چوتھی، چالا
ساری رسمیں، ریتیں، ساری دعوتیں ایک کے بعد ایک ختم ہوگئیں۔ اور گھر میں
ہو گیا۔

اور پھر — وقت بڑی تیزی سے گزر گیا۔ پل کو گھڑیوں میں بدلتے دیر
اور نہ دنوں کو مہینوں میں بدلتے دیر لگی۔ سکون اور خاموشیوں کے انہی لمحات
شجو اور بنفشہ نے ایم اے کا امتحان دے کر سکھ کا سانس لیا۔ اب فرصت
بے شمار لمحات تھے۔ اور وقت گزاری کی کوئی صورت سامنے نہیں تھی۔ سجاد بھائی
خطوں کے جواب میں شجو رانی انہیں بڑے لمبے لمبے کھترے لکھ کر بھیجتیں۔ اور بنف
"مختصر نویس" کہہ کر چھیڑتیں۔ دو تین دفعہ "سہیلی" کے گھر جانے کی اجازت لے
شجو رانی بڑے ماموں جان کے گھر جانے سے باز نہ رہ سکیں۔ یہ بات نہیں تھی
سہیلی کے گھر سرے سے گئیں ہی نہیں۔ بلکہ انہوں نے چکر یہ چلایا کہ سہیلی کے
تو بیٹھیں آدھ گھنٹہ اور بڑے ماموں جان کے گھر گزارے تین گھنٹے۔ ایسے
پر یہ کبھی نہیں ہوا۔ کہ وہ اپنی بنفشہ باجی کو چھوڑ گئی ہوں۔ ان کے بغیر تو نہ شجو
کے حلق سے نوالہ اترتا تھا۔ اور نہ انہیں کھانا ہضم ہوتا تھا۔ گھر والوں کا خیال
بنفشہ کو ساتھ لیے بغیر شاید وہ اپنے سسرال بھی نہیں جائیں گی۔

انہی دنوں دادا جان کی طبیعت پھر بگڑ گئی۔ ڈاکٹروں نے اپنے اپنے گھر د
کلینک سے دادا جان کے کمرے تک دوڑ لگانی شروع کر دی۔ اور کرارے کرا
نوٹ جلدی جلدی اپنی جیبوں میں بھرنے شروع کر دیئے۔ پھر ڈاکٹروں کے مشو

ے دادا جان کو ہسپتال میں داخل کر دیا گیا۔ اب گھر والوں کی دوڑ لگانے کی باری
تھی۔ گھر سے ہسپتال اور ہسپتال سے گھر — ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے زندگی انہی دو
پہیوں کے درمیان مقید ہو کر رہ گئی ہو۔ خدا خدا کر کے دادا جان کی حالت بہتر ہوئی۔
تو انہیں گھر جانے کی اجازت ملی لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ اب وہ پھر
سے بدپرہیزیاں شروع کر دیں۔ جو ان کی خاص عادت تھی۔ پھر شجو رانی اور بنفشہ کا
زیادہ تر وقت دادا جان کے کمرے میں گزرنے لگا۔ دونوں جی جان سے ان کی
تیمار داری اور خدمت کرنے لگیں۔

دادا جان کی بیماری کے مصروف اور پریشان دنوں میں ایک عجیب بات یہ
ہوئی کہ سجاد بھائی کا کوئی خط گھر کے کسی بھی فرد کے نام نہیں آیا۔ ان کی اس طویل خاموشی
نے جہاں اماں بیگم کا بلڈ پریشر ہائی کر دیا وہیں گھر کے باقی افراد کو بھی پریشان کر دیا۔
ہر شخص اپنی فکر اور پریشانی کا اظہار کسی نہ کسی طرح کر ہی دیتا تھا۔ قابل رحم حالت تو
بنفشہ کی تھی۔ جو کسی سے کچھ کہتی ہی نہیں تھی۔ چپ چاپ اپنے کاموں میں مصروف رہتی
تھی لیکن اپنے دل اور دماغ پر اسے ہر لمحے ایک بھاری بوجھ محسوس ہوتا تھا۔ وہ لمحے
کتنے بھاری ہوتے ہیں اور کس قدر تکلیف دہ! جب نہ بکھری بکھری سوچوں پر کوئی اختیار
ہو، نہ الجھے الجھے خیالات پر پہرے بٹھائے جا سکیں اور نہ زبان بھی اپنے جذبات و احساسات
کا اظہار نہ کر سکے۔ لمحوں کے اس بھاری پن، اس بوجھل پن اور اذیت ناک ہونے کا
احساس صرف اسے ہو سکتا ہے۔ جو درد و کرب کی لہروں میں ڈوب ڈوب کر ابھرتا
ہو۔ اور ابھر ابھر کر ڈوبتا ہو۔ بنفشہ نے ان دنوں دوسروں سے نگاہیں ملا کر بات کرنا
چھوڑ دیا تھا۔ کہیں ایسا نہ ہو۔ دل کا راز آنکھوں کی زبانی عیاں ہو جائے۔ سب سے

زیادہ ڈر اسے شجو سے لگتا تھا۔ کہیں وہ من کا چور نہ پکڑ لے اور اس کے بعد وہ بڑھیا سے خوفزدہ تھی۔ وہ جو اپنے دل کی گہرائیوں کا اندازہ کسی کو نہیں ہونے دیتے تھے دوسرے کی دلی کیفیت کا اندازہ اس کے چہرے پر ایک سرسری نگاہ ڈال کر ہی لگا لیتے تھے۔ بنفشہ نے ان کا سامنا کرنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ کہیں ایسا نہ ہو راستہ روک کر کھڑے ہو جائیں۔ تحکمانہ انداز میں اپنے کمرے میں آنے کا حکم دے دیں اور پوچھ بیٹھیں۔

"بنفشہ! تم سجاد کی طرف سے فکرمند اور اداس تو نہیں ہو؟"

اس کے بعد ان کی طویل نصیحتیں، ان کے تسلی بھرے الفاظ اور ان سب سے ہٹ کر ان کا پیار بھرا لہجہ، محبت بھرا انداز اور — اور اس کے ساتھ ان لمحوں کا احساس — جب دل کا درد سمٹ کر آنکھوں کے ساحل تک آ گئے۔ ساحل کو بھی پار کر جائے۔ خاموشیوں کا بھرم کھل جائے اور زبان سے سجاد بھائی کی محبت، ان کی چاہت کا اقرار نہ ہونے کے باوجود اقرار ہو جائے، پھر ایسے میں وہ بڑھیا سے خوفزدہ نہ رہتی تو کیا کرتی۔

لگریوں اپنے چاہنے یا نہ چاہنے سے کیا ہوتا ہے؟ کوشش ہمیشہ تو کامیابی سے ہمکنار نہیں کرتی۔ بنفشہ بڑھیا سے کتراتی رہی بچتی رہی لیکن کب تک؟ ایک دوپہر — جب خاموشی اور چپ کا زہریلا ناگ وقت کے لمحوں کو نگل رہا تھا۔ سب سوئے ہوئے تھے بے خبر، بے سدھ، بنفشہ برآمدے کی ریلنگ پر دونوں کہنیاں ٹکائے جھکی ہوئی کھڑی تھی۔ سوچوں میں ڈوبی ہوئی، خیالات میں کھوئی ہوئی — تو ایسے ہی میں بڑھیا سامنے والے گیٹ سے اندر داخل ہوئے۔ بنفشہ اپنے سہمے ہوئے، دکھے ہوئے، بے چین اور بے قرار دل کو سمجھانے میں کچھ اتنی مصروف تھی کہ

ان کی آمد کی خبر ہی نہ ہوئی۔ جب بڑھیا کے قدموں کی آواز قریب سے قریب تر ہوئی تو وہ بُری طرح چونک گئی۔ اس نے سہم کر ان کی طرف دیکھا جیسے چوری کرتے پکڑی گئی ہو۔ اس نے سوچا وہ بڑھیا کو وہیں چھوڑ کر اندر چلی جائے ایکدم فوراً۔ فرار کی کوئی راہ اس کے سامنے نہیں تھی۔ مارے گھبراہٹ کے وہ بڑھیا کو سلام کرنا بھول گئی۔ ایک بار ان کی طرف دیکھنے کے بعد نگاہیں جو جھکیں تو جھکی ہی رہ گئیں۔ پلکوں کے سائے رخساروں کی دھوپ میں کانپ کر رہ گئے، لرز کر رہ گئے۔

پھر — وہی ہونا چاہیے تھا۔ بڑھیا پوچھے بغیر نہ رہ سکے۔ بنفشہ نے ان کا جواب نہ ہاں میں دیا نہ ناں میں۔ سر جھکائے کھڑی رہی — خاموش، چپ، گم صم، بڑھیا کچھ دیر تو لمحوں کے گزرنے کی صدا سنتے رہے۔ پھر اس کو سمجھانے اس کی ڈھارس بندھانے لگے۔ مگر ان کے محبت بھرے الفاظ، ان کا پیار بھرا بنفشہ کے مجروح دل کو اور دکھا گیا اور زخمی کر گیا۔ اس سے پہلے کہ آنکھوں سے برستے آنسوؤں کی برسات کا سماں بڑھیا دیکھتے بنفشہ رُخ موڑ کر کھڑی ہوئی اور چلی گئی۔ بڑھیا نے اسے جاتے ہوئے دیکھا مگر نہ اسے آواز دی، نہ اسے روکا ایک طویل سانس لی اور اپنے کمرے کی طرف چلے گئے۔

انہی دنوں بنفشہ اور شجو کا رزلٹ آ گیا۔ بنفشہ سیکنڈ ڈویژن میں پاس ہوئی تھی۔ شجو نے پہلی پوزیشن حاصل کی تھی۔ بقول "بڑھیا" (بڑے ابا) کے شجو نے کمال کر دیا۔ شجو پر ہر طرف سے داد و تحسین کے ڈونگرے برسنے لگے۔ ہر طرف سے ان کے اعزاز میں دعوتوں کی برسات کی بارش ہونے لگی۔ شجو رانی کی پیٹھ کچھ اتنی زیادہ تھپکی گئی کہ اس کے ٹوٹ جانے کا خطرہ لاحق ہو گیا۔ شجو رانی کو ایسے میں اپنے پیارے

سے سجاد بھیا بے انتہا یاد آئے۔ انہوں نے ہا نے کس آس کا سہارا لے کر انہیں
پھر ایک خط لکھا۔ مگر اس کے جواب میں وہی خاموشی تھی۔

سجاد بھائی کی اس جان لیوا خاموشی نے ویسے ہی قیامت ڈھا رکھی تھی گھر
ماحول بجھا بجھا اور افسردہ سا ہو کر رہ گیا تھا۔ ایسے ہی قیامت خیز لمحوں میں ایک
دوپہر جب ہوائیں ساکت تھیں، درخت سر جھکائے کھڑے تھے۔ اور دھوپ تیز
اور چمکیلی تھی۔ دادا جان کی سنبھلتی ہوئی طبیعت ایکدم بگڑ گئی۔ ڈاکٹر صبح ہی انہیں د
کر گیا تھا۔ اس نے نہ تو ان کی حالت تشویشناک بتائی تھی۔ اور نہ ہی اس کے چہرے
پر ان کی نبض تھامتے وقت غیر مطمئن سی کیفیت تھی۔ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا
کہ یہ جھلملاتی ہوئی شمع دوپہر ڈھلنے تک آخری بار بھڑک کر ہمیشہ کے لیے بجھ جا
گی۔ مگر اس شمع کو اب بجھ ہی جانا تھا۔ وہ تو اس نے بجھنے سے پہلے آخری سنبھا
لیا تھا۔ دادا جان کی طبیعت جس وقت بگڑی تو ننجو اور شگفتہ ان کے کمرے میں ہ
موجود تھیں۔ دادا جان کے چہرے پر درد و کرب کے آثار نمایاں ہوئے تو دونوں
پریشان ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور دوسرے ہی لمحے ننجو رانی ابا میاں
کمرے کی طرف دوڑیں۔ ابا میاں جلدی جلدی ڈاکٹر کو فون کر کے ان کے کمرے میں آ
ذرا سی دیر میں سب کو خبر ہو گئی۔ پورا گھر ان کے کمرے میں جمع ہو گیا۔ شکیل بھیا گاڑی
نکال کر خود ڈاکٹر کو لینے چل دیئے۔ مگر ڈاکٹر کے پہنچنے سے چند منٹ قبل ہی مریض
زندگی کی کہانی ختم ہو گئی۔ افسانہ اپنے انجام کو پہنچ گیا۔ فتو اور رمضانی پر گرجنے برسنے
والے دادا جان نے چپ چاپ آنکھیں بند کر لیں۔ دادی اماں کو سب سے بڑ
ڈاکٹرنی'' کا خطاب دینے والے دادا جان نے کسی سے کچھ کہے بغیر کسی کی کوئی

بغیر آنکھیں موند لیں۔ سلمان بھائی کو 'انگریز کی اولاد' کا خطاب دینے والے دادا
ایک دم خاموش ہو گئے۔ بڑے بھیا سمیت گھر کے سب بچوں کو انگریزی اخبار رسالے
کتابیں پڑھنے کی نصیحتیں کرنے والے دادا جان مزید کوئی نصیحت کیے بغیر
گئے۔ ابدی نیند، گہری بہت گہری نیند۔

یہ تھا انجام گہوارے سے لحد تک کی زندگی کا۔

یہ تھا اس کہانی کا اختتام۔

اور جب بے شمار ہفتے فکر، پریشانی اور رنج و غم کی نذر ہو گئے تو سجاد بھا
کا ایک مختصر سا خط اماں بیگم کے نام آیا۔ سجاد بھائی کی تحریر پر نظر پڑتے ہی اماں بیگم
کا چہرہ مسرت سے جگمگا اٹھا۔ انہوں نے جلدی سے عینک لگا کر خط پڑھنا شروع کر دیا
خط کے اختتام پر پہنچنے تک اماں بیگم کا چہرہ بے شمار رنگ بدل چکا تھا۔ قریب بیٹھی ہو
دادی اماں اور شجو بڑی حیرت سے ان بدلتے ہوئے رنگوں کا جائزہ لے رہی تھیں۔

کیا لکھا ہے سجاد نے؟ خیریت سے تو ہے؟ اتنے دنوں سے کوئی خط کیوں نہ
لکھا؟ وجہ تو لکھی ہو گی!

دادی اماں نے ایک ہی سانس میں اتنے سارے سوال پوچھ ڈالے۔

اماں بیگم نے بڑی عجیب نگاہوں سے دادی اماں کی طرف دیکھا اور کوئی جواب

یئے بغیر خط شجو رانی کی طرف بڑھا دیا۔ شجو نے دادی اماں کو خط پڑھ کر سنانا
روع کیا۔

سجاد بھائی نے خط کیا لکھا تھا؟ ایک "معذرت نامہ" لکھا تھا۔ ایک کہانی دہرائی
ا وہی پرانی کہانی — جو برسوں سے پردیس جانے والے نوجوان دہراتے چلے
ہے تھے۔ ایک قصہ تحریر کیا تھا۔ وہی پرانا قصہ — جو حسین و رنگین اور شوخ و
ل تتلیوں کی دلفریب اداؤں کے جال میں پھنس جانے والے نوجوان دور دیس میں
ھے انتظار کی طویل، صبر آزما کٹھن گھڑیوں کو گن گن کر گزارنے والے ماں باپ کو لکھ
ھیجا کرتے ہیں۔

شجو رانی اٹک اٹک کر دادی اماں کو خط سناتی رہیں اور دادی اماں کی حالت یہ
ا کہ منہ کھولے، آنکھیں پھاڑے بالکل کارٹون بنی بیٹھی تھیں۔ عینک پھسل کر ناک
پھننگ پر گئی تھی۔ جس کا انہیں مطلق ہوش نہیں تھا۔ ان کی آنکھوں میں یقین اور بے یقینی
ی کیفیت تھی اور شجو رانی کو ایسا محسوس ہو رہا تھا۔ جیسے وہ سجاد بھائی کا خط نہیں
کوئی کہانی پڑھ رہی ہوں۔ کوئی افسانہ پڑھ رہی ہوں — جھوٹی کہانی بے حقیقت افسانہ
ہ یوں سوچنے سمجھنے اور محسوس کرنے سے وقت اور زمانے کی حقیقتیں نہیں بدلا کرتیں۔
رانی کا دل اس بات کو ماننے پر آمادہ نہیں تھا کہ سجاد بھائی ایسی حرکت کے مرتکب
سکتے ہیں۔

پھر ایسا ہوا کہ ایک کے بعد ایک، گھر کے ہر فرد کو خبر ہو گئی کہ سجاد بھائی نے
دی کر لی ہے۔ دل کے نہ چاہنے کے باوجود، دماغ کے آمادہ نہ ہونے کے باوجود
کے الفاظ پر یقین کرنا پڑا۔ سب اپنے اپنے چہروں پہ فکر و تردد اور رنج و غم کے

جذبات لئے سوچتے رہ گئے۔ ابا میاں نے اپنے آپ کو ایک دم بہت کمزور محسوس کیا۔ دادی اماں کو یوں لگا۔ جیسے ان کی زندگی کی آخری گھڑیوں میں سے ان گنت لمحے ایک دم کم ہو گئے ہوں اور شجو کو اپنے سینے پر بھاری بوجھ کا احساس ہوا۔

بنفشہ کو یہ تو ضرور بتا دیا گیا کہ سجاد بھائی کا خط آیا ہے۔ لیکن ان کی شادی کی خبر کو اس سے پوشیدہ رکھا گیا۔ ہر شخص بنفشہ کے سامنے اپنے آپ کو مجرم محسوس کرنے لگا۔ شجو نے اس سے نگاہیں ملا کر بات کرنا چھوڑ دیا۔ لیکن یوں چھپانے سے یہ بات چھپ نہ سکی۔ بنفشہ بھی آنکھیں رکھتی تھی۔ اس نے محسوس کر لیا تھا کہ جس دن سے سجاد بھائی کا خط آیا ہے۔ گھر کا ماحول اجڑا اجڑا سا اور فضا ویران ویران سی ہے۔ اس اجڑے پن اور اس ویرانی کا سبب کچھ تو ہوگا۔ سب کے چہروں کا مرجھایا پن بے وجہ تو نہیں ہو سکتا۔ ان سب پر مستزاد اماں بیگم کی طبیعت۔ جو اُسی دن سے اچانک بگڑ گئی تھی۔ بلڈ پریشر کی شکایت انہیں کئی سالوں سے تھی۔ اکثر ان کی طبیعت خراب ہو جایا کرتی تھی۔ مگر اس سے پہلے کبھی ان کی طبیعت اتنی زیادہ خراب نہیں ہوئی تھی۔

بنفشہ نے نہ کسی سے کچھ پوچھا نہ اپنی زبان سے کسی بات کا اظہار کیا۔ چپ چاپ خاموش اور گم صم سی سب کچھ دیکھتی رہی اور سب کی نظروں سے چھُپ کر ویران کونوں اور خاموش تنہائیوں میں آنسو بہاتی رہی۔ بنفشہ کی ہستی سب کے لئے قابلِ رحم ہو کر رہ گئی تھی۔ ہر شخص اس کی طرف محبت، ہمدردی اور رنج و غم کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ دیکھتا اور ایک دبی ہوئی سانس لے کر رہ جاتا۔ سجاد بھائی کی اس نامعقول حرکت نے اماں بیگم کو دُھرا صدمہ پہنچایا تھا۔ اگر بنفشہ کی منگنی سجاد بھائی سے نہ ہوئی ہوتی۔ تو شاید اماں بیگم کے دل و دماغ پر سجاد بھائی کی شادی کا اتنا زیادہ اثر نہ ہوتا۔

عزیب کے جی کو سلمان بھائی پہلے ہی ایک روگ لگا چکے تھے۔ اور اب سجاد بھائی ل کے دل کو دوسرا روگ لگانے کے سامان پیدا کر دیئے تھے۔

بنفشہ اصل بات کی تہہ تک نہیں پہنچ سکی تھی لیکن اسے یہ اندازہ ضرور ہو گیا کوئی ایسی ہی بات ہے جس کا تعلق سجاد بھائی کی ذات سے ہے۔ کرید کی عادت یہ بالکل نہیں تھی۔ اور پھر یہاں پر معاملہ بھی سجاد بھائی کا تھا۔ جو اس کے منگیتر تھے۔ نت وہ اپنے آپ میں کیسے پیدا کرتی کہ اُن کے بارے میں کسی سے کچھ پوچھ اتنی جرأت وہ کہاں سے لاتی۔ کہ سجاد بھائی کا ذکر وہ اپنی زبان سے کرتی مگر روز ایسا ہوا کہ رات کے کھانے کے بعد گھر کے سب "بڑے" ابا میاں کے یں جمع تھے۔ شجو رانی اس رات بغیر کھانا کھائے منہ سر لپیٹے پڑی تھیں۔ بہانہ درد کا بنایا تھا۔ لیکن اصل بات یہ تھی کہ اس روز صبح ہی سے انہیں سجاد بھائی بڑی ے یاد آ رہے تھے۔ اور اس سے کہیں زیادہ شدت سے انہیں سجاد بھائی پر آ رہا تھا۔ بنفشہ کھانا کھانے کے بعد اکیلی ہی لان میں ٹہل رہی تھی۔ کچھ دیر بعد جب نے کمرے کی طرف جانے لگی۔ تو ابا میاں کے کمرے کے قریب سے گزرتے ہوئے با" کے منہ سے اپنا اور سجاد بھائی کا نام سُن کر ٹھٹھک گئی۔ باوجود کوشش ہ باہر رک کر پوری بات سننے سے اپنے آپ کو باز نہ رکھ سکی۔

سننے کو بنفشہ نے ان لوگوں کی باتیں سن لیں لیکن پھر اس کے لئے اپنے ہ تک پہنچنا دشوار ہو گیا۔ جب سے چھُٹ باجی کی شادی ہوئی تھی۔ بنفشہ کو ان ل گیا تھا۔ لیکن لمسے اور شجو کو ایک ساتھ رہنے کی ایسی عادت پڑ گئی تھی کہ لا اب بھی زیادہ تر وقت ایک ہی کمرے میں گزارتی تھیں۔ مگر اس وقت بنفشہ

بجائے شجو کے کمرے میں جانے کے اپنے کمرے میں چلی آئی۔ اور نیم جاں انداز
بستر پر گر گئی۔ یہ کیسی ساعتیں تھیں؟ یہ کیسے لمحے تھے؟ اس نے کچھ سوچنا چاہا تو
نے ساتھ نہ دیا۔ رونا چاہا تو آنکھوں نے ساتھ نہ دیا۔ اس کے احساسات برف کی
سرد اور منجمد سے ہو گئے تھے۔ بے شمار لمحے گزر گئے۔ اور وہ چپ چاپ لیٹی دل
کے دھڑکنے کی صدا سنتی رہی۔ کمرے کے باہر قدموں کی آہٹ سنائی دی تو وہ اٹھ
بیٹھ گئی۔ کمرے کا پردہ ہوا سے اڑا تو اس نے دیکھا رمضانی ادھر سے گزر رہا ہے
وہ تو ڈر گئی تھی۔ کہیں شجو نہ ہو۔ اگر ان لمحوں میں وہ یہاں آ گئی۔ تو اس کی نگاہیں میرے
چہرے پر پڑتے ہی دل پہ لکھی ہوئی تحریر کا ایک ایک لفظ پڑھ لیں گی۔ وہ اٹھی
دروازے کے قریب آئی۔ اور کچھ سوچ کر کمرے کا دروازہ بند کر دیا۔ چند سیکنڈ تک
کرسی کی پشت کا سہارا لئے کھڑی رہی۔ بہت اداس، بیحد افسردہ سی پھر اس نے
قدم دریچے تک آ کر رک گئے۔

اور پھر۔ سوچوں کے در آہستہ سے نیم وا ہو گئے۔ نیم وا در کے اس پار اس
اُمید کی جھلملاتی ہوئی کرنیں اسے اندھیروں میں گم ہوتی ہوئی نظر آئیں۔ اسے اپنے
اردگرد بھڑکتے ہوئے شعلوں، تپتی ہوئی تیز و تند آندھیوں اور چنگھاڑتے ہوئے
مہیب طوفانوں کا احساس ہوا۔ اسے ایسا لگا جیسے آسمان کی بلندیوں کو چھوتے ہوئے
شعلوں کی سُرخ سُرخ زبانیں اس کے وجود کو چاٹ چاٹ کر ختم کر دیں گی۔ جیسے
ان تیز و تند آندھیوں میں اس کا وجود تنکے کی مانند اُڑ جائے گا۔ اور ان مہیب
طوفانوں میں اس کی ہستی کا مٹتا مٹتا ہوا دیا آخری بار بھڑک کر ہمیشہ کے لیئے بجھ جائے
اس نے بیتے ہوئے لمحوں کی کہانی کو دھراتے ہوئے سوچا۔

ایک زخم کے بعد دوسرا زخم۔
ایک طوفان کے بعد دوسرا طوفان۔

یہ ہے تقدیر کی کہانی — میری تقدیر کی کہانی۔ یہ کہانی ابھی ادھوری سہی لیکن
اب تک اس کہانی کے جتنے باب میں نے پڑھے ہیں اس میں سوائے رنج و غم
اور شکست و ناکامی کے کچھ نہیں بیتے ہوئے سارے لمحے طوفانوں کی نذر ہو گئے
اور آنے والا وقت بھی حزن و یاس کے سوا اور کچھ نہ دے سکے گا۔

قصوروار کسے سمجھوں؟ سلیمان بھائی کو؟ یا سجاد بھائی کو؟۔

سچ تو یہ ہے کہ قصوروار ان دونوں میں سے کوئی بھی نہیں ہے۔ میری قسمت
ہے یہ دن دکھا رہی ہے انسان کی قسمت اس کی جھولی میں کچھ نہ کچھ تو ڈالا ہی کرتی
ہے چاہے خوشی ہو یا غم۔ زندگی کی یہ ادھوری کہانی مکمل ہونے تک جانے کتنے طوفان
آئیں گے؟ جانے کتنے حادثات میری راہ روک کر کھڑے ہوں گے؟ جانے کتنے آبلے
میرے پاؤں میں پڑیں گے؟ اور جانے کتنے زخم مجھے چلنے سے، آگے قدم بڑھانے
سے معذور کریں گے؟ میرا وجود تو ان لوگوں کے لئے ایک بوجھ بن کر رہ گیا ہے
بوجھ کو ساری زندگی اپنے کاندھوں پر لاد کر کون چلتا ہے۔

دروازے پر دستک ہوئی تو بنفشہ چونک پڑی۔ اس نے پلٹ کر دروازے
کی طرف دیکھا لیکن اپنی جگہ پر کھڑی رہی۔ اس کے پاؤں جیسے زمین پر جم کر رہ
گئے۔ دستک دوبارہ ہوئی۔ تو وہ بمشکل تمام دروازے تک آئی۔ دروازہ کھولتے
ہی اسے شجو کی حیرت زدہ نگاہوں کا سامنا کرنا پڑا۔ بنفشہ واپس پلٹ کر اپنے بستر
پر آ گئی اور تکیہ ایک طرف سرکا کر بڑے بے جان انداز سے بیٹھ گئی۔ شجو بہت آہستہ

قدموں سے اس کے قریب آئی۔ چند سیکنڈ تک بنفشہ کے چہرے پر نگاہیں جمائے چپ چاپ کھڑی رہی۔ پھر بہت آہستگی سے بولی:۔

کیا بات ہے بنفشہ باجی؟

کچھ نہیں۔

بنفشہ نے کہا لیکن اس کی جھکی نگاہیں اوپر نہ اٹھ سکیں۔

آج آپ اس کمرے میں سوئیں گی؟

شنجو نے پوچھا۔

معلوم نہیں۔

بنفشہ نے شنجو کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"کیا مطلب؟" شنجو نے چونک کر پوچھا۔

"فی الحال تو نیند نہیں آ رہی۔" بنفشہ نے کہا۔

"کیوں؟" شنجو نے پوچھا۔

بنفشہ نے اس کے سوال کا کوئی جواب نہیں دیا۔

شنجو کا دل کسی خدشے سے دھڑک اٹھا۔ وہ بنفشہ کے قریب بیٹھ گئی۔ اور بڑی نرمی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔

اتنی چُپ چُپ کیوں بیٹھی ہیں؟

بنفشہ نے اتنی افسردہ نگاہوں سے شنجو کی طرف دیکھا کہ اس کا ہاتھ بنفشہ کے شانے پر کانپ کر رہ گیا۔ اس نے سوچا — کہیں ایسا تو نہیں کہ بنفشہ باجی کو بھی سجاد بھائی کی شادی کا علم ہو گیا ہو۔ اگر سچ مچ ایسا ہوا ہے تو یہ بہت بُرا ہوا

آخر یہ بات چھپنے والی تو نہیں تھی۔ کبھی نہ کبھی تو بنفشہ باجی کو علم ہو ہی جاتا۔

کئی لمحے گزر گئے — خاموش، چپ چاپ دونوں اپنی اپنی سوچوں میں گم بیٹھی رہیں۔ کمرے کا ماحول بالکل منجمد سا ہو کر رہ گیا تھا۔ پھر اس منجمد سی خاموشی کو بنفشہ نے ہلایا اور اپنے شانے پر رکھا ہوا شنجو کا ہاتھ تھام کر بولی۔

"شنجو! بات اگرچہ بہت تکلیف دہ ہے لیکن اس کے باوجود تم نے مجھ سے چھپایا میرے ساتھ بہت زیادتی کی ہے۔"

"تو — اس کا مطلب ہے کہ بنفشہ باجی کو سچ مچ معلوم ہو گیا!"

شنجو کا شبہ یقین میں بدل گیا۔ لیکن اس نے بنفشہ سے کچھ نہیں کہا۔ سر جھکائے خاموش بیٹھی رہی۔

"میں تو پہلے بھی اپنے مستقبل کے بارے میں کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں تھی۔" بنفشہ نے کہا۔

"بنفشہ باجی! —" شنجو کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"تم کچھ کہہ رہی تھیں؟" بنفشہ نے کہا۔

"کیا کہوں، بنفشہ باجی؟ اتنا بے زبان تو میں نے اپنے آپ کو کبھی بھی نہیں محسوس کیا تھا۔" شنجو نے کہا۔

بنفشہ پلکیں جھکائے بغیر اس کی طرف دیکھتی رہی۔

"ایک زخم آپ نے پہلے بھی کھایا تھا۔ جب میں آپ کو تسلیاں دینے اور آپ کو سمجھانے کی پوزیشن میں تھی۔ لیکن اب تو بات بالکل مختلف ہے۔ باوجود کوشش کے مجھے الفاظ نہیں ملتے، میری سمجھ میں نہیں آتا میں آپ کو کس طرح سمجھاؤں؟

کیسے تسلی دوں؟" شجو نے کہا۔

"شجو! بات صرف میرے ہی دکھ کی تو نہیں۔ یہ تو ہمارا مشترکہ دکھ ہے۔" بنفشہ نے کہا۔

"آپ سچ کہتی ہیں۔" شجو نے تاسف سے کہا۔

"میں یہ سوچ کر پریشان ہوں کہ میری ذات کب تک تم لوگوں کے لئے ایک تکلیف دہ اور پریشان کن بوجھ بنی رہے گی؟" بنفشہ نے کہا۔

"آپ ایسی باتیں کیوں سوچتی ہیں؟" شجو نے شکایت آمیز نگاہوں سے بنفشہ کی طرف دیکھا۔

بنفشہ خاموش رہی۔ کئی سیکنڈ خاموشی سے گذر گئے۔ دونوں میں سے کسی نے کچھ نہیں کہا۔ اب کچھ کہنے سننے کے لئے رہ بھی کیا گیا تھا۔ اب تو صرف سوچیں رہ گئی تھیں ۔۔ بکھری ہوئی سوچیں اور خیالات رہ گئے تھے ۔۔ الجھے ہوئے خیالات ۔۔ پریشان خیالات۔

پھر بنفشہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"چلو، سوتے ہیں، کافی رات گزر چکی ہے۔" اس نے کہا۔

"چلئے۔" شجو نے کہا اور دونوں تھکے تھکے قدموں سے شجو کے کمرے کی طرف چل دیں۔

اور اگلے روز شجو نے اماں بیگم کو بتا دیا کہ بنفشہ باجی کو بھی صورت حال کا علم ہو گیا ہے۔ اماں بیگم نے شجو کی طرف اس انداز سے دیکھا۔ جیسے انہیں شبہ ہو کہ شجو نے ہی بنفشہ کو صورتِ حال سے آگاہ کیا ہے۔ شجو نے ان کی آنکھوں میں شک

ں پر چھائیاں دیکھ کر اپنی پوزیشن فوراً صاف کر دی لیکن جانے کیوں؟ ا دل ایک دم بھر آیا۔ وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی اور دیر تک تکیوں میں پائے لیٹی رہی۔

دوپہر کے کھانے کے وقت سب نے محسوس کیا کہ بنفشہ کا چہرہ غیر معمولی طور داس تھا۔ باوجود کوشش کے وہ چند لقموں سے زیادہ نہ کھا سکی۔ سب اُسے کتے رہ گئے۔ لیکن وہ بھوک نہ ہونے کا بہانہ کر کے باہر برآمدے میں نکل گئی۔ ے کی ریلنگ پر جھکتے ہوئے وہ بڑی اداس سی سوچوں میں کھو گئی۔ پھر اسے ا آیا۔ کہ آج وہ صبح سے اماں بیگم کی مزاج پرسی کے لئے نہیں گئی۔ جب سے ان یعت خراب ہوئی تھی۔ ڈاکٹر نے انہیں مکمل آرام کا مشورہ دیا تھا۔ ان کا کھانا اور بھی ان کے کمرے میں ہی پہنچایا جاتا تھا۔ بنفشہ نے ایک افسردہ سی نگاہ دادا کے کمرے کی طرف ڈالی۔ اور اماں بیگم کے کمرے کی طرف چل دی۔ وہ کھانا کھا کر ں کے سہارے اپنے بستر پہ بیٹھی تھیں۔ بنفشہ پر نگاہ پڑتے ہی ان کی آنکھوں یانی بھر آیا۔ لیکن فوراً ہی انہوں نے آنکھیں صاف کرنے کے بہانے اپنے آنچل آنکھیں خشک کر لیں۔ بنفشہ ان کے قریب جا کر کھڑی ہوئی تو انہوں نے بڑی ت سے اس کا ہاتھ تھام کر اپنے پاس بٹھا لیا۔

اماں بیگم کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے بنفشہ نے سوچا۔

کتنی کمزور ہو گئی ہیں اماں بیگم! اسے پہلی بار ان کے چہرے پر بڑھاپے کے ار نظر آئے۔

اولاد کا دکھ بھی کیسا دکھ ہے؟ کس قدر تکلیف دہ اور کتنا جان لیوا، صرف

چند لمحوں میں ماں باپ کو بڑھاپے کی دہلیز پر لاکر کھڑا کر دیتا ہے۔ بس اس دکھ کو محسوس کرنے کی دیر ہوتی ہے۔ اور اس دکھ کے احساس کا وہ پہلا لمحہ کس قدر بھاری ہوتا ہے۔ اسے تو صرف وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں۔ جو درد کے اس جلتے صحرا میں قدم رکھ چکے ہوں۔

بنفشہ نے اماں بیگم کے چہرے سے نگاہیں ہٹا کر انتہائی افسردگی سے یہ سب کچھ سوچا اور مدھم آواز میں بولی۔

"اماں بیگم! آپ زیادہ سوچا نہ کریں، اپنی صحت کا خیال رکھئے، ابھی تو ہم سب کو قدم قدم پر آپ کی ضرورت ہے۔ خدا نہ کرے جو آپ کو کچھ ہو"

بنفشہ کے منہ سے ایسی محبت بھری باتیں سُن کر اماں بیگم کے ہاتھوں سے صبر و ضبط کا دامن چھوٹ گیا۔ انہوں نے دونوں بانہیں پھیلا کر بنفشہ کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ اور والہانہ انداز سے اس کے سر پہ پیار کرتے ہوئے رو پڑیں۔

بنفشہ نے ان کے آنسوؤں کو اپنے بالوں پر گرتے اور جذب ہوتے ہوئے محسوس کیا۔ لیکن جانے اس وقت اس میں اتنا حوصلہ اور اتنا صبر کہاں سے آگیا تھا کہ اس کی پلکیں تک نہ بھیگیں، ورنہ اس کی آنکھیں تو چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھلملا اٹھتی تھیں۔ "ایک معصوم لڑکی کا صبر سمیٹ کر تو کبھی خوش نہیں رہ سکے گا سجاد!"

اماں بیگم نے دکھے ہوئے دل سے کہا۔

بنفشہ کا دل کانپ کر رہ گیا۔ وہ تڑپ کر اماں بیگم کے سینے سے الگ ہوگئی۔ اور التجا بھرے لہجہ میں بولی۔

"ایسے نہ کہئے اماں بیگم"

"تمہیں اندازہ نہیں بنفشہ بیٹی! سجاد کی اس حرکت نے میرے دل کو کتنی ٹھیس پہنچائی ہے"؟ اماں بیگم نے کہا۔

"اس میں ان کا کوئی قصور نہیں اماں بیگم! میری قسمت ہی ایسی ہے" بنفشہ نے نظریں جھکا کر کہا۔

"اگر اس نے تمہارے ساتھ منگنی نہ کی ہوتی تو مجھے اس کے شادی کرنے سے اتنا زیادہ دکھ نہ ہوتا" اماں بیگم نے کہا۔

"آپ میری وجہ سے پریشان ہو کر اپنی صحت خراب نہ کریں اماں بیگم" بنفشہ نے کہا۔

اماں بیگم نے کچھ نہیں کہا۔ خاموش بیٹھی دوپٹے کے آنچل سے آنسو پونچھنے لگیں۔ "میں تو خود اپنے آپ کو سب کے سامنے مجرم سا محسوس کرتی ہوں"

بنفشہ نے کہا۔

"تم ایسی باتیں کر کے میرے دل کو تکلیف نہ پہنچاؤ بنفشہ! تمہیں کیا معلوم تم جیسی نیک اور سعادت مند لڑکی کو اپنی بہو کے روپ میں دیکھ کر میں کتنا محسوس کرتی"۔ اماں بیگم کی آنکھیں ایک بار پھر چھلک پڑیں۔

بنفشہ سر جھکائے فرش پر نظریں جمائے بیٹھی رہی۔

"تمہاری قدر نہ کر کے سجاد کو زندگی میں کبھی نہ کبھی ضرور پچھتانا پڑے گا" اماں بیگم نے تاسف سے کہا۔

بنفشہ پھر بھی اسی طرح بیٹھی رہی۔

وہ اس قابل تھا ہی نہیں کہ تم جیسی خوبصورت اور خوب سیرت لڑکی

اس کی بیوی بنتی" اماں بیگم نے کہا۔

بنفشہ نے ایک لمحے کے لئے ان کی طرف دیکھا اور جانے کیا سوچنے لگی۔

"تم میں کسی بات کی کمی نہیں، انشاء اللہ تمہیں اس سے ہزار درجہ اچھا شریک زندگی ملے گا۔ تم غم نہ کرو خدا تمہاری قسمت اچھی کرے گا۔"

اماں بیگم نے صدقِ دل سے کہا۔

اور — اس لمحہ — بنفشہ جواب تک جانے کس طرح ضبط کئے بیٹھی تھی۔ ہر بندھن سے آزاد ہوگئی۔ اس نے بڑی حسرتناک نگاہوں سے اماں بیگم کی طرف دیکھا۔ اور بڑی آہستگی سے بولی۔

"اماں بیگم! یہ دعائیں میرے لئے نہیں، جانے کیوں مجھے لگتا ہے کہ یہ دعائیں میرا مقدر نہیں بدل سکیں گی۔"

پھر آنسو اس کی آنکھوں میں برسات کی گھٹاؤں کی طرح اُمنڈ کر آئے۔ اس نے اماں بیگم کے شانے پر بڑی آہستگی سے سر رکھا۔ اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

بنفشہ کی زندگی میں دکھوں کی کمی پہلے بھی نہیں تھی۔ لیکن اب — سجاد بھائی کے ہاتھوں سے اپنا دامن چھڑا کر اس کے دل کو ایک اور روگ لگا گئے تھے۔ زندگی نے آگے بڑھتے ہوئے اسے ایک اور ٹھوکر لگائی تھی — دوسری ٹھوکر۔ پہلی ٹھوکر سلیمان بھائی کے جھوٹے وعدوں نے لگائی تھی۔ جب منزل کی جستجو میں قدم آگے بڑھتے ہیں۔ تو ٹھوکریں لگا ہی کرتی ہیں۔ لیکن ہر ٹھوکر کی تکلیف یکساں نہیں ہوتی۔ کبھی درد کا احساس بہت معمولی سا ہوتا ہے اور کبھی بہت شدید۔ کبھی کبھی یہ ٹھوکریں اپنی لذت سے بھی آشنا کرتی ہیں۔ اور زخموں کو اگر مرہم نہ ملے تو وہ ناسور بن جاتے ہیں۔ رستے ہوئے ناسور۔

بنفشہ نے جب پہلی بار ٹھوکر کھائی تو اسے دکھ ضرور ہوا۔ لیکن جانے کیوں

وہ دکھ شدت نہ اختیار کر سکا۔ لیکن یہ دوسری ٹھوکر اس کی روح تک کو زخمی
کر گئی۔ اگرچہ یہ سچ تھا۔ کہ سجاد بھائی کی اور اس کی طویل ملاقاتیں نہیں ہوئی تھیں
انہوں نے ایک دوسرے کا ساتھ زندگی بھر نبھانے کے لئے نہ تو سرما کی خنک او
حسین چاندنی راتوں کا سہارا لیا تھا نہ درختوں کی گھنی اور ٹھنڈی چھاؤں میں محبت
کے لمحات بتائے تھے اور نہ چاند تاروں کو اپنی محبت کا گواہ بنایا تھا۔ بس اچا
مختصر سی ملاقاتیں تھیں اور کچھ باتیں تھیں — سیدھی سادھی باتیں سجاد بھائی اُس
سے اپنے دل کے نہاں خانے میں جھلملاتی ہوئی شمع کی مدھم مدھم روشنی میں اجاگ
اور بہت اچانک بے نقاب ہوئے اور بنفشہ نے اپنے اردگرد پھیلے ہوئے دھ
کو سمٹتے دیکھا — بڑی خاموشی سے اور بڑی تیزی سے بنفشہ کی زندگی میں وہ لمحا
کسی حادثے سے کم نہیں تھے۔ وہ گھبرائی۔ پریشان ہوئی، حیران ہوئی، مگر گھبرا
پریشان ہونے اور حیران ہونے سے اُن لمحوں کی حقیقت نہ بدل سکی۔ وہ اس حادث
کو اپنی زندگی میں آنے سے نہ روک سکی۔

وہ لمحات مختصر تھے — بہت مختصر۔

وہ ملاقاتیں بھی مختصر تھیں۔

اور وہ باتیں بھی مختصر تھیں۔

لیکن اس کے باوجود اُن سب کی اہمیت اپنی جگہ پر تھی۔

کبھی کبھی ایسا ہوا ہی کرتا ہے۔ کہ ایک مختصر سا لمحہ، ایک چھوٹی سی ملاقات او
چند باتیں فقط چند باتیں، دل و دماغ پر ایک نقش چھوڑ جاتی ہیں — بہت گہرا نقش
اور دیرپا نقش۔ بنفشہ کی زندگی میں بھی وہ لمحات آئے اور گزر گئے۔ وقت گزر گیا

ں یادیں باقی رہ گئیں، وہ باتیں اور وہ ملاقاتیں خواب ہو گئیں۔ لیکن نقوش باقی
گئے۔ اُلجھے ہوئے خیالات باقی رہ گئے۔ اور بکھری ہوئی سوچیں باقی رہ گئیں۔

شب و روز بڑی خاموشی اور بڑی بے کیفی سے گزرنے لگے۔ بڑے بھیا ان دنوں
ی کسی کام کے سلسلے میں لاہور گئے ہوئے تھے۔ بنفشہ نے انہیں بڑی شدت
یاد کیا۔ وہ — جو اس کے سب سے بڑے غم خوار اور غمگسار تھے، جن کی پیار
تسلیاں ہر موقع پر اس کے زخموں کے لئے مرہم کا کام انجام دیتی تھیں، اس سے
دور تھے۔ اس کے دل کی گہرائیوں سے یہ صدا اُبھری —

شیب بھائی! آپ کہاں ہیں؟ اب — جبکہ پچھلے تمام لمحوں کے مقابلے میں
آپ کی ضرورت زیادہ شدت سے محسوس ہو رہی ہے۔ تو آپ مجھ سے دور ہیں

دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی اس صدا کی بازگشت بنفشہ کو دیر تک سنائی دیتی
۔ اس نے سر جھٹک کر اپنے آپ کو نارمل رکھنے کی کوشش کی۔ لیکن اس کا دل، دماغ
ذہن سب اس کے اختیار سے باہر ہو چکے تھے۔ وہ کس کس کو سمجھاتی؟ دل کو
نے کی کوشش کرتی تو وہ سسک اٹھتا۔ اور ذہن کو سمجھاتی تو وہ باغی
تا۔ اس نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ کہ اس کی زندگی میں کبھی ایسے لمحات بھی
گے، جب وہ اپنے آپ کو اس قدر مجبور اور اتنا بے بس محسوس کرے گی۔

دوسری منزل پہ بڑی اماں کے کمرے کے سامنے والی بالکونی میں دھیرے
ے ٹہلتے ہوئے اس نے بڑی اداسی سے پچھلے لمحوں کے بارے میں
۔ اُن لمحوں کے بارے میں — جو اسے کچھ سوغاتیں دیکر اور اس سے بہت
کر چلے گئے تھے۔ سکون اور چین کی دولت کے بدلے اسے رنج و غم کی

سوغاتیں لی تھیں۔ دھندلکوں کی دبیز تہوں کے پیچھے چھپ جانے والے لمحات اگرچہ اسے تہی دامن نہیں کر گئے تھے۔ لیکن یادوں کی مرجھائی ہوئی کلیوں کے سوا کچھ اور دیکر بھی نہیں گئے تھے۔ یادوں کی ان کلیوں کو چنتے ہوئے بنفشہ کی پلکوں پہ ستارے چمک اٹھے۔ اس نے بالکونی کی ریلنگ پر دونوں کہنیاں ٹکا جھکتے ہوئے سوچا — گزرے لمحے، بیتی باتیں اور ادھورے خواب ہمیں سوائے دکھ کے اور کچھ نہیں دیتے، پیچھے سرک جانے والے لمحے کبھی لوٹ کر نہیں آتے۔ بیتی باتیں خواب ہو کر رہ جاتی ہیں۔ اور ادھورے خواب نہ کبھی پورے ہوتے ہیں نہ ان کی تعبیریں ملا کرتی ہیں۔ پھر بھی اُن لمحوں، اُن باتوں اور اُن خوابوں کا تصور، اُن کا خیال ہمارے دل و دماغ سے جدا نہیں ہوتا، آخر ہم لوگ سایوں کا تعاقب کیوں کرتے ہیں؟

بنفشہ کا پریشان ذہن بھٹک گیا۔ کوشش کے باوجود وہ اپنی آنکھوں کو ماضی کے بھروکوں میں جھانکنے سے باز نہ رکھ سکی بے شمار ساعتیں دبے پاؤں گزر گئیں۔ اور جب وہ چونکی تو رات کی باہنیں کچھ اور پھیل گئی تھیں نیچے سب چمکدار سڑک پر سواریوں کی آمد و رفت کم ہو گئی تھی۔ گاڑیوں اور سکوٹروں کا شور جیسے تھم سا گیا تھا۔ درختوں سے گھری ہوئی خاموش سڑک پر ایک تانگہ چھ سواریاں بٹھائے بڑی سست رفتاری سے جا رہا تھا۔ گھوڑے کے ٹاپوں اور تانگے والے کی تخ تخ کی آواز خاموشی کو جھنجھوڑتی ہوئی سنائی دے رہی تھی۔ کے ایم سی کے ہسپتال کی سفید عمارت سر اٹھائے آسمان کی بلندیوں کو تک رہی تھی۔ ہسپتال کا چوکیدار تھک کر برآمدے میں بچھی ہوئی بنچ پر بیٹھا

تھا اور اپنے سینے کو دونوں ہاتھوں سے تھامے ہوئے زور زور سے کھانس رہا تھا۔ ہسپتال کے احاطے میں لگے ہوئے درختوں کے سائے سفید دیوار پر آہستہ آہستہ سرسرا رہے تھے۔ گھنے درختوں میں چھپی ہوئی گورنمنٹ اسکول کی وسیع عمارت لمحہ بہ لمحہ تاریکیوں میں ڈوبتی جا رہی تھی۔ اور سڑک کے دونوں جانب جلتے ہوئے بلبوں کی زرد روشنیاں بڑی خاموشی سے اندھیرے کا تعاقب کر رہی تھیں۔ زینے میں کسی کے قدموں کی آواز بلند ہوئی۔ بنفشہ نے سر گھما کر دیکھا۔ بڑی اماں اپنے بھاری بھرکم وجود کو سنبھالے آہستہ آہستہ اُوپر چڑھ رہی تھیں۔

بنفشہ نے سوچا — شاید گھر والوں کی میٹنگ ختم ہو گئی۔ جبھی بڑی اماں اُوپر آ رہی ہیں۔ اب وہ مجھ سے یہاں تنہا کھڑے رہنے کا سبب ضرور پوچھیں گی۔ اور مجھ سے کوئی جواب نہ بن پڑے گا۔

اس سے پہلے کہ بڑی اماں کی نظر اس پر پڑتی وہ جلدی سے بڑبا کے کمرے میں گھس گئی اور ان کی میز پر سے کتاب اٹھا کر اس کے ورق اُلٹنے لگی۔ جب بڑی اماں اپنے کمرے میں چلی گئیں تو وہ دبے قدموں سے زینے کی طرف بڑھ گئی۔ اور بڑی آہستگی سے نیچے اُترنے لگی۔

اگلے روز — آہستہ آہستہ ڈھلتی ہوئی شام کے اداس لمحوں میں جب بڑی خاموشی تھی اور بڑی تنہائی، بنفشہ، دادا جان کے کمرے کی کھڑکی کے پاس کھڑی چھوٹی چچی کی بیٹی شجو کو رنگین تتلی کے پیچھے بھاگتے ہوئے دیکھ رہی تھی اور بڑی بے چینی سے شجو کے سو کر اُٹھنے کا انتظار کر رہی تھی۔ شجو کو جب سے

ڈیپارٹمنٹ میں لیکچررشپ ملی تھی۔ اس کا یہ معمول ہوگیا تھا۔ کہ دوپہر کو یونیورسٹی سے واپس آکر کھانا کھاتے ہی وہ اپنے بستر پہ دراز ہوجاتی تھی۔ نہ جانے کون کونسی کتابیں پڑھتے پڑھتے جب شام ہوجاتی تو وہ چادر تان کر سو جاتی اور مغرب کے وقت تک سوئی رہتی۔

شنجو، اب وہ پہلی سی شنجو نہیں رہی تھی۔ صبا دبھائی سے بالکل غیر متوقع طور پر جو حرکت سرزد ہوئی تھی۔ اس نے اگر ایک طرف بنفشہ کے دل کو پامال کیا تھا تو دوسری طرف شنجو کو بالکل کم سخن بنا کر رکھ دیا تھا۔ اب اس کے ہونٹوں سے بات بے بات قہقہے بھی نہیں پھوٹتے تھے۔ اور بنفشہ ان سب باتوں کا ذمہ دار اپنے آپ کو ٹھہراتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ یہ سب کچھ اس کی وجہ سے ہوا ہے۔ نہ وہ اس گھر میں آتی نہ ان لوگوں کو دکھ کے یہ دن دیکھنے پڑتے۔

اس وقت بھی بنفشہ کی نگاہیں یوں تو شفو بٹیا کا تعاقب کر رہی تھیں لیکن دماغ ماں کے چہرے پر سے ماضی کی گرد جھاڑ رہا تھا۔ بہار کی اس آخری شام کو شنجو کے گھر آنے سے آج کی شام تک کے لمحات میں ایک کہانی چھپی ہوئی تھی۔ ایک طویل کہانی، ایک افسانہ پوشیدہ تھا ـــ درد بھرا افسانہ، بیتی گھڑیوں کے دامن سے یادوں کے موتی چنتے ہوئے بنفشہ اپنے ارد گرد کے ماحول سے بے خبر ہوگئی۔ وہ تو جب گیٹ کے سامنے ٹیکسی آکر رکی تو اس کے خیالات منتشر ہوکر رفو گئے۔ چند سیکنڈ بعد شعیب بھائی (بڑبھیا) سوٹ کیس ہاتھ میں تھامے گیٹ سے اندر داخل ہوئے۔ لاہور کی آب و ہوا میں ان کی صحت کچھ اور شاندار

گئی تھی۔۔ ان کا سانولا چہرہ سرخی کی تمازت سے تمتما رہا تھا۔ اور چہرے کے
بصورت نقوش کچھ اور نمایاں ہوگئے تھے۔ گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہی
ا کی نگاہوں نے بنفشہ کو ڈھونڈ لیا۔ ان کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ بکھر گئی:
ین دوسرے ہی لمحے وہ کچھ بجھ سے گئے۔ کجلائی ہوئی شام کی خاموشیوں اور
نائیوں میں وہ انہیں بڑی اداس، زرد اور بیمار سی لگی۔ انہوں نے افسردگی
ے سوچا۔

اس لڑکی کو گھٹ گھٹ کے رہنے کی عادت پڑ گئی ہے۔

بنفشہ کے زرد، بیمار چہرے پہ نظریں جمائے وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے
ا کے قریب آگئے۔ بنفشہ کی نگاہیں بھی انہی کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ وہ قریب
ئے تو بنفشہ مسکرائی لیکن یوں جیسے سسک اٹھی ہو۔ بڑبھیا حیرت زدہ سے
ا کی طرف تکتے رہ گئے۔ بنفشہ کے چہرے پر سوگواری کا یہ انداز، یہ روپ
ا سے پہلے انہوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ بنفشہ نے آہستہ آواز میں انہیں
م کیا۔ بڑبھیا نے سر کے خفیف سے اشارے سے جواب دیا۔ اور اس سے
پنے کمرے میں آنے کے لئے کہہ کر آگے بڑھ گئے۔ بنفشہ سر جھکائے ان کے
ھے چلدی، سوٹ کیس ایک طرف رکھ کر بڑبھیا نے پلٹ کر اس کی طرف
ھا ـــ بڑی گہری نگاہ سے یوں ـــ جیسے اسی ایک نگاہ میں وہ اس
، دل کی خاموش گہرائیوں تک میں جھانک لیں گے۔ بنفشہ کی پلکیں لرز کر رہ گئیں۔
ر دل بڑی زور سے دھڑک اٹھا۔ بڑبھیا نے ایک ہاتھ سے اپنے بکھرے ہوئے
ل کو سمیٹتے ہوئے کہا۔

میں سب گھر والوں کے پاس حاضری دے آؤں، تم یہیں بیٹھ کر میرا انتظار کرو۔

دوسرے ہی لمحے وہ اس کے جواب کا انتظار کئے بغیر کمرے سے باہر نکل گئے۔ بنفشہ نے پلٹ کر انہیں کمرے سے باہر جاتے ہوئے دیکھا اور آگے بڑھ کر کمرے کے دریچے کھول دیئے۔ رخصت ہوتی ہوئی شام کی ہوا کا ایک جھونکا پردوں سے الجھتا، ٹکراتا کمرے میں گھس آیا۔ اور چنبیلی کی منہ بند کلیوں کی البیلی سی سگندھ کمرے کی فضا میں بکھر گئی۔ بنفشہ چند سیکنڈ صوفے کی پشت کا سہارا لئے سر جھکائے کھڑی رہی پھر تھکے تھکے سے انداز میں صوفے پر بیٹھ گئی اور ان لمحوں کا تصور کرنے لگی۔ جب بڑے بھیا اس کے کچھ نہ کہنے کے باوجود سب کچھ جان لیں گے — دل کا درد و روح کے زخم اور ذہن کی تھکن — کچھ بھی ان سے پوشیدہ نہیں رہے گا۔ وہ اس درد اور اس تھکن کا سبب ضرور جاننا چاہیں گے۔ وہ ان سے چھپانے کے باوجود کچھ نہ چھپا سکے گی پھر — پھر — وہ کیا کرے؟ اس نے سوچا۔ اس کا دل چاہا وہ ایکدم اٹھ کر کمرے سے باہر بھاگ جائے، کسی ایسی جگہ چھپ جائے جہاں تک شعیب بھائی کی نگاہیں نہ پہنچ سکیں، وہ اسے ڈھونڈ نہ سکیں۔ اس تک پہنچ نہ سکیں۔ اس سے کچھ پوچھ نہ سکیں۔ اور اس سے کچھ کہہ بھی نہ سکیں۔ لیکن دل چاہنے کے باوجود وہ ایسا نہیں کر سکتی تھی۔ بالکل نہیں کر سکتی تھی۔ وہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکی۔ بیٹھی رہی — چپ چاپ، خاموش، سوچوں میں ڈوبی ہوئی، خیالات میں الجھی ہوئی اور اندھیرے — بڑھتی ہوئی اور بڑی آہستگی سے کمرے میں سرک آئے۔

اور جب — بڑے بھیا کمرے میں واپس آئے تو دریچوں کی راہ سے کمرے میں آتی ہوئی مدھم سی روشنیوں میں بنفشہ نے دیکھا۔ بڑے بھیا کی آنکھوں میں رنج و غم اور فکر و تردد کے سائے ہولے ہولے کانپ رہے تھے۔ لیکن اگلے ہی لمحوں میں انہوں نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔

دو قدم آگے بڑھ کر انہوں نے کمرے کی بتی جلاتے ہوئے کہا۔

"اندھیرے میں کیوں بیٹھی ہو؟ لائٹ آن نہیں کر سکتی تھیں؟"

"مجھے خیال ہی نہیں رہا۔" بنفشہ نے کہا۔

"اندھیرے میں رہنے کی عادی ہو گئی ہو؟" بڑے بھیا نے کہا۔

"معلوم نہیں۔" بنفشہ نے کہا۔

بڑے بھیا نے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے اس کے چہرے کا بغور جائزہ لیا۔ چند سیکنڈ تک کمرے میں خاموشی رہی۔ پھر بڑے بھیا نے اس خاموشی کو توڑا۔

"اتنی خاموش کیوں ہو؟ کچھ اپنی کہو، کچھ میری سنو۔"

"میرے پاس تو کہنے کے لئے کوئی بات نہیں۔ ہاں! آپ کی بے شک سن سکتی ہوں۔"

بنفشہ نے ان کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"سچ کہتی ہو؟" بڑے بھیا کا انداز بڑا عجیب سا تھا۔

بنفشہ خاموش رہی۔

"اور کوئی خاص بات میری غیر موجودگی میں؟" بڑے بھیا نے پوچھا۔

"کوئی خاص بات نہیں۔" بنفشہ نے کہا — لیکن اس کا دل تھا کہ اس

لمحے چیخ چیخ کر کہہ دینا چاہتا تھا — شعیب بھائی! ہاں! آپ کی عدم موجودگی میں بہت کچھ ہوگیا۔ میری موہوم آس نے بھی دم توڑ دیا۔ میرا ذہنی سکون چھن گیا۔ میرے دل کا چین ختم ہوگیا۔ آپ تو کہتے تھے اب آپ میری طرف سے مطمئن ہیں، میری قدر سجاد بھائی سے زیادہ کوئی نہیں کر سکتا۔ پھر اب یہ سب کچھ کیوں ہوگیا؟ کیسے ہوگیا؟

لیکن بنفشہ یہ — ساری باتیں صرف سوچ کر رہ گئی۔ زبان سے کچھ نہ کہہ سکی۔ وہ تو ان لڑکیوں میں سے تھی جو ساری زندگی سوچوں کے اتھاہ و عمیق سمندر میں ڈوب ڈوب کر ابھرتی اور ابھر ابھر کر ڈوبتی رہتی ہیں ان کا دل تو بہت کچھ کہنا چاہتا ہے مگر ان کی ہمتوں کی پستی الفاظ کو زبان تک آنے کی مہلت ہی نہیں دیتی۔

بنفشہ نے سوچا — میں یہ تمام باتیں شعیب بھائی سے کیوں کہوں؟ اگر میری راہ میں قدم قدم پر کانٹے بکھرے ہیں تو قصوروار شعیب بھائی تو نہیں۔ اگر زندگی میں میرے لئے زخموں کے انبار ہیں تو اس کے ذمہ دار شعیب بھائی تو نہیں، یہ سب تو قسمت کے کھیل ہیں — تقدیر کے کھیل ہیں اور میری تقدیر بنانے والے شعیب بھائی نہیں، پھر مجھے ان سے فریاد کرنے کا کیا حق پہنچتا ہے۔

بڑبھیا، بنفشہ کے چہرے پہ نگاہیں جمائے اس کے بولنے کے منتظر تھے۔ لیکن بنفشہ بڑی گہری سوچوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ ان لمحوں میں اسے اپنے دل کی شکستگی کا احساس اتنی شدت سے ہوا تھا کہ کوشش کے باوجود وہ اپنی پلکوں کی چلمن کے نیچے چراغوں کو جھلملانے سے نہ روک سکی۔ اپنے آنسوؤں کو بڑبھیا کی نگاہوں سے چھپانے کی کوشش میں اس نے اپنے نرم و نازک ہونٹوں کو بڑی بے رحمی سے دانتوں تلے بھینچ لیا۔ لیکن آنسو پھر بھی تھم نہ سکے۔ ہونٹوں کے گوشے آہستہ سے کانپے، پلکوں کے سائے دھیرے سے لرز اٹھے۔ اس کے دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں پکڑ کر بھینچ دیا۔

بڑبھیا — جو مسلسل اس کے چہرے کا جائزہ لے رہے تھے، اپنی جگہ سے اُٹھے چند سیکنڈ اس کے سامنے کھڑے رہے پھر اس کے برابر میں بیٹھ گئے۔ انہوں نے بے حد آہستگی اور نرمی سے بنفشہ کے شانے پہ ہاتھ رکھا۔ اور مدھم آواز میں بولے۔

"تم مجھ سے سب کچھ کہہ کیوں نہیں دیتیں؟"

"کوئی بات ہو تو کہوں بھی" بنفشہ نے ان کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"جب کوئی بات نہیں تو پھر یہ آنسو؟" بڑبھیا نے اس کا سر اپنی طرف گھمایا۔

بنفشہ نے اپنی شبنمی آنکھوں سے بس صرف ایک سیکنڈ کے لئے ان کی طرف دیکھا۔ بڑبھیا کو اپنے سینے میں کوئی چیز ٹوٹتی ہوئی محسوس ہوئی اور دوسرے ہی لمحے بنفشہ ان کے شانے پر سر رکھ کر رو پڑی۔ اتنی سسکیاں اور اتنے آنسو کہ — کہ بڑبھیا کا دل کانپ کر رہ گیا۔ انہیں ایسا لگا جیسے ان سسکیوں میں بنفشہ کا کانپتا اور لرزتا ہوا وجود ڈوب کر رہ جائے گا۔ انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے اب جو یہ بادل برسے ہیں تو سدا برستے ہی رہیں گے۔ اور بنفشہ کی ہستی آنسوؤں کے اس سیلاب میں ڈوب کر ہمیشہ کے لئے کھو جائے گی۔

بنفشہ سسک سسک کر روتی رہی اور بڑبھیا اس کے شانے پہ ہاتھ رکھے

بیٹھے رہے ۔ بالکل خاموش اور چپ چاپ، کیسے عجیب سے لمحات تھے ۔ بانہیں پھیلا کر آگے بڑھتی ہوئی رات کے قدموں کی مدھم سی چاپ، دریچے کی راہ سے کمرے میں بکھری ہوئی پھولوں کی ہلکی ہلکی خوشبو، طلوع ہوتے ہوئے چاند کی زرد، بیمار روشنی، جھلملاتے ہوئے ستاروں کا خاموش کارواں، کمرے کا پرسکوت ماحول اور ۔ ماحول کے اس سکوت کو توڑتی ہوئی بنفشہ کی سسکیوں کی آواز ۔ بڑے بھیا کا دل دکھ سے بھر گیا۔ انہیں احساس ہوا کہ اتنے تکلیف دہ لمحات ان کی زندگی میں اس سے پہلے کبھی نہیں آئے تھے۔ انہوں نے بنفشہ سے تسلی کا ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ اس کے بہتے ہوئے آنسوؤں کو بھی نہیں پونچھا۔ وہ چاہتے تھے۔ بنفشہ جی بھر کے روئے اتنا روئے، کہ اس کے دل کا سارا درد آنسوؤں کی راہ بہہ نکلے، پھر اس کے بے چین دل کو قرار آجائے۔ اور اس کا دماغ پرسکون ہو جائے۔

بنفشہ جب جی بھر کے رو چکی تو بڑے بھیا نے جھک کر اس کی طرف دیکھا اور آہستہ سے بولے۔

"خدا کے ہر کام میں مصلحت ہوتی ہے بنفشہ! معلوم نہیں غم کے ان پردوں کے پیچھے کون سی خوشیاں تمہاری منتظر ہیں۔"

بنفشہ نے بڑے بھیا کے شانے سے سر اٹھا کر ان کی طرف بڑی حیرت سے دیکھا زبان سے کچھ نہیں کہا لیکن اس کی نگاہوں میں ایک سوال تھا۔

"تو کیا آپ کو سچ مچ حقیقت کا علم ہو گیا؟"

بڑے بھیا نے اس کی نگاہوں کا مفہوم سمجھتے ہوئے کہا۔

"ہماری امی پیٹ کی بہت ہلکی ہیں۔ ویسے ایک طرح سے ان کی یہ عادت میرے

لئے فائدہ مند ہی ثابت ہوئی۔ جو بات میں تم سے ایک گھنٹہ میں بھی نہ پوچھ سکتا وہ انہوں نے چند منٹ میں ہی مجھے بتا دی۔"

بنفشہ نے صوفے کی پشت سے سر ٹکاتے ہوئے بڑی ویران نگاہوں سے دریچے سے جھانکتے ہوئے ستاروں بھرے آسمان کی طرف دیکھا۔ کمرے میں پھر پہلے کی جیسا سکوت طاری ہو گیا۔ لیکن اب سکوت میں بنفشہ کی سسکیوں کی صدا نہیں ابھر رہی تھی۔ وہ بھی چپ تھی۔ اور بڑے بھیا بھی خاموش! دونوں اپنی اپنی سوچوں میں گم تھے۔ اور وقت بڑی آہستگی سے گزر رہا تھا۔

پھر ۔ بڑے بھیا نے اپنے مخصوص انداز میں بنفشہ کو بے شمار نصیحتیں کر ڈالیں۔ بڑے بھیا کا وہ پیار بھرا انداز تو بنفشہ کے دل کو اور بھی زخمی کر گیا۔ اتنی چاہت اور اتنی محبت سے کہی ہوئی باتیں ۔ بنفشہ پر وہ لمحے بہت بھاری گزرے۔ درد دل کم ہونے کی بجائے اور بڑھ گیا۔ ستارے سرِ مژگاں چمکنے کے لئے پھر بے تاب ہو گئے۔ چراغ آنکھوں میں جھلملانے کے لئے پھر بے چین ہو گئے۔ کوشش تو اس نے بہت کی لیکن نہ وہ ستاروں کو چمکنے سے روک سکی۔ نہ چراغوں کو آنکھوں میں جھلملانے سے روک سکی اور بڑے بھیا دیر تک بیٹھے اس کی آنکھوں اور اس کی پلکوں پہ دیوالی کی رات کا سماں دیکھتے رہے۔

وقت کے سیل رواں کو آگے بڑھنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ رنج و غم، خوشی اور مسرتیں، مسکراہٹیں اور آنسو، قہقہے اور ہنگامے —— سب اس کی پھیلی ہوئی باہوں میں سما جاتے ہیں اور وہ چپ چاپ آگے بڑھتا رہتا ہے —— بغیر کسی آہٹ کے، تھمے بغیر رکے بغیر، کسی سے کچھ کہے بغیر اور کسی کی کچھ سنے بغیر —— یہ ازل سے ہوتا آیا ہے اور ابد ہوتا رہے گا، اور جب وقت کا سیلِ رواں آگے بڑھ جائے تو پیچھے کچھ نہیں باقی بچتا سوائے یادوں کی جھلملاتی شمعوں کے۔ وہ شمعیں —— جو وقت کے ان گنت لمحات کے دھندلکوں میں مدہم تو ضرور پڑ جاتی ہیں لیکن بجھتی کبھی نہیں۔ انجانی سمت سے آتی ہوئی ہوا کے جھونکوں میں ان شمعوں کی لویں لرزتی ہیں، تھرتھراتی ہیں، کانپتی ہیں لیکن پھر بھی فروزاں رہتی ہیں۔

بنفشہ بھی چپ چاپ وقت کے گزرنے کا سماں دیکھ رہی تھی۔ اس کا ماضی —— یادوں کے اجڑے ہوئے سنسان اور ویران نگر کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ حال —— یقین اور بے یقینی کی ایک ایسی کہانی کتنا ہوا معلوم ہوتا تھا جس کے انجام کا کچھ پتہ نہیں تھا —— مستقبل —— ایک تاریک خلا کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ اس کے اعصاب مضبوط تو کبھی بھی نہیں تھے۔ لیکن گزشتہ چند برسوں میں دوسروں کی منزل کو اپنی منزل سمجھ کر دو دفعہ اس نے جس انداز سے فریب کھایا تھا، اس نے بنفشہ کے دل کو بہت کمزور کر دیا تھا۔ کوئی آہٹ ہو، کوئی پتہ کھڑکے، کوئی سایہ لہرائے —— وہ چونک پڑتی تھی، سہم جاتی تھی اس کا دل بڑی زور سے دھڑک اٹھتا وہ اپنے سینے پہ دونوں ہاتھ رکھ کر پریشان نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھتی اور اپنے دل کے دھڑکنے کی صدا سنتی رہتی۔

اور جب —— وقت کے بہتے دریا میں اپنے سفینۂ دل کو کھیتے ہوئے بنفشہ نے اپنی زندگی اور موت کے درمیانی فاصلے کو کچھ اور کم کر دیا تو اس کی کتابِ زندگی میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا۔ ایک ڈوبتی ہوئی شام کو بنگلے کے سامنے لمبی سی گاڑی آکر رکی اور کوئی اترا۔ شاہانہ انداز، باوقار چال، حسن و وجاہت کا مجسمہ، ابا میاں، چچا میاں اور "بڑے ابا" ان کی پذیرائی کو بڑھے۔ مسکراہٹوں کے تبادلے ہوئے مصافحے کیے گئے اور ہاتھوں ہاتھ اس اجنبی کو اندر لے جایا گیا۔ شجو رانی کے دماغ میں کھد بد شروع ہوئی، لیکن جس سے بھی اس اجنبی کی آمد کی وجہ پوچھی اسی نے گول مول جواب دیا۔ وہ تو اللہ بھلا کرے۔ چھوٹی چچی کا جنہوں نے دبے لفظوں میں بتلایا کہ بنفشہ کے رشتے کی بات چل رہی ہے شجو رانی یہ خبر سن کر اداس ہو گئیں۔ اس بہت انہوں نے رات گئے تک لان میں بالکل تنہا ٹہلتے ہوئے سجاد بھائی کو بہت یاد کیا۔

پھر ——— اس اجنبی کے متعلق بہت دنوں تک چھان بین ہوتی رہی۔ پوری طر
چھان بین ہو جانے کے بعد اماں بیگم نے شجو کے یہ کام سپرد کیا کہ وہ بنفشہ سے اس کی مرضی
معلوم کرے۔ شجو نے اپنا دامن بچانے کی بہت کوشش کی لیکن اماں بیگم کے سامنے
اس کی ایک نہ چل سکی۔ وہ یہ سوچ سوچ کر پر تی کہ کس منہ سے بنفشہ باجی سے
یہ بات پوچھے کہ آپ کو یہ رشتہ منظور ہے؟ کوشش کے جب وہ اپنے آپ
میں اس بات کی جرأت نہ پیدا کر سکی تو اس کا ارادہ کر لیا کہ وہ اماں بیگم سے
صاف صاف کہہ دے گی کہ وہ یہ کام انجام نہیں دے سکتی لیکن اس روز چھٹ
باجی دو چار روز کے لئے رہنے آ گئیں۔ شجو نے جھٹ اپنی بلا ان کے سر ڈال دی۔
چھٹ باجی نے اس کام کو آسان سمجھ کر فوراً حامی بھر لی لیکن جب ان کے پوچھنے پر
بنفشہ نے بجائے جواب دینے کے ٹپ ٹپ آنسو گرانا شروع کئے تو ان کی آدھی عقل
گم ہو گئی۔ تین روز اسی طرح گزر گئے۔ جب بھی وہ گھما پھرا کر بنفشہ سے اس کی مرضی معلوم
کرنے کی کوشش کرتیں بنفشہ سر جھکا کر آنسو بہانا شروع کر دیتی۔

بنفشہ کی ذہنی کیفیت ان دنوں بڑی عجیب سی تھی۔ گزشتہ برسوں کی بے شمار
باتیں سوچ سوچ کر اس کا دماغ تھک کر رہ گیا تھا اور دل پریشانیوں کے بوجھ تلے
دب کر رہ گیا تھا۔ چھٹ باجی نے میکے میں اپنے قیام کی مدت دو تین روز اور بڑھا دی۔
تھی صرف یہ سوچ کر کہ ممکن ہے بنفشہ کوئی قطعی فیصلہ کر کے انہیں اس سے آگاہ کر سکے۔
لیکن وہ دو تین روز بھی پلک جھپکنے میں گزر گئے۔ بنفشہ اسی طرح گپ چپ اپنے
کاموں میں مصروف رہی۔ اگلے روز صبح چھٹ باجی کو جانا تھا انہوں نے بڑے پیار سے
بنفشہ کے گلے میں باہیں ڈالتے ہوئے کہا۔

میں تو کل صبح چلی جاؤں گی بنفشہ! تم سوچ سمجھ کر فیصلہ کر لو، پھر شجو کو بتا دینا۔
بنفشہ پلکوں کی چلمن گرائے جانے کیا سوچتی رہی۔

پھر اس رات بنفشہ نے دادا جان کے بند کمرے کے سامنے والی گیلری میں
نگ کا سہارا لے کر سوچا ——— کہ فیصلہ کر لینا چاہیئے۔ آخر وہ کب تک ان
ں کے اوپر بوجھ بنی بیٹھی رہے گی ماں نے جانے کس طرح دوڑ دھوپ
کے اس کے لئے اتنا اچھا رشتہ تلا ہے۔ وجاہت مرزا میں کسی بات کی
تو کمی نہیں ہے۔ سچ مچ اسم بامسمّٰی ہیں ان کے پاس حسن بھی ہے دولت بھی،
یف بھی ہیں باوقار بھی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ خود ان کے قابل نہیں۔ ظاہر ہے۔
ن کے لئے لڑکیوں کی کمی بھی نہیں ہو گی۔ لیکن جب اس کی قسمت ان کے ساتھ
جا چکی ہے تو پھر دل کا چاہنا یا نہ چاہنا کوئی معنی نہیں رکھتا، اور یہی سب سوچ
بنفشہ نے اپنے آپ کو ایک بار پھر اپنی قسمت کے حوالے کر دیا۔

اور اس کے بعد بنفشہ کی شادی کی تیاریاں زور شور سے شروع ہو گئیں۔ اماں بیگم
ایک چیز کی خریداری کے لئے شجو کے ذریعے اس کی مرضی معلوم کرتیں تو وہ
نے میٹھ جاتی اور بڑی اداسی سے سوچتی کہ آخر اس گھر کے لوگوں سے کون سا
ور سرزد ہوا تھا۔ جس کی پاداش میں وہ ایک سزا اور ایک بوجھ بنا کر ان کے سروں
سلط کر دی گئی۔ بچپن سے لے کر اب تک پالا پوسا، پڑھا لکھا کر بڑا کیا، کسی قابل
یا اور اب اتنے سارے طول طویل خرچے اس نیکی اور شرافت کی آخر کتنی مثالیں
ں گی دنیا میں؟ آخر ایک روز اس نے تنگ آ کر شجو سے کہہ دیا۔

شجو! مجھے کچھ نہیں چاہیئے، اماں بیگم سے کہہ دو میرے لئے کچھ نہ خریدیں۔ لیکن

شجو اور اماں بیگم نے بنفشہ کی اس بات کو کوئی اہمیت نہیں دی بنفشہ کے لئے اماں
نے دل کھول کر روپیہ خرچ کیا اپنے مقدور بھر اس کے لئے اچھی سے اچھی چیز خرید
اس کے لئے آپا جان اور چھٹ باجی سے کہیں زیادہ بہتر جہیز تیار کیا جو شخص بھی جہیز
دیکھتا، تعریف کئے بغیر نہ رہتا اور اماں بیگم کی فراخدلی، نیکی اور شرافت کو سراہے بغیر نہ
بنفشہ کی شادی بہت دھوم دھام سے ہوئی۔ شادی میں شرکت کے لئے
وجاہت مرزا کی بڑی بہن اپنے بچوں کے ساتھ کینیڈا سے آئی تھیں اور چھوٹی بہن
اپنے شوہر کے ساتھ ایران سے آئی تھی۔ چھوٹی بہن بمشکل تمام بنفشہ کی ہم عمر ہوگی لیکن
اس کی شادی بہت کم عمر میں ہو گئی تھی۔ اس کے میٹرک پاس کرتے ہی ماں نے اپنی
زندگی کی شمع گل ہونے سے چند مہینے پہلے اس کے ہاتھ پیلے کر دیئے تھے اپنے باپ
کو تو اس نے ہوش سنبھال کر دیکھا ہی نہیں تھا، وہ بہت پہلے ہی موت اور زندگی کے
درمیانی فاصلے کو ختم کر چکے تھے، وجاہت مرزا کی طرف سے ان کے دو پار کے چند
رشتے داروں نے شرکت کی تھی باقی کثیر تعداد ان کے دوستوں اور ان کی بیویوں کی
تھی۔ دونوں بہنیں بمشکل تمام ایک مہینے ٹھہریں جاتے جاتے بنفشہ کو بہت ساری پیار
بھری نصیحتیں کر گئیں۔ ان لوگوں کے جانے کے بعد اتنی بڑی کوٹھی بالکل سنسان اور
ویران ہو کر رہ گئی۔ بنفشہ وحشت زدہ سی ہو گئی۔ مگر ان لوگوں کو گئے ہوئے چار پانچ
روز بھی نہ گزرے تھے کہ وجاہت مرزا اسے ساتھ لے کر ہنی مون منانے چل دیئے
جانے سے پہلے بنفشہ ایک روز کے لئے گھر گئی۔ اتفاق سے چھٹ باجی اور آپا جان
بھی آئی ہوئی تھیں، سب سے ملاقات ہو گئی لیکن بڑے بھیا حسب دستور غائب تھے۔
بنفشہ کچھ نا امید سی ہو کر واپس جانے کی تیاری کر رہی تھی کہ بالکل خلاف توقع وہ آ گئے۔

شاداب و شگفتہ چہرہ دیکھ کر وہ بڑے مطمئن انداز سے مسکرائے۔ اور شام کی ہلکی ہلکی
دار دھوپ میں چمپا کے درخت سے قدرے فاصلے پر بیٹھے وہ دیر تک اس سے
کرتے رہے۔

نہ صرف بڑے بھیا بلکہ گھر کے سبھی افراد بنفشہ کو خوش دیکھ کر مطمئن تھے۔ اگلے روز بنفشہ
وجاہت مرزا ہنی مون منانے چل دیئے۔ ملکوں ملکوں، شہروں، شہروں گھومتے ہوئے
نے زندگی کو بہت قریب سے دیکھا اور انسانوں کو بڑی نزدیک سے پرکھا۔ تقریباً
تک وہ باہر رہے۔ اور جب وہ لوگ واپس آئے تو بنفشہ کو احساس ہوا کہ اتنے
ے گھر میں تنہا رہ کر وہ کہیں پاگل ہی نہ ہو جائے۔ اس نے اپنی گزشتہ زندگی بہت
ے لوگوں کے درمیان گزاری تھی اور یہاں سوائے چند ملازموں کے اور کوئی نہیں
وجاہت مرزا تو سارا وقت گھر میں گزارنے سے رہے۔ ان کا اتنا وسیع بزنس تھا۔
زیادہ وقت گزارنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ کوٹھی ایسے علاقے میں تھی۔
کوئی پڑوس بھی نہیں تھا۔ چند کوٹھیاں تھیں جو ایک دوسرے سے کافی فاصلے
ہوئی تھیں باقی سارا علاقہ غیر آباد تھا۔ کوئی کام نہ ہونے کی وجہ سے دن اسے
طویل لگتا تھا۔ اتنا بڑا گھر اسے کاٹ کھانے کو دوڑتا تھا۔ تنگ آ کر اس نے
اماں کو بمشکل تمام سمجھا کر کھانا پکانے کا کام اپنے ذمے لے لیا تاکہ اس طرح وقت کی
کا احساس کچھ کم ہو۔

بنفشہ سوچتی تھی۔ یہ اس قدر وسیع کوٹھی، جھلملاتے ہوئے ریشمی، قیمتی کپڑے،
تے ہوئے بیش قیمت زیورات، یہ پر تکلف ساز و سامان —— یہ سب
مجھے کیوں مل گیا ہے؟ میں نے کبھی ان چیزوں کی تمنا نہیں کی تھی، میں نے کبھی

ایسی زندگی کے خواب نہیں دیکھے تھے۔ یہ سچ ہے کہ لڑکیاں عموماً ایسی زندگی کے سپنے دیکھا کرتی ہیں لیکن میں تو ان لڑکیوں میں سے نہیں تھی۔ قسمت کے کھیل نرالے ہیں۔ کچھ لوگ آرزوؤں اور تمناؤں کا جھوٹا سہارا لئے سپنوں کے رنگین جال بنتے بنتے زندگی کے آخری سرے تک پہنچ جاتے ہیں اور کچھ نہیں پاتے اور جو ایسی تمناؤں اور خواہشوں کو اپنے خوابوں میں بھی جگہ نہ دیں انہیں یہ سب کچھ کتنی آسانی سے مل جاتا ہے۔ دوسروں کے لئے یہ زندگی بے شک حسین اور پرکشش ہوگی لیکن مجھے تو وحشت ہوتی ہے۔ لیکن کچھ بھی سہی ——— مجھے اس زندگی کے ساتھ سمجھوتہ کرنا ہی ہے۔

لمحوں کا کارواں وقت کی باہنوں میں سمٹ کر کچھ آگے بڑھا تو بنفشہ پر اس حقیقت کا انکشاف ہوا کہ یہ حسین اور پرکشش زندگی تو کچھ بھی نہیں۔

صرف ایک دھوکہ ہے۔

محض ایک فریب ہے۔

فقط ایک طلسم ہے۔

وجاہت مرزا کی شرافت تو ان کی کمینگی اور رذالت پر پڑا ہوا ایک خوبصورت پردہ ہے، ایک نقاب ہے۔ ہوا کے جھونکے سے جب وہ پردہ اڑا تو وجاہت مرزا کی بظاہر باوقار اور پرتمکنت نظر آنے والی شخصیت اپنے تمام تر مکروہ پن کے ساتھ بالکل عریاں نظر آئی۔ "اونچی" اور "مہذب"، سوسائٹی کی وہ کون سی" خوبی تھی جو ان میں نہیں تھی۔ شادی کے بعد کے یہ چار ماہ انہوں نے جانے کس طرح شرافت کے جامے میں رہ کر گزار دیئے تھے۔ بنفشہ کی جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو یقیناً پر زور

احتجاج کرتی۔ لیکن وہ ——— سدا کی بے زبان لڑکی سوائے سب کچھ سہنے اور برداشت کرنے کے اور کیا کر سکتی تھی۔ چند بار دبی زبان سے اس نے وجاہت مرزا کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ سمجھنے اور سمجھانے کی منزلوں کو بہت پیچھے چھوڑ آئے تھے۔ بنفشہ کے سمجھانے کا انداز بھی بالکل منت سماجت کرنے کا سا تھا۔ سہمی ہوئی نگاہیں نرم اور میٹھی زبان ——— وجاہت مرزا تو تلخ اور کڑوی کسیلی زبان کا مطلب بھی نہیں سمجھتے تھے پھر ان جیسا بدخصلت آدمی نرم اور میٹھی زبان کا مفہوم کیسے سمجھ سکتا تھا۔ وقت، حالات اور قسمت نے وجاہت مرزا کو بنفشہ کا "مجازی خدا" بنایا تھا وہ سب کچھ کہنے، سب کچھ کرنے اور کروانے کا اختیار رکھتے تھے اور بنفشہ ان کی ہر بات سن کر سر جھکا دینے پر مجبور تھی۔ وجاہت مرزا کی شامیں کلبوں میں گزرتی تھیں۔ بلکہ رات گئے وہ کلب سے اٹھتے تھے اور ان کے حکم کے مطابق بنفشہ ہر شام سج بن کر ان کے ساتھ کلب جانے پر مجبور تھی۔ لباس بھی ان کی مرضی کے مطابق پہننا لازمی تھا۔ اس کے لئے نت نئے ڈیزائن کے کپڑے تیار کروائے جاتے تھے جن کی بیہودہ تراش خراش پر بنفشہ دل ہی دل میں کڑھتی تھی۔ وجاہت مرزا اسے ان واہیات لباسوں میں دیکھ کر بہت مسرور ہوتے تھے اور بڑے فخر سے اسے اپنے دوستوں سے ملواتے تھے۔ دوست بھی انہی کے ہم صفت تھے اوباشی اور عیاشی میں کوئی کسی سے کم نہیں تھا۔

وجاہت مرزا جس کلب کے ممبر تھے۔ وہ شہر کا سب سے بڑا کلب تھا۔ اس کی ممبر شپ کا فخر صرف انہی لوگوں کو حاصل تھا دولت جن کے گھر کی لونڈی تھی اور مال و زر جن کے ہاتھ کا میل تھا۔ وہاں سرِ شام زندگی ایک انوکھے اور دلفریب انداز

سے انگڑائی لیتی تھی اور رات کی پھیلی ہوئی باہنوں میں لمحہ بہ لمحہ جوان سے جوان تر ہوتی جاتی تھی، سکوتِ صبح سے پہلے یہ خمار آلود زندگی تھک کر دم توڑ دیتی تھی کلب کی اس جگمگاتی ہوئی عمارت میں ہر بے سے کام پر "تہذیب" اور "ترقی پسندی" کا لیبل چڑھا کر اسے بڑے فخر سے انجام دیا جاتا تھا۔ بڑے بڑے "بزنس ایگریمنٹ" منٹوں میں طے پا جاتے تھے۔ بس کسی خوبصورت چہرے اور جوان جسم کی جھلک دکھانے کی دیر ہوتی تھی۔ وجاہت مرزا کی اس پسندیدہ دنیا میں مرد کسی کے باپ، کسی کے بھائی اور کسی کے شوہر بن کر نہیں سوچتے تھے وہ صرف مرد ہوتے تھے اور یہاں آنے والی عورتیں نہ کسی کی بیٹیاں تھیں نہ بہنیں اور نہ کسی کی بیویاں —— وہ صرف عورتیں تھیں۔ مرد اپنے نفع کی خاطر مال و زر کی چکا چوند سے اندھے ہو کر انہیں دوسروں کے حوالے کر دیتے تھے "اقتدار" کی "اونچی کرسی" کے خواب دیکھنے والے مرد یہاں بڑی جلدی اپنے خوابوں کی تعبیر پا لیتے تھے۔ بس اپنے ضمیر کا گلا گھونٹنے کی دیر ہوتی تھی۔ یہاں پر صرف تھوڑی سی کشمکش کے بعد ہر رشتہ، ہر ناطہ اور ہر تعلق بڑی آسانی سے ٹوٹ جاتا تھا اِمال و زر سے بڑی جلدی یارانہ ہو جاتا تھا۔

کلب کی اس جاگتی اور جگمگاتی دنیا کو منور کرنے کے لئے جو عورتیں یہاں آتی تھیں ان میں اور کوٹھوں پہ بیٹھنے والی طوائفوں میں فرق صرف اتنا تھا کہ ان عورتوں نے اپنے چہروں پہ لفظ "مہذب" کی چھاپ لگا رکھی تھی۔ کچھ کو تو "ماڈرن" ہونے کا جنون یہاں تک کھینچ لایا تھا اور کچھ اپنے "مجازی خداؤں" کے نادر شاہی احکام اور ان کی بے حسی کی بھینٹ چڑھ کر اس نکمہ دنیا میں آگئی تھیں۔ بنفشہ بھی انہی میں سے تھی۔ لیکن یہ شاید اس کی خوش قسمتی تھی کہ وجاہت مرزا نے اسے ترقی

کے زینے پر ایک دم ہی چڑھ جانے کا حکم نہیں دیا تھا، تہذیب کی "آخری منزل" کو ایک دم ہی چھو لینے پہ مجبور نہیں کیا تھا۔ فی الحال تو وجاہت مرزا اس کے لباس کی تراش خراش کی طرف متوجہ تھے، اسے راتوں رات —— رقص اور اس کے "آداب" سکھا دینے کی سر توڑ کوشش میں مصروف تھے اور بنفشہ کی حالت یہ تھی کہ ڈانس کے ایک ایک اسٹیپ پہ وہ پوری جان سے لرز کر رہ جاتی تھی۔ رات کی تنہائیوں اور سناٹوں میں وہ اپنے بستر پہ خاموش لیٹی سوچتی رہتی اور چپ چاپ آنسو بہاتی رہتی۔ لیکن یہ کوئی چند روز کا قصہ تو تھا نہیں یہ عذاب تو ہمیشہ کے لئے اس پہ نازل ہو گیا تھا۔ آنسو بھی کہاں تک اور کب تک اس کا ساتھ دیتے، وہ بھی ایک روز جواب دے گئے، چپ چاپ تھم گئے، خشک ہو گئے۔

بنفشہ کا دل ہر دم یہی چاہتا تھا کہ اس دنیا سے —— وہ جو وجاہت مرزا کی من پسند دنیا تھی، ان کی پسندیدہ جگہ تھی، ایک دم بھاگ جائے اس کی جگمگاہٹ کس قدر بھیانک تھی وہاں پہ بلند ہوتے والے قہقہے کس قدر کھوکھلے تھے اور وہاں بکھرنے والی مسکراہٹیں کتنی پھیکی تھیں؟ یہ کوئی بنفشہ کے دل سے پوچھتا یا اُن عورتوں سے پوچھتا جن کے قدم وہاں تک خود نہیں پہنچے تھے پہنچائے گئے تھے۔ رنگ و نور کے اس طوفان میں "شرافت" اور "پارسائی" کی لاشیں تیرتی نظر آتی تھیں، خوشبوؤں کے اس سیلاب میں "انسانیت" کی مسخ شدہ اور سڑی گلی لاشیں اپنی تمام تر عریانیت کے ساتھ بہتی نظر آتی تھیں۔ جانے رنگ و نور کی یہ کیسی دنیا تھی کہ بنفشہ کو یہاں سوائے مہیب تاریکی کے اور کچھ نظر نہیں آتا تھا، ایسی تاریکی —— جس کا سرا تباہی بربادی کے بھیانک غار کے دہانے پہ جا کر ختم ہوتا تھا۔ خوشبوؤں کا جانے یہ کیسا جہاں تھا۔

کہ بنفشہ کو وہاں شدید تصنع کا احساس ہوتا تھا۔ معلوم نہیں سچ مچ ایسا ہی تھا یا اس کے سوچنے سمجھنے اور محسوس کرنے کا انداز غلط تھا۔

بنفشہ نے کافی وقت "ترقی" اور "تہذیب" کی ابتدائی سیڑھیوں پر چڑھتے ہوئے گزار دیا لیکن آخر کب تک؟ اتنی تاخیر برداشت کرنا وجاہت مرزا کے بس کی بات نہیں تھی۔ پھر ادھر کچھ عرصے سے ان کا نوشاد علی کے ساتھ ایگریمنٹ والا معاملہ بھی کھٹائی میں پڑا ہوا تھا۔ نوشاد علی سے ان کی دوستی دیکھتے ہی دیکھتے پروان چڑھی تھی لیکن جانے یہ کیسی دوستی تھی کہ جہاں نفع نقصان کی بات آئی دونوں نے ٹیڑھی ترچھی نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھنا شروع کر دیا۔ کوشش تو دونوں کی یہی ہوتی تھی کہ نگاہوں کے اس ٹیڑھے ترچھے پن کا اندازہ دوسرے کو نہ ہونے پائے۔ لیکن دونوں ہی عقاب کی سی نظر رکھتے تھے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ نوشاد علی کچھ زیادہ ہی گھاگ تھا۔

بنفشہ کو یوں تو وجاہت مرزا کے ہر دوست سے نفرت کرنے کی حد تک چڑ تھی۔ لیکن نوشاد علی اسے زہر سے بھی زیادہ برا لگتا تھا۔ شروع شروع میں بنفشہ کو اس بات پر سخت حیرت ہوتی تھی کہ وجاہت مرزا نے اسے اپنے دوستوں کے ساتھ آزادانہ بات چیت کرنے اور گھومنے پھرنے کی آزادی کیوں دے رکھی ہے، لیکن جب وجاہت مرزا اسے مستقل اپنے ساتھ کلب لے جانے لگے تو آہستہ آہستہ بنفشہ کی سمجھ میں بہت ساری باتیں آ گئیں۔ یہ الگ بات تھی کہ بنفشہ نے بڑی کوششوں سے اپنے آپ کو اس قدر محتاط رکھا کہ وجاہت مرزا کے دوستوں کو اس کے ساتھ گھومنے کا موقع نہ مل سکا۔ سبھی اس سنہری چڑیا کو دور دور سے دیکھ کر للچاتے تھے اور چشم تصور

سے اسے اپنے دام میں گرفتار دیکھتے تھے۔ سب سے زیادہ ہوسناک نگاہیں نوشاد علی کی تھیں۔ اس کا بس نہیں چلتا تھا کب جھپٹا مار کر اس ننھی منی سی چڑیا کو بے بس کر دے اب قدرت نے اسے ایک موقع فراہم کیا تھا تو وہ اسے کسی صورت میں بھی گنوانا نہیں چاہتا تھا۔ اس سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ وجاہت مرزا کو نوشاد علی کے ساتھ معاہدے میں ہزاروں روپے کا فائدہ تھا۔ پھر وہ بھلا کیوں اس موقع کو ہاتھ سے جانے دیتے؟ سرسری طور پر انہوں نے بنفشہ کے سامنے اس نئے معاہدے کی خوبیاں کئی بار گنوائیں اور ساتھ ہی اس جملے کا اضافہ بھی ہر دفعہ ضرور کیا۔ "بہت چالاک آدمی ہے کسی طرح ہتھے ہی نہیں چڑھ رہا۔" بنفشہ سر جھکا کر ان باتوں کو سنتی اور خاموش رہتی۔ جب بنفشہ نے اس معاملے میں مستقل خاموشی اختیار رکھی تو تنگ آ کر وجاہت مرزا یہ کہنے سے باز نہ رہ سکے۔

"تم اگر کوشش کرو تو یقیناً کام بن جائے گا۔"

"میں؟ میں کس طرح کوشش کروں؟" بنفشہ نے پوچھا۔

"تم ——— میرا مطلب ہے تم اس سے بات کر کے دیکھو۔" وجاہت مرزا یکدم گڑبڑا گئے۔

"میرے بات کرنے سے کیا ہوگا؟ جب وہ آپ کے دوست ہو کر آپ کی بات نہیں مان رہے تو پھر ———" بنفشہ نے کہا۔

"تمہارے بات کرنے سے بہت کچھ ہوگا۔ تم "عورت" ہو، ایسے معاملوں میں دوستی کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔" وجاہت مرزا نے لفظ "عورت" پر خاص طور سے زور دیا۔

"آپ کی بات میری سمجھ میں بالکل نہیں آئی"، بنفشہ نے انجان بن کر کہا۔

"ارے بھئی! دو چار دفعہ اس کے ساتھ گھومنے پھرنے جاؤ پھر دیکھو وہ کیسے نہیں مانے گا تمہاری بات؟" وجاہت مرزا نے کہا۔

"دراصل مجھے یہ بات پسند نہیں ہے اور پھر مجھے آپ کے دوستوں سے ڈر بھی بہت لگتا ہے" بنفشہ نے سہمے ہوئے انداز سے کہا۔

"اس میں ناپسندیدگی کی کون سی بات ہے؟ مائی ڈیئر! زمانہ بہت ترقی کر گیا ہے، دقیانوسی باتوں کو اپنے ذہن میں جگہ مت دو اور تمہیں میرے دوستوں سے ڈر کیوں لگتا ہے؟ سب کے سب انتہائی شریف اور مہذب انسان ہیں۔" وجاہت مرزا نے بڑے فخر سے کہا۔

بنفشہ نے دل میں سوچا ـــــ "ان کی شرافت کا اندازہ تو مجھے اچھی طرح ہو چکا ہے!"

"پھر! تم نے کیا سوچا؟" وجاہت مرزا آج فائنل بات کر لینے پر آمادہ نظر آ رہے تھے۔

"مجھے ڈر ہے وجاہت صاحب! یہ دو چار دفعہ کا گھومنا پھرنا میرے اور آپ کے لئے کوئی مسئلہ نہ پیدا کر دے۔" بنفشہ نے کہا۔

"کوئی مسئلہ نہیں پیدا ہوگا"، وجاہت مرزا نے بڑے وثوق سے کہا۔

"کلب کی کتنی ہی عورتوں کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں، آپ شاید بھول رہے ہیں۔" بنفشہ نے کہا۔

وجاہت مرزا پہلے تو نروس سے ہوئے پھر فوراً ہی سنبھل کر بولے۔

"یہ تو اپنے اوپر منحصر ہوتا ہے۔ عورت کو اپنا کردار مضبوط رکھنا چاہیے پھر کوئی مسئلہ پیدا ہونے کا سوال ہی نہیں۔"

بنفشہ کے کوئی جواب دینے سے پہلے ہی گاڑی کا ہارن سنائی دیا۔ یہ نوشاد علی کی گاڑی کا ہارن تھا جسے بنفشہ خوب اچھی طرح پہچانتی تھی۔ وہ سراپا سلگ اٹھی اور وجاہت مرزا سے کوئی بات کئے بغیر ڈرائنگ روم سے باہر نکل گئی۔

اور ـــــ اگلی شام ـــــ کلب میں جب زندگی جوان ہونا شروع ہوئی تھی۔ تو وجاہت مرزا بقول خود ان کے ہال میں گھٹن محسوس کرنے لگے اور بنفشہ کو نشست پر تنہا چھوڑ کر باہر لان کی کھلی فضا میں نکل گئے۔ بنفشہ کافی دیر ان کا انتظار کرتی رہی، جب انہوں نے کسی طرح آنے کا نام ہی نہ لیا تو وہ اپنا پرس اٹھا کر باہر نکل گئی۔ لان کے ایک تنہا گوشے میں اس نے وجاہت مرزا اور نوشاد علی کو ایک بنچ پر مصروف گفتگو پایا۔ بنفشہ کی طرف ان دونوں کی پشت تھی۔ بنفشہ کا یہ ارادہ قطعی نہیں تھا کہ وہ چھپ کر ان دونوں کی گفتگو سنے وہ تو وجاہت مرزا سے گھر چلنے کے لئے کہنے آئی تھی۔ لیکن نوشاد علی کی زبان سے اپنا نام سن کر جانے کیوں وہ ٹھٹھک کر رہ گئی اور پھر باوجود کوشش کے وہ قریبی مہندی کی باڑھ کے پیچھے چھپ کر ان کی گفتگو سننے سے باز نہ رہ سکی۔ گفتگو کا موضوع وہی نیا بزنس اگریمنٹ تھا جس کے لئے نوشاد علی نے انتہائی خبیثانہ انداز سے بے حیائی اور ڈھٹائی کے ساتھ بنفشہ کا مطالبہ کیا تھا اور بے حس و بے غیرت وجاہت مرزا کے انکار کرنے کا انداز ایسا تھا جس میں مبہم طور پر اقرار کر لینے کی جھلک نمایاں تھی۔ بنفشہ کے لئے مزید وہاں ٹھہرنا ناممکن ہو گیا وہ الٹے قدموں واپس اندر چلی گئی۔

بنفشہ نے وہ تمام رات آنکھوں میں کاٹ دی اس نے بڑی شدت سے اماں بیگم، ابا میاں، شبو رانی اور بڑے بھیا کو یاد کیا اس کے اور ان لوگوں کے درمیان شہروں کا فاصلہ

نہیں تھا۔ لیکن پھر بھی ادھر چند مہینوں سے وہ اپنے آپ کو ان لوگوں سے بہت دور محسوس کرتی تھی۔ پہلے وہ ہر ہفتے بڑی باقاعدگی سے ان لوگوں سے ملنے جاتی تھی۔ وجاہت مرزا خود اسے چھوڑ کر آتے تھے۔ لیکن اب وجاہت مرزا نے اسے جو رنگ ڈھنگ اپنانے پہ مجبور کیا تھا۔ اس کے بعد بنفشہ کے پاس سوائے اس کے اور کوئی چارۂ کار نہیں تھا کہ حتی الامکان ان لوگوں کا سامنا کرنے سے پرہیز کرے۔ اپنی فطرت کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہ کسی سے کچھ کہہ بھی نہیں سکتی تھی۔ صرف یہ سوچ کر کہ گزشتہ تمام زندگی ان لوگوں پر بوجھ بنی رہی ہوں۔ وہ لوگ ہمیشہ میری طرف سے فکر مند رہے ہیں۔ اب اپنی نئی زندگی کی تلخ داستان سنا کر پھر ان کی فکروں اور پریشانیوں میں اضافہ کر دوں؟ آخر ان لوگوں سے کونسا قصور سرزد ہوا ہے جو میں اپنی طرف سے ان لوگوں کو سکھ کا سانس ہی نہ لینے دوں؟ اس نے عہد کیا تھا کہ اب مر جاؤں گی لیکن کسی کے سامنے اپنے دکھ کا اظہار نہیں کروں گی۔ وہ اب بھی ان سب سے ملنے جاتی تھی اور وہاں سے بھی وقتاً فوقتاً کوئی نہ کوئی آتا رہتا تھا۔ مگر بنفشہ نے اپنے چہرے کو جانے کیسی نقاب کے پیچھے چھپا یا تھا کہ کوئی اس کے دل کی دنیا کا حال نہ جان سکا۔ ان سب کے سامنے وہ اپنے آپ کو اس قدر خوش و خرم اور شاداب و شگفتہ ظاہر کرتی جیسے سارا سکھ، چین اور تمام مسرتیں اس کے قدموں میں ڈھیر ہوں، وجاہت مرزا کا ذکر اس انداز سے کرتی جیسے ان دونوں کے درمیان زبردست انڈراسٹینڈنگ اور بے پناہ پیار ہو۔ سب اس کی طرف سے مطمئن تھے اور خوش تھے کہ تقدیر نے اسے بھی اچھے اور پر مسرت دن دکھائے۔ حد تو یہ ہے کہ بڑے بھیا ——— جو بڑی گہری نگاہ رکھتے تھے اور جن کو دعویٰ تھا کہ بنفشہ کا چہرہ ایک صاف و شفاف آئینہ ہے جس

میں اس کے دل کی ہر تصویر واضح طور پر دیکھی جا سکتی ہے وہ بھی کچھ نہ جان سکے کچھ نہ سمجھ سکے شاید وقت اور حالات کی مسلسل ستم ظریفیوں نے اس صاف و شفاف آئینے کو دھندلا کر دیا تھا۔

روز و شب کے ہنگاموں میں چار چھ دن اور گزر گئے تو ہمیشہ کی طرح ایک شام پھر بالکل اچانک وجاہت مرزا نے اپنے چار روزہ بزنس ٹور کا پروگرام بنفشہ کو سنا دیا۔ بنفشہ نے اس پروگرام کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ اب وہ ان تمام باتوں کی عادی ہو چکی تھی۔ لیکن اسی رات کلب سے گھر واپس آنے سے قبل اس نے وجاہت مرزا اور نوشاد علی کو ہال کے تنہا اور مخصوص گوشے میں راز و نیاز میں مصروف پایا اور ان مختصر سے لمحات میں اس کے کانوں نے جو کچھ سنا وہ اسے سرتاپا کپکپا دینے کے لئے کافی تھا وہ بمشکل تمام ڈولتی لڑکھڑاتی اندر واپس چلی آئی باوجود کوشش کے وہ اپنے اعصاب کو کنٹرول کرنے میں کامیاب نہیں ہو رہی تھی لیکن وجاہت مرزا کے واپس آنے تک وہ قدرے سنبھل گئی۔

اس شب کی بھی سحر ہو گئی لیکن کچھ اس طرح کہ بنفشہ کی آنکھیں نیند کے لئے ترستی رہ گئیں، وجاہت مرزا اپنے بستر پہ بے سدھ لیٹے طویل بھیانک خراٹے لیتے رہے اور بنفشہ سوچتی رہی ——— تو اب میرے لئے بھی تہذیب کی آخری منزل کو چھو لینے کا وقت آ گیا ہے، بہت دن صبر کیا وجاہت صاحب نے اور بہت برداشت کیا میری سست رفتاری کو اب تک اپنی باتیں منوانے کے لئے میری منتیں کرتے آئے تھے یا مجھے احکام دیتے آئے تھے مگر شاید انہیں یقین تھا کہ اس موقع پر نہ ان کی منتیں کام آ سکیں گی اور نہ ان کے احکام بار آور ثابت ہوں گے اسی لئے انہوں نے سازش کا

سہارا لیا۔ کس قدر بے غیرتی تھی ان کی نگاہوں میں یہ کہتے ہوئے ـــــ "تم بھی یاد کیا کرو گے نوشاد علی! کہ وجاہت مرزا نے اپنی سب سے قیمتی شئے تمہاری نذر کی تھی۔ بس! پھر کل شام ڈھلے پہنچ جانا میں تو روانہ ہو جاؤں گا۔ جو میرے اختیار میں ہے، میں کر رہا ہوں آگے تمہارا کام ہے۔"

وجاہت مرزا کے جملے بنفشہ کے ذہن پر ہتھوڑے برسا رہے تھے اور ان ہتھوڑوں کی ضرب سے بنفشہ کا دماغ پاش پاش ہوا جا رہا تھا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے دماغ کی رگیں کسی بھی لمحے پھٹ جائیں گی ـــــ اپنے پروگرام کے مطابق وجاہت مرزا اگلے روز جانے والے تھے۔ بنفشہ نے ان کے کپڑے سوٹ کیس میں رکھتے ہوئے ان سے گھر جانے کی اجازت مانگی۔ وجاہت مرزا ایک لمحے کے لئے چونک گئے پھر قدرے سنبھل کر بولے۔

"اب آج تم کہاں جاؤ گی؟ میرے جانے تک ویسے ہی اندھیرا ہو جائے گا۔ کل صبح چلی جانا۔"

بنفشہ نے مزید اصرار کرنا مناسب نہ سمجھا لیکن دل میں قطعی فیصلہ کر لیا۔ کہ وجاہت مرزا کے جاتے ہی وہ فوراً گھر چلی جائے گی۔ اپنی عزت کو بچانے کے لئے اس کے سامنے اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ لیکن ہوا یوں کہ وجاہت مرزا کے رخصت ہونے کے بعد اس نے ملازم کو ٹیکسی لانے کے لئے روانہ کیا ہی تھا کہ نوشاد علی ـــــ جس نے کل رات سے اب تک کا وقت جانے کس طرح کانٹوں پہ بسر کر کے گزارا تھا۔ اپنی تمام تر خباثت کے ساتھ آموجود ہوا۔ اسے دیکھ کر بنفشہ کے اعصاب بالکل ہی جواب دینے لگے۔ لیکن فوراً ہی یہ خیال بجلی کی سی تیزی سے اس کے ذہن میں کوندا کہ اگر اس وقت میں نے

اسی بھی کمزوری کا مظاہرہ کیا تو یہ شخص اپنے ناپاک مقصد میں ضرور کامیاب ہو جائے گا اس وقت میں نے اپنے اعصاب کو کنٹرول نہ کیا تو میری زندگی میں وہ لمحات ضرور جائیں گے جب میں خود اپنی ہی نظروں سے گر جاؤں گی۔ یہی سوچ کر اس نے بڑی پراعتماد گاہوں سے نوشاد علی کی طرف دیکھا جو گاڑی سے اتر کر اب بالکل قریب آ چکا تھا۔

"آداب عرض بھابھی!" نوشاد علی کے چہرے پہ خباثت تھی۔

بنفشہ نے اس کے آداب کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

"وجاہت تو گھر میں نہیں ہیں۔"

"اچھا!! کہاں گئے ہیں؟" نوشاد کی آنکھوں سے مکاری عیاں تھی۔

"آپ کو نہیں معلوم؟ میرا خیال تھا کہ آپ سے ذکر کیا ہوگا۔"

نوشاد کی مکاری پہ بنفشہ کا خون کھول گیا۔

"مجھے تو نہیں معلوم شاید ذکر کرنا بھول گیا ہوگا۔" نوشاد نے کہا۔

"ہاں! ممکن ہے۔ آپ اندر تشریف لائیے" بنفشہ نے ڈرائنگ روم کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

نوشاد کی آنکھوں میں جیتنے کی سی چمک پیدا ہو گئی۔ وہ بڑا مہذب بنا بنفشہ کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ بنفشہ نے ڈرائنگ روم کے کھلے ہوئے دروازے کے قریب ایک طرف رک کر اسے اندر جانے کا راستہ دیا۔ جب نوشاد علی اندر داخل ہو کر کونے والے دیوان پر بیٹھ گیا تو بنفشہ نے کہا۔

"معاف کیجئے گا، میں ابھی آتی ہوں۔"

"ضرور، ضرور" نوشاد نے بڑے مہذب انداز سے کہا۔

بنفشہ نے اپنے کمرے میں آکر الماریوں کو مقفل کیا اور پرس اٹھا کر باہر نکل گئی۔ کوٹھی کے پچھلے لان کی طرف سے ہوتی ہوئی گیٹ سے باہر نکل گئی۔ اس نے سہمی ہوئی نگاہوں سے کوٹھی کی طرف دیکھا اور پھر مضطرب نظروں سے سڑک کی طرف دیکھنے لگی۔ دور سے آتی ہوئی ٹیکسی پر نگاہ پڑتے ہی اس کے دل کو قدرے اطمینان ہوا۔ ٹیکسی کے قریب آنے کے مختصر سے وقفے میں اس کا چہرہ کئی بار خوف سے پیلا پڑ گیا۔ ملازم کے ٹیکسی سے اترتے ہی وہ بے حد گھبرائے ہوئے انداز سے گھس گئی اور اپنی آواز پر قابو پا کر بولی۔

" شرفو! صاحب کے دوست نوشاد علی آئے ہوئے ہیں ان کے لئے چائے پانی کا انتظام کر دینا، اگر مجھے پوچھیں تو کہہ دینا اپنے گھر گئی ہیں اور جب تک صاحب واپس نہ آئیں گھر کا خیال رکھنا۔"

" آپ آج وہیں رہیں گی بیگم صاحب ؟" شرفو نے پوچھا۔

" ہاں! میں چار پانچ روز کے لئے جا رہی ہوں" بنفشہ نے جلدی سے کہا۔

اور ٹیکسی ڈرائیور کو چلنے کے لئے کہہ کر بنفشہ نے بڑی آہستگی سے ٹیکسی کا دروازہ بند کیا۔

اس تمام کارروائی کے دوران بنفشہ کا دل چڑیا کے ننھے سے دل کی مانند دھک دھک کرتا رہا۔ یہ نومبر کی آخری شاموں میں سے ایک شام تھی۔ فضا خوشگوار تھی اور خنک! لیکن اس کے باوجود بنفشہ پوری جان سے پسینے میں نہا گئی۔ بار بار پیچھے پلٹ کر وہ سہمی ہوئی نگاہوں سے سڑک کی طرف دیکھتی اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے نوشاد علی اس کا تعاقب کرتا ہوا آ رہا ہے لیکن یہ محض اس کا وہم تھا۔

نوشاد علی کے آنے پر اس نے بڑی کوششوں سے جن ہمتوں کو یکجا کیا تھا وہ اب پھر جواب دیتی جا رہی تھیں۔ ہر لحظہ اسے اپنے ہاتھ پیروں کی جان نکلتی ہوئی محسوس ہو

نی اور دماغ کی رگوں کے پھٹ جانے کا احساس ہر لمحہ شدید سے شدید تر ہوتا جا رہا اور دل پر جیسے منوں بوجھ آن گرا تھا گھر پہنچتے پہنچتے اس کی حالت بالکل غیر ہو گئی۔ کچھ خبر نہیں تھی کہ کس طرح اس نے ٹیکسی ڈرائیور کو گھر کا پتہ بتایا اور کیسے اس کا کرایہ کے گیٹ کے اندر داخل ہوئی۔ گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہی اس نے شبو کو دیکھا اندے کی سیڑھیوں سے قدرے فاصلے پر ایزی چیئر پر نیم دراز جانے کن سوچوں میں گم بنفشہ کو دیکھتے ہی اس کا چہرہ کھل اٹھا وہ کرسی چھوڑ کر ایکدم اٹھ کھڑی ہوئی اور تیز تیز ہوئی بنفشہ کے قریب پہنچ گئی لیکن اس کے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی وہ چونک کر رہ باوجود کوشش کے اس کے ذہن میں ایسا کوئی لمحہ نہ آسکا جب اس نے بنفشہ کو قدر پریشان اور اتنا سہما ہوا دیکھا ہو۔

کیا بات ہے بنفشہ باجی ؟

شبو نے اپنے دونوں بازو اس کے شانوں پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

بنفشہ کوئی جواب دیئے بغیر ساکت نگاہوں سے اس کی طرف تکنے لگی۔ شبو پریشان ہو گئی لیکن اپنی پریشانی کا اظہار کئے بغیر اس نے بڑی آہستگی اور نرمی سے کہا۔

آیئے! اندر چلئے۔

بنفشہ کھوئی کھوئی پریشان سی آہستہ قدموں سے اس کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔ شبو بنفشہ کو ساتھ لئے ہوئے اماں بیگم کے کمرے کے سامنے والی راہداری میں داخل ہی ہوئی تھی۔ کہ دادی اماں سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ بنفشہ کو دیکھتے ہی ان کا چہرہ پھول کی طرح کھل اٹھا اور ان کے رخساروں پر پڑی ہوئی جھریاں کچھ اور گہری ہو گئیں۔

" ارے بیٹا! کتنی دیر ہوئی تمہیں آئے ہوئے ؟" انہوں نے پوچھا

نفشہ کے منہ سے کوئی بات ہی نہ نکل سکی۔ اس کا سر بھاری بوجھ
تلے دبا جا رہا تھا اور ہاتھ پیر لمحہ بہ لمحہ بے جان ہوتے جا رہے تھے۔ چہرہ اس قدر سفید ہو رہا
تھا۔ جیسے اس کے جسم میں خون کی ایک بوند تک نہ ہو۔ دادی اماں نے جو اس کی یہ حالت
دیکھی تو ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

"کچھ بولو بیٹا!" انہوں نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا اور نفشہ کو اپنے کندھے سے
لگا لیا۔ نفشہ کی رہی سہی ہمت بھی جواب دے گئی وہ کسی بے جان لاش کی طرح جھول
کر گر جانے کے قریب تھی۔ لیکن شجو نے دونوں بازو پھیلا کر بڑی مضبوطی سے اسے تھام
لیا اور گھبرائی ہوئی آواز میں بولی۔

کسی کو آواز دیجئے دادی اماں!

ارے زینجا! ارے منجھلی بہو! ذرا آنا تو سہی!

انہوں نے اپنی بھرپور لیکن کپکپاتی ہوئی آواز سے پکارا۔

سامنے ہی اماں بیگم کے کمرے سے شکیل بھیا اور ابا میاں بدحواسی کے عالم میں نکلے۔

"کیا ہوا اماں؟ خیر تو ہے؟" ابا میاں نے کمرے کے اندر سے نکلتے نکلتے پوچھا۔ لیکن
باہر آتے ہی انہیں معاملے کی نزاکت کا احساس ہو گیا۔ انہوں نے مزید کچھ کہے اور کچھ پوچھے
بغیر نفشہ کے ہلکے پھلکے وجود کو کسی بچے کی مانند اپنے بازوؤں میں سنبھالا اور شجو کے کمرے
کی طرف بڑھ گئے۔ ان کے پیچھے ہی نہ صرف دادی اماں، شجو اور شکیل بھیا بلکہ اماں بیگم بھی
داخل ہو گئیں۔ ابا میاں نے بیہوش نفشہ کو شجو کے بستر پر بڑی آہستگی سے لٹا دیا۔ شکیل بھیا
نے پانی لا کر اس کے منہ پر چھینٹے دیئے، شجو نے اس کے ہاتھ پاؤں سہلائے۔ ابا میاں نے
اسے ہلایا جلایا کمرے میں موجود ہر شخص نے اسے آواز دی، اسے پکارا لیکن نفشہ بے سدھ

ی رہی۔ اماں بیگم ویسے ہی اخلاج قلب اور بلڈ پریشر کی مریضہ تھیں۔ ان کے ہاتھ پیر
ڈے پڑ گئے۔

"کیا ہو گیا میری بچی کو؟" انہوں نے کپکپاتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"اماں بیگم! یہ بیہوش ہو گئی ہیں، آپ آرام سے بیٹھ جائیے" شجو نے انہیں سہارا دے
ی پر بٹھا دیا۔

"یہ تو میں بھی دیکھ رہی ہوں کہ بیہوش ہو گئی ہے لیکن آخر کیوں؟" اماں بیگم نے کہا۔

"پتہ نہیں اماں بیگم! باجی ہوش میں آئیں تو کچھ پتہ چلے" شجو نے کہا۔

اور نفشہ کے گیٹ سے اندر تک آنے کا حال اماں بیگم کو بتا دیا۔ تھوڑی دیر میں
ے گھر کو خبر ہو گئی، ہر شخص نفشہ کے کمرے میں جمع ہو گیا۔ دادی اماں نے تسبیح کے
ں پر جانے کو نسا وظیفہ پڑھ کر نفشہ کے اوپر دم کرنا شروع کر دیا، شکیل بھیا کسی سے
کہے بغیر ڈاکٹر کو بلانے چل دیئے بڑے بھیا حسب معمول گھر میں موجود نہیں تھے۔ ڈاکٹر
ے میں داخل ہوا تو سوائے ابا میاں، شکیل بھیا اور شجو رانی کے سب تتر بتر ہو گئے۔ جب
ڈاکٹر معائنہ کرتا رہا ابا میاں اسی کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کا جائزہ لیتے رہے۔ ڈاکٹر
، اسٹیتھسکوپ رکھ کر ایک طویل سانس لی اور قدرے مدھم آواز میں بولا "کوئی زبردست
نی صدمہ"

ابا میاں، شکیل بھیا اور شجو رانی نے ایک دوسرے کی طرف چونک کر دیکھا اور نفشہ کے
رے پہ نظریں جما دیں۔ ڈاکٹر نے انجکشن لگایا، دو تین دواؤں کے نام لکھے اور نسخہ شکیل بھیا
طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

یہ دوائیں آپ اسی وقت لے لیجئے اور اگر ایک گھنٹہ تک انہیں ہوش نہ آئے

تو مجھے فون کر دیجئے گا۔

شکیل بھیا ڈاکٹر کے ساتھ ہی کمرے سے باہر نکل گئے ان دونوں کے جاتے ہی سب لوگ پھر کمرے میں آموجود ہوئے۔ ہر شخص نے پوچھنا شروع کر دیا کہ ڈاکٹر نے کیا کہا؟ ابا میاں کے بتانے پر سب کے ذہنوں میں یہ سوال گردش کرنے لگا کہ آخر ایسی کونسی بات ہو گئی جس کا بنفشہ نے اتنا گہرا اثر لیا۔

بڑے بھیا اس روز خلاف معمول جلدی گھر آ گئے۔ بڑی اماں کھڑکی کے قریب کرسی میں پھنسی بیٹھی تھیں مگر انہیں دیکھتے ہی وہ اپنے بھاری بھرکم وجود کو سنبھال کر اٹھ کھڑی ہوئیں اور اپنا غرارہ جھلاتی ہوئی باہر نکل گئیں۔

مقصد صرف اتنا تھا کہ جلد سے جلد بڑے بھیا کو یہ نئی اور اہم خبر سنا دیں۔ بڑے بھیا ابھی اپنے کمرے کے دروازے تک ہی پہنچے تھے کہ بڑی اماں نے انہیں جا پکڑا اور ادھر ادھر کی بات کئے بغیر بنفشہ کے گھر آنے سے اس کے بیہوش ہونے تک کی داستان فرفر سنا دی نہ صرف یہ بلکہ شکیل بھیا کے ڈاکٹر کو بلا کر لانے سے لے کر خود بڑے بھیا کی آمد تک جو کچھ بھی ہوا تھا وہ بھی سنا دیا۔ بڑے بھیا نے یہ سب کچھ انتہائی تعجب اور حیرت کے ساتھ سنا اور ان کے قدم اپنے کمرے میں داخل ہونے کے بجائے شجو کے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔ دروازے میں داخل ہوتے ہی انہوں نے بے سدھ پڑی بنفشہ کی طرف دیکھا تو ان کے سینے میں اندر ہی اندر کوئی چیز بڑی آہستگی سے ٹوٹ کر بکھر گئی۔

ڈاکٹر کو گئے ہوئے ایک گھنٹہ ہو گیا لیکن بنفشہ کو پھر بھی ہوش نہ آیا۔ شکیل بھیا نے دس پندرہ منٹ تک اور انتظار کیا مگر بنفشہ کے پپوٹوں میں معمولی سی جنبش تک نہ ہوئی تو شکیل بھیا مزید صبر نہ کر سکے۔ وہ ڈاکٹر کی ہدایت کے بموجب اسے فون کرنے کے ارادے سے کمرے سے باہر نکلے ہی تھے کہ ابا میاں نے انہیں آواز دے کر بلا لیا۔ وہ کچھ حیرت زدہ سے کمرے میں داخل ہوئے تو بنفشہ کے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی ان کی جان میں جان آئی۔ بنفشہ کی پلکیں بہت آہستہ آہستہ لرز رہی تھیں ابا میاں نے بنفشہ کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے آہستہ سے آواز دی۔ ایک بار — دو بار — تین بار۔ بنفشہ کی پلکیں تو ضرور لرزتی رہیں لیکن اس کی آنکھیں کھل سکیں۔ پھر بڑبا آگے بڑھے، انہوں نے بنفشہ کا سر پکڑ کر آہستہ آہستہ ہلاتے ہوئے اسے پکارا۔ چچا جان اور بڑی بھابی نے بھی قسمت آزمائی کی لیکن کوئی نتیجہ

خیر صورت برآمد نہ ہوسکی۔ دادی اماں نے شجّو سے خس کا عطر منگوا کر بنفشہ کو سنگھایا اور شفقت بھری آوازیں میں دو تین آوازیں دیں۔ تب کہیں جا کر بنفشہ نے بڑی آہستگی سے آنکھیں کھولیں۔ بنفشہ کے آنکھیں کھولتے ہی سب کے چہروں پر ذرا سی رونق آئی۔ بنفشہ نے آنکھیں کھول کر کھوئی کھوئی نگاہوں سے اپنے اردگرد کھڑے ہوتے لوگوں کو دیکھا اور پھر ایک ٹک سامنے والی دیوار کی طرف تکنے لگی۔ اس کے دماغ پہ اب بھی ہتھوڑے برس رہے تھے اور دل میں ایک طوفان سا بپا تھا۔ ڈاکٹر کی ہدایت کے بموجب اس وقت کسی نے بھی بنفشہ سے اس کی بیہوشی کا سبب نہیں پوچھا۔ اماں بیگم نے فتّو کو آواز دی گرم گرم دودھ منگوایا اور اس کے قریب آ بیٹھیں۔ پیار سے اس کے چہرے پہ ہاتھ پھیرتے ہوتے انہوں نے اس کی پیشانی چوم لی۔ دادی اماں سرہانے بیٹھ کر آہستہ آہستہ اس کا سر سہلانے لگیں۔ فتّو دودھ لیکر آیا تو بڑی اماں نے اپنی خدمات پیش کیں۔ بنفشہ کو سہارا دے کر اٹھایا اور دودھ کا کپ اپنے ہاتھوں میں تھام کر اس کے منہ سے لگایا۔

بنفشہ کسی کی طرف دیکھے بغیر کسی سے کچھ کہے بغیر نظریں جھکائے چپ چاپ دودھ پیتی رہی۔ آہستہ آہستہ سب لوگ کمرے سے چلے گئے۔ صرف شجّو بڑے بھیّا اور اماں بیگم کمرے میں رہ گئیں۔ اماں بیگم کو بھی شجّو نے اصرار کر کے آرام کرنے کے لیے بھیج دیا۔ بنفشہ کی اچانک بیہوشی نے ان کے اعصاب کو بہت متاثر کیا تھا اماں بیگم کے جاتے ہی بڑے بھیّا سامنے آکر بیٹھ گئے لیکن سوائے بنفشہ کی مزاج پرسی کرنے کے اور کچھ نہ پوچھ سکے۔ حالانکہ شجّو اور بڑے بھیّا دونوں ہی کا دل چاہ رہا تھا

کہ بنفشہ سے وہ سب کچھ پوچھ ڈالیں جو اس کے دل و دماغ میں تھا لیکن ڈاکٹر ایسی پابندی لگا کر گیا تھا کہ دونوں اپنی اپنی جگہ پر مجبور بیٹھے تھے اور سوچ رہے تھے کہ آخر صبح ہو جانے کا انتظار کس طرح کریں؟

کھانے کا وقت ہوا تو سب نے اپنی سی کوشش کر ڈالی۔ مگر بنفشہ دو چار لقموں سے زیادہ حلق سے نیچے نہ اتار سکی۔ وہ لقمے بھی ـــ بس یوں لگتا تھا کہ اب نکلے اور تب نکلے۔ ابّا میاں نے اسے دو عدد خواب آور گولیاں کھلائیں اور اسے سو جانے کی نصیحت کر کے اپنے دل و دماغ پر منوں بوجھ لیے کمرے سے باہر چلے گئے۔۔۔۔۔۔

اُس رات کی سحر بڑی مشکل سے ہوئی۔ ہر شخص کا دماغ مختلف قسم کے خیالات کی آماجگاہ بنا رہا۔ سب کے ذہن کو وسوسوں اور اندیشوں نے گھیرے رکھا۔ بڑے بھیّا نے اپنے کمرے میں ٹہل ٹہل کر اور سگرٹ پھونک پھونک کر آدھی سے زیادہ رات گزار دی۔ رات کا جانے کون سا پہر تھا جب وہ اپنی بے خواب آنکھوں کو زبردستی موند کر بستر پر لیٹے۔ شجّو جب تک جاگتی رہی۔ اس کی نگاہیں۔ ساتھ والے بستر پہ لیٹی بنفشہ کی طرف ہی لگی رہیں۔ بڑی مشکل سے اس کی آنکھ لگی لیکن تھوڑی دیر بعد وہ چونک کر اُٹھ بیٹھتی اور جھک کر بنفشہ کی طرف دیکھتی۔

اور ـــ بنفشہ پر وہ رات سب سے زیادہ بھاری گزری۔ اس نے وہ تمام رات آنکھوں میں کاٹ دی۔ خواب آور گولیوں کا معمولی سا اثر بھی اس کے اوپر نہ ہوا۔ سوچ سوچ کر اس کا دماغ تھک گیا اور دل کمزور ہو گیا۔ اپنی عزت کو بچانے کی خاطر وہ یہاں آ تو گئی تھی۔ اُس وقت سوائے اس راستے کے اسے اور کوئی راستہ

ہی نہ سوجھ سکا مگر اب وہ یہ سوچ کر پریشان تھی کہ کسی کے پوچھنے پر وہ کیا جواب دیگی۔ کسی کو کیا بتائے گی۔ میرے یوں بیہوشی ہو جانے کا سبب گھر والے کل نہیں تو پرسوں ضرور پوچھیں گے۔ میں کس طرح اپنی زبان سے کہہ سکوں گی کہ وجاہت صاحب نے اپنی ہی ناموس کی دھجیاں اڑانے کے لیے اپنے خود غرض اور مطلبی دوست کے ساتھ ساز باز کی تھی؟ میں مرد کا یہ روپ ان لوگوں کو کس طرح دکھاؤں گی؟ ایک شوہر کے کردار کا یہ رُخ گھر والوں کے سامنے کس طرح بے نقاب کر دوں گی؟ کیا میری زبان میرا ساتھ دے سکے گی؟ میرے الفاظ مجھے سہارا دے سکیں گے؟ اور ——— اگر یہ سب کچھ ان لوگوں کو نہیں بتاتی تو یہاں پر کتنے دن رہ لوں گی؟ سب کی سوالیہ نگاہیں میری طرف نہیں اُٹھیں گی کہ میں کیوں اپنے شوہر کے ساتھ جانا نہیں چاہتی؟ اور اگر واپس اسی جہنم میں جاتی ہوں تو ایک نہ ایک دن مجھے نوشاد علی کی ہوس کا نشانہ بننا ہی پڑے گا۔ میں اس کی خبیث فطرت کے ہاتھوں سے آخر کب تک محفوظ رہوں گی؟ کبھی نہ کبھی زر پرست وجاہت مرزا کی سازش کا شکار بننا ہی پڑیگا اور پھر ——— جس ڈرامائی انداز میں، میں نوشاد علی کو گھر پہ بیٹھا چھوڑ کر یہاں آگئی ہوں وجاہت صاحب کے واپس آنے کے بعد اس بات پر کیا کچھ طوفان نہ اُٹھ کھڑا ہوگا؟ اس کے بعد وجاہت صاحب کا سلوک میرے ساتھ کیا ہوگا؟ کون جانے؟ اب وہ کون سا قدم اٹھائیں گے؟ کسے خبر ہے؟

بنفشہ اپنے بستر پہ لیٹی، آنکھوں پر ایک بازو رکھے یہی سب باتیں سوچتی رہی۔ جب بھی شجو اُٹھ کر، اس کے قریب جھک کر دیکھتی۔ بنفشہ سوتی بن جاتی۔ تمام رات اسی طرح گزر گئی۔ صبح ہوئی تو سب باری باری اس کی مزاج پرسی کو آئے۔

یوں کہنے کو بنفشہ نے ہر شخص سے یہ بات بڑی آسانی سے کہدی کہ "میں اب بالکل ٹھیک ہوں۔ رات کو بہت آرام سے سوئی" مگر اس کے پپوٹوں کا بھاری پن سب کو شک و شبے میں مبتلا کر رہا تھا۔ باوجود کوشش کے وہ اپنے آپ میں اتنی ہمت نہیں پا رہی تھی کہ کسی سے نظر ملا کر بات کر سکے۔ یہ مرحلہ تو گزر ہی گیا لیکن جب گھر والوں نے اس سے طبیعت کی خرابی کا سبب پوچھا تو اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ گول مول جواب دیکر بھی جب اس کی جان نہ چھوٹی تو وہ پریشان ہو گئی، پوچھنے والے بھی آخر کہاں تک پوچھتے۔ سب نے یہ سوچ کر کہ زیادہ پوچھ گچھ سے اس کے ذہن پر کوئی بُرا اثر نہ پڑے۔ خاموشی اختیار کر لی۔ دو چار روز اسی خاموشی کی نظر ہو گئے۔ بنفشہ کے اندازے کے مطابق جس روز وجاہت مرزا کو واپس آنا تھا۔ اس روز صبح سے ہی بنفشہ کا چہرہ اتنا زرد ہوا اور پریشان تھا کہ دیکھنے والے یہ سوچے بغیر نہ رہ سکے کہ آخر بنفشہ اتنی پریشان کیوں ہے؟ اس کی پریشانی اور اس کی طبیعت کی خرابی کا پس منظر کیا تھا؟

اس سے کوئی بھی واقف نہیں تھا۔ اُس روز صبح بنفشہ نے ناشتہ بھی برائے نام سا کیا۔ دوپہر کو وہ ایک لقمہ بھی نہ کھا سکی۔ اس کے ہاتھ پیر لمحہ بہ لمحہ ٹھنڈے پڑتے جا رہے تھے۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے دل کی دھڑکنیں کسی بھی وقت ہمیشہ کے لیے رُک جائیں گی اور اس کا جسم بے جان ہو جائے گا۔ اس ساری کیفیت کا نتیجہ یہ نکلا کہ شام کے وقت وہ پھر بیہوش ہو گئی۔ بنفشہ کی اس دوبارہ بیہوشی نے سب کے ہاتھ پیر پھلا دیئے۔ گھر میں موجود سبھی لوگ اسے ہوش میں لانے کی تدبیریں کرنے لگے۔ بنفشہ جس روز سے گھر آئی تھی۔ بڑھیا بھی خلاف معمول

جلدی آنے لگے تھے۔ اس وقت بھی وہ گھر میں ہی موجود تھے۔ شجو نے انہیں یہ خبر سنائی تو دو ایک سیکنڈ کے لیے وہ شجو کے چہرے کو تکتے ہوئے گم سم سے ہو گئے۔ پھر انگلیوں کے درمیان سلگتے ہوئے سگریٹ کو ایش ٹرے میں مسل کر اس کے ساتھ کمرے سے باہر آ گئے۔

بنفشہ جب ہوش میں آئی تو اس نے سہمی ہوئی نگاہوں سے کمرے میں موجود لوگوں کا جائزہ لیا۔ شاید یہ سوچ کر کہ کہیں اس دوران میں وجاہت مرزا نہ آ گئے ہوں۔ سب اس سے پوچھتے رہے، بات کرتے رہے لیکن وہ اپنے ہونٹوں پر "چپ" کی مہر لگائے سہمی ہوئی اور پریشان نگاہوں سے تکتی رہی۔ آبا میاں کی ہدایت پر سب کمرے سے چلے گئے، صرف شجو اور بڑھیا رہ گئے۔

شجو نے ہر ممکن کوشش کر ڈالی کہ بنفشہ کے دل میں جو کچھ بھی ہے وہ کہہ ڈالے مگر بنفشہ دل چاہنے کے باوجود اپنی ذہنی پریشانی کا اظہار نہ کر سکی۔ بڑھیا تو تین روز سے مسلسل اسی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔ انہیں بھی کامیابی نہیں ہوئی۔ اس وقت پھر وہ اسی ارادے سے بنفشہ کے قریب کرسی گھسیٹ کر بیٹھے تو ان کے کچھ کہنے سے پہلے ہی بنفشہ نے مدھم اور سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

"شعیب بھائی! میں گھر واپس نہیں جاؤں گی۔"

یہ ایک جملہ کہنے کے لیے بنفشہ جانے کب سے اپنے آپ میں ہمت پیدا کر رہی تھی۔ بنفشہ اپنی بات کہہ کر خاموش ہو گئی۔ بڑھیا اور شجو کے چہرے کا ردِ عمل دیکھنے کی اس نے کوشش ہی نہ کی۔ دونوں بازو اپنے چہرے پر رکھ کر اپنی آنکھوں کو چھپا لیا، لیکن اس کے یہ چند الفاظ بڑھیا کے دماغ پر ہتھوڑے

برسا گئے۔ وہ حیرت و استعجاب کی تصویر بنے اس کی طرف دیکھتے رہے اور شجو کی حیرت زدہ نگاہیں بڑھیا کے چہرے پر جمی کی جمی رہ گئیں۔ چند منٹ اسی حیرت زدہ سی منجمد خاموشی کی نظر ہو گئے۔ بڑھیا کو ایسا لگا جیسے ان کے دماغ میں اب سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی نہ رہی ہو۔ لمحہ بہ لمحہ جب یہ کیفیت دور ہوئی تو انہوں نے بڑی آہستگی سے بنفشہ کے بازو اس کے چہرے پر سے ہٹائے اور کہا۔

"تم نے کیا سوچ کر یہ فیصلہ کیا ہے؟"

بنفشہ خاموش رہی۔

"جانتی ہو اس جملے کا مطلب کیا ہے؟" بڑھیا نے پوچھا۔

بنفشہ نے ایک دبی ہوئی سانس لیکر کہا۔

"جانتی ہوں، لیکن میرے پاس سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں۔"

شجو کی پریشانی اس وقت دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی اور بڑھیا تو تھے ہی پریشان ---

"کیا گھر سے لڑ کر آئی ہو؟" بڑھیا نے پوچھا۔

بڑھیا کی اس بات کے جواب میں بنفشہ نے اتنی اداس نظروں سے ان کی طرف دیکھا کہ بڑھیا کا دل دکھ کر رہ گیا مگر فوراً ہی انہوں نے سنبھل کر کہا۔ "میری بات کا جواب تو دو۔"

میری عادت اور میری فطرت سے واقف ہونے کے باوجود آپ مجھ سے یہ سوال کر رہے ہیں؟" بنفشہ نے کہا۔

بڑھیا کا سر جھک گیا۔

"اِس گھر میں، میں نے زندگی کے کتنے برس گزارے ہیں، میرا کبھی کسی کے ساتھ جھگڑا ہُوا؟" بنفشہ نے پوچھا۔

"میاں بیوی کی بات بالکل مختلف ہوتی ہے"۔ بڑ بھیّا نے فوراً بات بنائی۔

"جھگڑا کرنے سے بہتر میں یہ سمجھتی ہوں کہ دوسرے کی بات سُن کر سر جُھکا دوں"۔ بنفشہ نے کہا۔

"تو پھر اب آخر ایسی کون سی بات ہوگئی؟" بڑ بھیّا نے پوچھا

"یہ بتانے کی ہمّت مجھ میں بالکل نہیں"۔ بنفشہ نے کہا۔

"بتا دیجئے نا بنفشہ باجی! آپ کو اندازہ نہیں ہم لوگ کتنے پریشان ہیں؟" شبّو رانی نے کہا۔

"مجھے اچھی طرح اندازہ ہے۔ شبّو! لیکن میں بہت مجبور ہوں"۔ بنفشہ نے دُکھ سے کہا۔

پھر آہستہ آہستہ ہر فرد کو یہ بات معلوم ہوگئی کہ بنفشہ اپنے گھر واپس نہیں جانا چاہتی۔ جس جس کے کانوں میں بھی یہ بات پڑی۔ اس کی پریشانی اور حیرانی دوچند ہوگئی۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ بنفشہ کی اس بات کا سرا کہاں لے جا کر جوڑے۔ وہ لوگ اس معاملے پر جتنا زیادہ سوچتے تھے۔ اتنا ہی ان کا دماغ اُلجھتا جاتا تھا۔ مشکل یہ تھی کہ بنفشہ اس سلسلے میں مزید کچھ بتانے پر قطعی آمادہ نہیں تھی، نہ صرف یہ بلکہ وہ اس بات کے لیے بھی راضی نہیں تھی کہ اس سلسلے میں وجاہت مرزا سے کچھ پوچھا جائے۔ جب سب نے اصرار کیا تو اس نے ہاتھ جوڑ دیئے اور بڑی حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے التجا

کی کہ اس معاملے میں کسی سے کچھ نہ پوچھا جائے۔

اس وقت تو سب نے خاموشی اختیار کر لی لیکن یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی کہ سب چپ لگا کر بیٹھ جاتے۔ وہ دن اور اس کے بعد مزید دو دن گزر گئے۔ وجاہت مرزا نہ تو خود آئے نہ ان کا ٹیلی فون آیا۔ جبکہ بنفشہ کو شرفو سے اس بات کی اطلاع مل چکی تھی کہ وجاہت واپس آچکے ہیں۔ بنفشہ نے وجاہت مرزا کی عدم موجودگی میں گھر پر ٹیلی فون کر کے شرفو سے بات کی تھی۔ بنفشہ کے لیے یہ بھی کوئی قابلِ اطمینان بات نہیں تھی۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا۔ کیا کرے؟ کیا نہ کرے۔ پریشانیوں اور وسوسوں نے اس کے دل کو بالکل کمزور کر دیا تھا۔ دماغ بھاری بوجھ تلے دب کر بالکل ماؤف ہوتا جا رہا تھا۔ ایک طرف اپنی پریشانی اور دوسری طرف یہ فکر کہ وہ ایک بار پھر گھر والوں کے اُوپر بوجھ بن گئی ہے۔ گھر والے اس کی طرف سے الگ پریشان تھے۔ فکر اور پریشانی کے انہی لمحات میں ایک شام وجاہت مرزا اسے لینے آگئے۔ شبّو نے اسے وجاہت مرزا کے آنے کی اطلاع دی تو اس کے ہاتھوں سے کتاب چھوٹ کر گر پڑی۔ اسی وقت اس نے امّاں بیگم کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھا۔ ان کے قریب آتے ہی بنفشہ ان سے لپٹ گئی اور بڑی سہمی ہوئی مدّھم آواز میں کہا: "میں نہیں جاؤں گی امّاں بیگم! مجھے نہ بھیجئے۔"

"تم گھبراؤ مت بیٹی! جب تک تمہاری مرضی نہیں ہوگی میں ہرگز تم سے جانے کے لیے نہیں کہوں گی۔"

امّاں بیگم نے اس کے سر پر ہاتھ۔ پھیرتے ہوئے کہا اور اس کا ہاتھ تھام کر اسے آرام سے کرسی پر بٹھا دیا۔ انہیں فوراً ہی احساس ہوا کہ بنفشہ کے ہاتھ برف کی

طرح ٹھنڈے ہو رہے ہیں۔ وجاہت مرزا نے جب بنفشہ کو گھر لیجانے کا ارادہ ظاہر کیا تو ابا میاں نے اس کی ناسازیٔ طبع کا ذکر کر کے اسے کچھ دن کے لیئے اور چھوڑ جانے کے لیے کہدیا۔ وجاہت مرزا کے دل میں چور تھا۔ یہاں آتے ہوئے ان کے دل میں یہ ڈر تھا کہ کہیں بنفشہ نے گھر میں کچھ کہہ نہ دیا ہو۔ لیکن گھر کے کسی فرد کی کسی بھی بات سے یہ ظاہر نہیں ہوتا تھا کہ ان کے علم میں کوئی بات ہے۔ انہیں اطمینان ہو گیا کہ بنفشہ اگرچہ بات کی تہہ تک پہنچ گئی ہے لیکن اس نے گھر میں کسی سے ذکر نہیں کیا ہے۔

وجاہت مرزا جب بنفشہ سے ملنے کے لیے اندر آئے تو وہ اپنے بستر پر بے سدھ لیٹی تھی۔ شبّو اس کے سرہانے بیٹھی اس کا سر دبا رہی تھی اور آماں بیگم اس کے قریب آرام کرسی پر بیٹھی بڑی گہری سوچوں میں گم تھیں۔ وجاہت مرزا تھوڑی دیر بنفشہ کے پاس بیٹھ کر، اس کی مزاج پرسی کر کے چلے گئے۔ ان کے کمرے میں آنے پر آماں بیگم تو کچھ دیر بعد اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں لیکن شبّو نے بنفشہ کو ایک منٹ کے لیے بھی تنہا نہیں چھوڑا۔ وجاہت مرزا کے جانے تک بنفشہ ذہنی طور پر بالکل بے سکون ہو چکی تھی۔ آماں بیگم جب دوبارہ اس کے کمرے میں آئیں تو شبّو اسے سہارا دیتے گلوکوز پلا رہی تھی۔ انہوں نے پریشان نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور دریچے کے قریب والی کرسی پر گم سُم سی بیٹھ گئیں۔ چند منٹ بعد جب شبّو اٹھ کر کسی کام سے باہر گئی تو آماں بیگم بنفشہ کے نزدیک آ کر بیٹھ گئیں۔ گھما پھرا کر وہ پھر اصل موضوع کی طرف آ گئیں۔ جب بنفشہ کسی طرح بھی اپنی زبان کھولنے پر راضی نہیں ہوئی تو ان کی آنکھیں بھر آئیں۔ انہوں نے گلوگیر آواز میں کہا۔

"دیکھو بیٹی! اگر تم مجھے سچ مچ اپنی ماں سمجھتی ہو تو مجھ سے کچھ نہ چھپاؤ۔"

ان کی یہ بات سن کر بنفشہ کا دل کرچی کرچی ہو کر رہ گیا۔

"اگر آج تمہاری ماں ہوتی تو تم اس سے سب کچھ کہہ کر اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر لیتیں۔" آماں بیگم نے کہا۔

"میں نے ہمیشہ آپ ہی کو اپنی ماں سمجھا ہے۔ اس عورت کو نہیں جو بچپن میں مجھے اور میرے باپ کو پریشانی میں چھوڑ کر چلی گئی تھی۔"

بنفشہ نے غمزدہ آواز میں کہا۔

"تو پھر تم سوچو! تم میرے ساتھ کس قدر ناانصافی کر رہی ہو؟"

آماں بیگم نے کہا۔

بنفشہ سر جھکائے خاموش بیٹھی رہی۔

"بیٹیاں اپنی ماؤں سے بھی کوئی بات چھپایا کرتی ہیں؟" آماں بیگم نے کہا۔

اور جب آماں بیگم نے بنفشہ کو اپنی جان کی قسم دی تو بنفشہ بالکل بے بس ہو گئی۔ اس نے بمشکل تمام مختصر الفاظ میں آماں بیگم کو اپنی نئی زندگی کی داستان سنا دی اور آخری چند جملے کہتے ہوئے اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ آماں بیگم کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ بنفشہ وجاہت مرزا کے ساتھ اس قدر عذاب کی زندگی گزار رہی ہے۔ وہ آنکھیں پھاڑے منہ کھولے حیرت زدہ سی بیٹھی اس کی داستانِ غم سن رہی تھیں۔ بنفشہ کی داستان ختم ہوئی تو انہوں نے اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا اور اداس ہو کر کہا۔

"بیٹی! مجھے کیا معلوم تھا کہ میں نے تمہیں جہنم میں جھونک دیا ہے۔"

"اس میں آپ کا تو کوئی قصور نہیں اماں بیگم"! بنفشہ نے ہچکیوں کے درمیان کہا۔

"میں تو یہ سوچ کر خوش تھی کہ تمہارے دُکھ کے دن گزر گئے ہیں، وجاہت کے ساتھ تم عیش و آرام اور سکھ چین کی زندگی بسر کر رہی ہو" اماں بیگم نے کہا۔

بنفشہ ان کے سینے سے لگی سسکتی رہی۔

"تم نے اپنے اُوپر بہت ظلم کیا ہے بنفشہ! تمہیں شروع میں ہی ہم لوگوں کو بتا دینا چاہیئے تھا کہ وجاہت کس قماش کا آدمی ہے" اماں بیگم نے کہا۔

"میں نے تو یہ فیصلہ کیا تھا۔ اماں بیگم! کہ اب چاہے مر جاؤں لیکن آپ لوگوں کے سامنے اپنے کسی دُکھ کا اظہار نہیں کروں گی"، بنفشہ نے کہا۔

"آخر کیوں"؟ اماں بیگم نے حیران ہو کر پوچھا۔

"آپ لوگ ہمیشہ میری طرف سے فکرمند اور پریشان ہی رہے ہیں۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ میری ذات سے آپ لوگوں کو مزید کوئی تکلیف پہنچے" بنفشہ نے کہا۔

"اولاد کی فکر تو ماں باپ کو مرتے دم تک لگی رہتی ہے" اماں بیگم نے کہا۔

"میں تو اب بھی کوئی ایسا قدم نہ اٹھاتی جس سے آپ لوگوں کو میری گھریلو پریشانیوں کا علم ہوتا اگر حالات مجھے اس طرح مجبور نہ کر دیتے" بنفشہ نے کہا۔

اماں بیگم غمزدہ سی بیٹھی اس کی طرف دیکھتی رہیں۔

"اُس وقت پریشانی میں مجھے سوائے اس کے اور کوئی راستہ نہیں سوجھا کہ میں یہاں آجاؤں" بنفشہ نے کہا "بیٹیاں اگر سسرال میں پریشان ہوں تو میکے میں ہی آیا کرتی ہیں۔ پھر تمہیں کسی اور راستے پر جانے کی بھلا کیا ضرورت تھی"؟ اماں بیگم نے کہا۔

اور بنفشہ کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگیں۔

بنفشہ کی آنکھوں کے خشک ساحل ایک بار پھر بھیگ گئے۔ اتنے دنوں سے انے جو بند باندھ رکھا تھا وہ آج ٹوٹ گیا اور آنسوؤں کا ایک سیلاب جاری ہو گیا۔ اکا پورا وجود ہچکیوں سے لرزنے لگا۔ اماں بیگم نے اسے چپ کرانے کی بہت شش کی لیکن بنفشہ کے آنسو کسی طرح نہ تھمے۔ اس کی حالت بجائے سنبھلنے کے الا بگڑ گئی۔ اماں بیگم نے اپنی مدد کے لئے شکیل بھیا کو پکارا۔ شکیل بھیا تو جانے ر تھے؟ البتہ شجو رانی فوراً ہی اندر آگئیں۔ جو بڑی دیر سے کمرے کے باہر ہی لا رہی تھیں۔ ان کا دل تو کئی بار چاہا تھا کہ اندر آکر ان دونوں کی باتیں سنیں لیکن نے کیا سوچ کر انہوں نے باہر ہی کھڑے رہنے میں مصلحت سمجھی۔

شجو نے بنفشہ کو آرام اور آہستگی سے بستر پر لٹا دیا اور الٹے قدموں ابا میاں بلانے چل دیں۔ ابا میاں مغرب کی نماز پڑھ کر فارغ ہی ہوتے تھے۔ جاء نماز رکھ ر وہ شجو کے ساتھ کمرے سے باہر آگئے۔ تھوڑی ہی دیر میں بنفشہ کے کمرے میں ر سب کا جمگھٹا ہو گیا۔ سب کے چہرے پریشان اور فکرمند تھے۔ تھوڑی دیر د بنفشہ کی حالت بہتر ہوئی تو شجو کو اس کے پاس چھوڑ کر باقی سب لوگ چلے گئے۔

پھر اماں بیگم نے تنہائی میں وہ ساری داستان ابا میاں کے گوش گزار کر دی د بنفشہ نے انہیں سنائی تھی۔ آہستہ آہستہ گھر کے سبھی لوگوں کو یہ بات معلوم ہو ئی کہ بنفشہ کی اچانک طبیعت خراب ہو جانے کی اصل وجہ کیا ہے؟ جس جس ے بھی سنا وہ سر پکڑ کر رہ گیا۔ بنفشہ کے ساتھ سب کی ہمدردی اپنی جگہ پر ی لیکن اس کے ساتھ فکر اور پریشانی نے اور آگھیرا۔ وجاہت مرزا کو سب نے نت ملامت کیا۔ مگر صرف ان کی پیٹھ پیچھے لعنت ملامت کرنے سے تو یہ

مسئلہ حل نہیں ہوسکتا تھا۔ یہاں تو بنفشہ کی آئندہ تمام زندگی کا سوال تھا۔ اس کے لیے کوئی عملی قدم اٹھانا ضروری تھا۔ ابّا میاں نے اسی وقت سب کے سامنے اپنا آخری اور قطعی فیصلہ سنا دیا کہ اب چاہے جو کچھ بھی ہو جائے۔ بنفشہ اس گھر میں نہیں جائے گی۔

بنفشہ نے کہنے کو تو اماں بیگم سے سب کچھ کہہ دیا۔ کیسے کہا؟ کس طرح کہا یہ اس کا ہی دل جانتا تھا۔ الفاظ کا سہارا لینے کی خاطر اسے مشکلوں کے کن مراحل سے گزرنا پڑا۔ اس کا اندازہ سوائے اس کے اور کسی کو نہ ہوسکا۔ لیکن جانے کیا بات تھی کہ سب کچھ کہہ دینے کے باوجود بھی اس کا ذہن پرسکون نہ ہوسکا دل کا غبار بھی کم ہوا، دماغ کا بوجھ بھی کم ہوا مگر بنفشہ اپنے ذہن کو الجھے الجھے خیالات اور طویل سوچوں سے آزاد نہ کرسکی۔ مستقبل کے اندیشے ہر وقت اسے فکرمند رکھتے تھے۔ وقت اور حالات نے اسے قدم قدم پر جو ٹھوکریں لگائی تھیں۔ انہوں نے اس کا دل شکستہ کر دیا تھا۔ پے درپے ناکامیوں نے اس کے ذہن کو تھکا کر رکھ دیا تھا۔ اس آخری ٹھوکر نے تو اسے اس قدر مایوس کیا تھا کہ اس کا دل ہر لمحے مرجانے کو چاہتا تھا۔ پھر یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ یہی آخری ٹھوکر ہے یا زندگی کی راہوں میں چلتے چلتے ابھی کچھ اور ٹھوکروں کا سامنا بھی کرنا پڑے گا۔

وجاہت مرزا جب دوسری بار بنفشہ کو لینے آئے تو ابّا میاں نے صاف انکار کر دیا۔ انہیں شاید اس بات کی توقع نہیں تھی وہ بھونچکے رہ گئے ابّا میاں نے کوئی بات ڈھکی چھپی رکھنے کے بجائے صاف صاف بات کرکے

ح الفاظ میں ان سے طلاق کا مطالبہ کر دیا۔ وجاہت مرزا کو شاید اندازہ نہیں تھا ادھر چند دن کے اندر اندر حالات اتنی نازک صورت اختیار کر جائیں گے۔ اس ام وجاہت مرزا کے آنے پر ڈرائنگ روم میں بڑی طویل طویل بحثیں ہوتیں۔ با" چچا جان اور "بڑبھیا" بھی موجود تھے۔

وجاہت مرزا نے ابّا میاں کا مطالبہ رد کر دیا تو ابّا میاں نے قانونی چارہ جوئی رنے کی دھمکی دی۔ مگر وجاہت مرزا نے پھر بھی ڈھٹائی پر کمر باندھے رکھی۔ اس روز کی ملاقات بحث اور تلخ کلامی پر ختم ہوگئی۔ شبّو نے یہ ساری گفتگو بند دروازے کے پیچھے کھڑے ہوکر سنی۔ بنفشہ کو جب ان ساری باتوں کا علم ہوا تو وہ سہم کر رہ ئی۔ اس کا ذہن یہ سوچ کر اور پریشان ہوگیا کہ میری وجہ سے یہ لوگ اور مصیبت ں مبتلا ہوگئے۔

"قانونی چارہ جوئی" کا سُن کر وہ بری طرح خوفزدہ ہوگئی۔

اس نے دل ہی دل میں کہا۔ "یا اللہ! یہ سب کیا ہو رہا ہے؟

اب میری وجہ سے سب لوگ عدالتوں کے چکر لگائیں گے۔ مقدمے بازی رگی، یہ کیسی رسوائی ہے۔ خدایا! تو نے مجھے پیدا ہی کیوں کیا تھا؟ اور جب یدا کر ہی دیا تھا۔ تو اتنی آزمائشوں میں کیوں ڈالا؟ اب اس دنیا میں میری یا ضرورت ہے؟ تو مجھے اٹھا کیوں نہیں لیتا؟ میری ذات سے کسی کو بھی تو کھ چین اور آرام نہیں ملا۔"

اس نے شبّو کے ہاتھ تھام کر اس کی منت کی۔

"شبّو! خدارا! تم ابّا میاں کو سمجھاؤ۔ اس معاملے کو یہیں ختم کر دیں، گھر

کی بات عدالت تک پہنچے، یہ مجھے منظور نہیں، گھر والوں کی عزت پر کوئی حرف آئے یہ مجھے گوارا نہیں۔"

"لیکن ہمارا دل بھی تو یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ آپ کو اسی جہنم میں دوبارہ جھونک دیں۔" شجو نے کہا۔

میں تو خود اس جہنم میں نہیں جانا چاہتی۔ شجو! لیکن کیا میں اسی طرح اِس گھر میں نہیں رہ سکتی۔" بنفشہ نے کہا۔

"کس طرح؟" شجو نے پوچھا۔

"میرا مطلب ہے کہ میں طلاق لیے بغیر اس گھر میں نہیں رہ سکتی۔" بنفشہ نے انتہائی معصومیت سے پوچھا۔

"اس کا سوال نہیں ہے۔ بنفشہ باجی!" شجو نے کہا۔

"پھر؟" بنفشہ نے پوچھا۔

یہاں تو سوال آپ کی آئندہ زندگی کا ہے، آخر آپ ساری زندگی اس طرح کیسے گزار سکتی ہیں؟" شجو نے کہا۔

"تم اس کی فکر نہ کرو، میں کسی نہ کسی طرح زندگی گزار ہی لوں گی۔" بنفشہ نے کہا۔

"لیکن ہمارا دل اس بات کو ہرگز برداشت نہیں کرے گا۔" شجو نے کہا۔

جب شجو نے بنفشہ کی بات ابا میاں تک پہنچانے سے قطعی انکار کر دیا تو بنفشہ کو سوائے اس کے اور کچھ نہ سوجھا کہ وہ "بڑے بھیا" کی خوشامد کر ڈالے۔ لیکن بڑے بھیا سے اس نوعیت کی بات کرنا اسے بہت دشوار معلوم ہو رہا تھا۔ اگر

وہ خود کوئی ذکر چھیڑتے تو شاید اس کی ہمت بندھتی۔ مگر بڑے بھیا کو جانے کیا ہو گیا تھا کہ جب سے انہیں اصل واقعہ معلوم ہوا تھا وہ بالکل گم سم سے ہو کر رہ گئے تھے بنفشہ کے پاس بہت کم آتے تھے اور جب آتے تھے تو صرف چند منٹ کے لیے منٹ کے اس مختصر سے عرصے میں وہ اس کی مزاج پرسی کرتے، دو ایک باتیں ادھر اُدھر کی کرتے اور چل دیتے۔ بنفشہ کے علاوہ شجو کو بھی بڑے بھیا کی یہ بات محسوس ہوئی تھی لیکن وہ کوئی مناسب موقع دیکھ کر اس موضوع پر بڑے بھیا سے بات کرنا چاہتی تھی۔

وجاہت مرزا کی آمد کے دو تین روز بعد بنفشہ نے بمشکل تمام اپنے دل کی بات بڑے بھیا سے کہہ دی۔ بڑے بھیا اس کی بات سن کر چند منٹ تک پلکیں جھپکائے بغیر اس کی طرف دیکھتے رہے مگر بنفشہ میں اتنی تاب کہاں تھی کہ اپنی بات ان سے کہہ دینے کے بعد ان سے نظریں ملا سکتی۔ وہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔ بڑے بھیا انتہائی دکھ اور افسوس کے ساتھ اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ کئی سیکنڈ تک تکلیف دہ خاموشی کی نذر ہو گئے۔ پھر بڑے بھیا کی مدھم سی آواز کمرے کے مغموم ماحول میں گونجی۔ "تمہیں مجھ سے یہ توقع نہیں رکھنی چاہیئے بنفشہ!"

بنفشہ نے کچھ کہے بغیر ان کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

"تم جس انداز سے سوچ رہی ہو وہ بہت غلط ہے۔" بڑے بھیا نے کہا۔

"کیوں؟" بنفشہ نے پوچھا۔

"تم اپنے اوپر مزید ظلم کیوں کرنا چاہتی ہو؟"

"کیسا ظلم؟" بنفشہ نے پوچھا۔

"تم اپنے اُوپر پہلے ہی بہت ظلم توڑ چکی ہو" بڑ بھیّا نے کہا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی" بنفشہ نے کہا۔

"تم نے شروع میں ہی ہم لوگوں کو یہ بات کیوں نہیں بتائی کہ وجاہت نے تمہاری زندگی عذاب بنا رکھی ہے؟" بڑ بھیّا نے کہا۔

بنفشہ نے ان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ ایک دبی ہوئی سانس لیکر رہ گئی۔ چند سیکنڈ کے لیے کمرے میں پھر خاموشی چھا گئی۔ دونوں اپنی اپنی سوچ میں گم بیٹھے رہے۔ پھر اچانک بنفشہ کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ کہیں اس خاموشی میں میری بات ادھوری نہ رہ جائے۔ یہی سوچ کر اس نے بڑ بھیّا کی طرف دیکھا اور مدّھم آواز میں بولی۔

"پھر آپ نے کیا سوچا؟ آپ میری بات ابّا میاں تک پہنچا دیں گے نا؟"

بڑ بھیّا نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور کہا۔

"تم حماقت کی بات مت کرو بنفشہ! جو کچھ ہم لوگ بہتر سمجھیں گے وہی کریں گے۔"

اس سے پہلے کہ بنفشہ کچھ اور کہتی بڑ بھیّا اُٹھ کر چلدیئے۔

بنفشہ نے انہیں آواز دینی چاہی لیکن الفاظ اس کے ہونٹوں تک آکر ٹھہر گئے۔ اس نے پلکیں جھپکاتے ہوئے آہستہ آہستہ ہلتے ہوئے پردوں کی طرف دیکھا اور دونوں ہاتھوں میں چھپا کر میز کے کنارے پر سر ٹیک دیا۔

پھر ایسا ہوا کہ وجاہت مرزا کے ساتھ ابّا میاں اور گھر کے دوسرے مردوں کی بخش آئے دن ہونے لگیں۔ ابّا میاں نے اپنی دھمکی کو ابھی تک عملی جامہ نہیں پہنایا تھا وہ چاہتے تھے کہ گھر کی بات گھر ہی تک رہے عدالت تک نہ پہنچے۔ مگر وجاہت مرزا نے مستقل ڈھٹائی پہ کمر باندھ رکھی تھی۔ جب ابا میاں بالکل ہی تنگ آ گئے۔ تو انہوں نے وجاہت مرزا کو آخری وارننگ دے دی۔ ادھر بنفشہ فکر و پریشانی کے مارے دن بدن گھلتی جا رہی تھی۔ اس موقع پر جب شنجو اور بڑ بھیّا بھی اس کے کسی کام نہ آئے تو اس نے ہمت کر کے اماں بیگم سے اپنے دل کی بات کہہ دی۔

"تم تو بے وقوفی کی باتیں کرتی ہو بیٹی!" اماں بیگم نے کہا۔

بنفشہ نے کچھ کہنے کے لئے لب کھولے ہی تھے کہ اماں بیگم بولیں۔

"اس معاملے میں تمہیں کچھ کہنے کی بالکل اجازت نہیں، آخر آئندہ تمام زندگی کس طرح گزارو گی؟"

"کسی طرح گزار ہی لوں گی لیکن آپ لوگوں کی رسوائی میں بالکل برداشت نہیں کر سکتی۔" بنفشہ نے بمشکل تمام کہا اور اس کی آنکھیں چھلک پڑیں۔

اماں بیگم نے اپنے آنچل سے اس کی آنسو پونچھتے ہوئے اسے سمجھانے کی کوشش کی تو اس کا زخمی دل تڑپ اُٹھا اس نے اپنے دل کو سنبھالنے کی کوشش تو بہت کی لیکن پھر بھی دل کا درد آنسوؤں کی راہ بہہ گیا۔

وجاہت مرزا کہاں تو ضد پہ قائم تھے کہ کسی طرح ابا میاں کی بات پہ کان

دھرنے کو ہی تیار نہ تھے اور کہاں ایک کدم ہی جانے کیا سوجھی کہ جھٹ پٹ کاغذات تیار کئے اور طلاق نامہ لاکر تھما دیا۔ سب نے اطمینان کا سانس لیا کہ اس نازک معاملے نے زیادہ طول نہیں کھینچا۔ بنفشہ نے دوسری کئی باتوں کی طرح وہ رات بھی جاگ کر گزار دی۔ آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ بہہ کر تکئے میں جذب ہوتے رہے ——— ان گنت آنسو ——— بے شمار آنسو ——— مگر آنسوؤں کا یہ سیلاب اس کی تقدیر کی سیاہی کو نہ دھو سکا۔

وجاہت مرزا نے طلاق نامہ لاکر تھمایا تو سب نے سکون کا سانس لیا کہ اب بنفشہ کی آئندہ زندگی کے متعلق بھی کچھ سوچا جا سکتا ہے۔ لیکن بنفشہ کی زندگی میں اب سکھ، چین، سکون اور اطمینان نام کی کوئی شے باقی نہیں رہی تھی۔ کتنی حزیں تھی اس کی زندگی؟ اور کس قدر اندوہ گیں! وقت ہمیشہ کی طرح کچھ اور آگے بڑھ گیا ——— بڑی خاموشی سے اور بڑی آہنگی سے! اس کے دامن میں یادوں کی اداس کلیاں بکھیر کر ا جو وقت آگے بڑھ کر گزر گیا وہ گزر گیا، پھر اس نے مڑ کر نہ دیکھا، پلٹ کر نہ دیکھا۔ لمحات پھر رُک رُک کر گزرنے لگے۔ بنفشہ کی زندگی میں ایک اور طوفان آکر گزر گیا۔ طوفان سدا رہنے کے لئے نہیں آتے ——— وہ آتے ہیں اور گزر جاتے ہیں لیکن اپنے پیچھے ایسی چیزیں اور ایسی نشانیاں چھوڑ جاتے ہیں جو عمر بھر سوائے تکلیف پہنچانے کے اور کچھ نہیں کرتیں۔

یہ آخری زخم، یہ آخری ٹھوکر اور یہ آخری طوفان ایسا نہیں تھا جسے بنفشہ آسانی سے برداشت کر لیتی۔ زندگی کی ان پیہم ناکامیوں نے اسے کچھ اس درجہ شکستہ دل کیا کہ وہ جینے کا حوصلہ ہار بیٹھی۔ دل سے ہر لمحہ یہی صدا آتی تھی ——— تم جو

یوں بے سود جئے جا رہی ہو تو اس کا مقصد کیا ہے؟ تمہاری ذات سے کسی کو سکھ چین اور آرام نہیں ملا۔ خود تمہیں اس دنیا میں رہ کر کیا ملا؟ دکھ، درد، رنج و غم، زخم اور سسکیاں۔ پھر ایسی زندگی کا فائدہ؟ کاش! خودکشی حرام نہ ہوتی تو ——— تو ——— اور اس کے آگے اس کی سوچیں منجمد ہو جاتیں، اس کا دماغ اس کے خیالات کا ساتھ دینے سے انکار کر دیتا۔

روز و شب کی ان الجھی ہوئی سوچوں اور پریشان خیالات نے بنفشہ کو بیمار ڈال دیا۔ گھر کا ہر فرد اسے خوش و خرم رکھنے اور اس کا دل بہلانے کی کوشش کرتا۔ ابا میاں بڑی پابندی سے اس کا علاج کروا رہے تھے۔ کبھی آپا جان اسے اپنے گھر لے جاکر رکھنے کی پیشکش کرتیں، کبھی چھٹ باجی اصرار کر کے اسے اپنے ساتھ لے جاتیں لیکن اسے خوش و خرم رکھنے کی ان تمام کوششوں کا نتیجہ صرف یہ نکل رہا تھا کہ وہ دن بدن زرد اور کمزور ہوتی جا رہی تھی۔ بیٹھے بیٹھے ایک دم اس کے ہاتھ پیر ٹھنڈے پڑ جاتے اور دل بھاری بوجھ تلے دبتا ہوا محسوس ہوتا۔ ایک دن اس کی بیہوشی نے اتنی طوالت اختیار کی کہ گھر والوں کے علاوہ خود ڈاکٹر بھی پریشان ہو گیا۔ اس دن کے بعد سے بنفشہ مستقل طور پر بستر سے لگ گئی۔

بنفشہ کی اس بیماری نے سب کا دن کا چین اور راتوں کی نیند حرام کر دی۔ گھر کا ماحول بہت عجیب سا ہو کر رہ گیا۔ ہر طرف ویرانی اور سوگواری سی چھا گئی۔ شبنم صبح اٹھ کر بڑی بد دلی سے یونیورسٹی چلی جاتی، سارا دن وہاں بنفشہ کے لئے پریشان اور فکرمند رہتی، گھر آکر حتی الامکان اسے ہنسانے اور اس کی دلجوئی کرنے کی کوشش کرتی اور نمازیں پڑھ کر بنفشہ کی صحت یابی کے لئے بڑے خشوع و خضوع سے

دعائیں مانگتی۔ بڑے بھیا کے معمولات بھی اب وہ پہلے سے نہیں رہے تھے۔ وہ بہت جلدی تو گھر نہیں آتے تھے لیکن پہلے کی طرح گھنٹوں تک باہر بھی نہیں رہتے تھے ان کی پیار بھری نصیحتیں بھی بنفشہ کے دل و دماغ پہ کوئی اثر نہیں کر رہی تھیں۔ ممانی جان اکثر شمع اور روحی کے ساتھ بنفشہ کی عیادت کو آتی تھیں۔ علی تقریباً روزانہ ہی چکر لگاتا تھا اور اپنی شگفتہ باتوں سے بنفشہ کا دل بہلانے کی کوشش کرتا۔ عباس بھائی گزشتہ چند مہینے سے جرمنی میں تھے ممانی جان کا کہنا یہ تھا کہ اعلیٰ تعلیم کا شوق عباس کو ہم سے دور لے گیا جب کہ علی ہمیشہ معنی خیز انداز میں مسکرا کر کہتا تھا۔

"نہیں جی! مجھے تو کوئی اور ہی چکر لگتا ہے"

صوفیہ دو تین بار اپنے شوہر کے ساتھ بنفشہ کی عیادت کو آئی تھی۔ سلیمان بھائی ان دنوں اپنے طویل کاروباری دورے پر ملک سے باہر گئے ہوئے تھے۔ پھر سیر و سیاحت کے شوق نے اس مدت میں کچھ اور اضافہ کر دیا۔ چھوٹے چچا اور چچی جان بھی کئی بار آئے مگر کچھ نادم اور کچھ شرمسار سے! ان کا انداز ایسا ہوتا تھا جیسے بنفشہ کی بیماری کا سبب وہ لوگ خود اپنے آپ کو سمجھتے ہوں، جیسے وہ لوگ خود مجرم ہوں۔ حالانکہ بنفشہ نہ تو زبان سے ان لوگوں سے کوئی گلہ کرتی تھی۔ اور نہ اس کی نگاہیں شکوے کا انداز لئے ہوئے ہوتی تھیں۔ اسے کسی سے بھی گلہ شکوہ نہیں تھا وہ اپنی قسمت کو ان تمام حالات کا ذمہ دار ٹھہراتی تھی۔

سلسلہ روز و شب دراز سے دراز تر ہوتا گیا۔ خوشی اور مسرت نے اس گھر سے ایک دفعہ منہ موڑا تو پھر پلٹ کر نہ دیکھا۔ اب یہاں نہ قہقہے بلند تھے

سکراہٹیں بکھرتی تھیں۔ خاموشی تھی اور ویرانی، سناٹا تھا اور سوگواری پھر اس ۔۔وشی اور ویرانی میں اضافہ ہی ہوتا گیا، یہ سناٹا اور سوگواری بڑھتی ہی چلی گئی۔ ۔۔و نے کئی دفعہ سوچا کہ وہ سجاد بھائی کو خط لکھے مگر پھر نانی بیگم کی اس قسم کا خیال ۔۔با تا جو انہوں نے نہ صرف خود کھائی تھی بلکہ دوسرے لوگوں سے بھی دلوائی تھی۔ سجاد بھائی ۔۔ے بعد میں بھی کئی خط لکھے لیکن نانی بیگم نے اپنی قسم نہیں توڑی، ان کے کسی خط ۔۔بھی جواب نہیں دیا بلکہ دوسرے لوگوں سے بھی کہہ دیا کہ اگر کسی نے سجاد کو ۔۔لکھا یا اس کے خط کا جواب دیا تو اس پہ میرا مرا ہوا منہ دیکھنا حرام۔

اس روز اتوار تھا اور موسم صبح سے ہی بہت خوشگوار تھا۔ ناشتے کے بعد شجو بنفشہ ۔۔سہارا دے کر باہر برآمدے میں لے آئی اور ٹیپ ریکارڈ لا کر میز پہ رکھ دیا۔ شجو ۔۔معلوم تھا کہ بنفشہ کو گانے سننے کا بہت شوق ہے اس نے پرانے پرانے بے شمار ۔۔نے ٹیپ کر رکھے تھے۔ شجو نے محسوس کیا کہ باوجود اس کے کہ گانے سبھی المیہ تھے۔ بنفشہ کے چہرے پہ مسرت اور شادابی کی ایک ہلکی سی لہر نمایاں تھی۔ بڑے بھیا کہیں ۔۔جانے کے لئے اپنے کمرے سے تیار ہو کر نکلے لیکن بنفشہ اور شجو کو باہر بیٹھا دیکھ ۔۔کر انہوں نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا، کرسی گھسیٹ کر وہ بھی وہیں بیٹھ گئے۔ بڑے بھیا ۔۔اور شجو کافی دیر تک بیٹھے بالکل فضول قسم کی باتیں کر کے بنفشہ کو ہنساتے رہے اس دن کے بعد سے سبھی نے یہ بات محسوس کی کہ بنفشہ کی حالت قدرے سنبھل گئی ہے

اس خوشگوار سی تبدیلی کے بعد کئی دن گزر گئے۔ سب کے دلوں کو ایک ذرا سا اطمینان ہوا کہ بنفشہ کے ہونٹوں نے بھی پھر سے مسکرانا سیکھا۔ دادی اماں کا خیال تھا کہ ان کے لمبے لمبے وظیفوں اور دعاؤں نے یہ اثر دکھایا ہے شجو کو یقین تھا کہ

بنفشہ کی طبیعت میں یہ تبدیلی عارضی اور مختصر نہیں ثابت ہوگی، آتی ہوئی بہار کی رُت بنفشہ کی صحت کو بہتر سے بہتر ہی کرے گی۔ بہار ابھی آئی نہیں تھی۔ لیکن خاموش چپ چاپ گلشن پہ نگاہ ڈالتے ہی احساس ہوتا تھا کہ بہار کی آمد آمد ہے۔ کلیاں چٹکنے کے لئے بے چین ہیں، پھول مسکرا اُٹھنے کے لئے بے تاب ہیں اور درخت پھر سے سرسبز ہونے کے منتظر ہیں۔

اس روز بہار کی پہلی صبح تھی اور بنفشہ اپنے کمرے کے دریچے کے سامنے ایزی چیئر پہ نیم دراز باہر لان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ بہار کی اس پہلی صبح نے سچ مچ بنفشہ کے چہرے پہ ایک ہلکا سا نکھار پیدا کر دیا تھا۔ شجو دوپہر کو یونیورسٹی سے واپس آئی تو بنفشہ کی طرف دیکھ کر بڑے پیار سے مسکرائی اور اس کے شانے پہ نرمی سے ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔

"بنفشہ باجی! مجھے یقین ہے کہ آپ چند ہی روز میں انشاءاللہ بالکل ٹھیک ہو جائیں گی۔"

بنفشہ نے شجو کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا پلکیں جھکائے فرش کی طرف تکتی رہی۔

روز و شب بڑی خاموشی سے گزرنے لگے۔ شجو بہار کی ان حسین شاموں کو ڈوبتے ہوئے دیکھتی تو جانے کیوں اس کے دل سے آواز آتی ـــــ شجو! گھر کے اس خاموش ماحول میں کوئی ہنگامہ جاگنے والا ہے ـــــ شاید کوئی تبدیلی آنے والی ہے ـــــ کوئی انقلاب آنے والا ہے کیسا ہنگامہ؟ کیسی تبدیلی اور کیسا انقلاب؟ اس کا اسے کوئی جواب نہ ملتا۔ اور ـــــ اس روز ـــــ بہار کی

آخری صبح تھی اور اتوار تھا۔ دھوپ آہستہ آہستہ سرک کر دیوار سے نیچے فرش تک آپہنچی لیکن بنفشہ کی نیند نہیں ٹوٹی۔ دو دفعہ شجو نے اسے اٹھانے کی کوشش کی، ایک دفعہ اماں بیگم آکر جگا گئیں، دادی اماں نے بھی دو تین بار اسے پکار کر اٹھانے کی کوشش کی "اے بیٹا اٹھ جاؤ، دیکھو کتنا دن چڑھ آیا؟ کب تک سوؤ گی بیٹا! اٹھ کر ناشتہ تو کر لو۔"

بنفشہ نے دو ایک بار آنکھیں کھول کر دیکھا تو ضرور لیکن پھر کروٹ بدل کر سو گئی پھر ابا میاں نے یہ کہکر بنفشہ کو اٹھانے سے منع کر دیا کہ ممکن ہے رات کو دیر تک جاگتی رہی ہو، اس کی نیند نہ پوری ہوئی ہو۔ اور ـــــ یہ حقیقت تھی کہ بنفشہ نے گزشتہ رات کا بیشتر حصہ جاگ کر گزارا تھا۔ یادوں کی کلیاں چنتے چنتے وہ نڈھال ہو گئی، ماضی کی اداس، خاموش اور سونی رہ گزر پہ چلتے چلتے وہ تھک گئی، گزری ہوئی شاموں اور سحر کے کارواں کو تکتے تکتے اس کی پلکیں بوجھل ہو گئیں۔ اور یوں ـــــ سکوت صبح سے کچھ دیر پہلے اس کی پلکیں نیند کے بوجھ تلے جھک گئیں۔

پھر ـــــ تقریباً دس بجے بڑی اماں کے اٹھانے پر اس نے آنکھیں کھولیں۔ بڑے بھیا بھی ان کے ساتھ تھے۔ بنفشہ کے پپوٹے بوجھل تھے اور آنکھیں بے حد سرخ تھیں۔ بڑے بھیا نے حیرت زدہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا مگر خاموش رہے بنفشہ نے آنکھیں کھول کر چند لمحے تک بڑی کھوئی کھوئی نگاہوں سے ان دونوں کی طرف دیکھا اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اماں بیگم اور دادی اماں کے بہت اصرار کے باوجود اس نے برائے نام سا ناشتہ کیا۔ ناشتہ کر کے وہ پھر اپنے بستر پہ لیٹ گئی۔ شجو رانی اس دن کوئی خاص چیز پکانے کے موڈ میں تھیں۔ باورچی خانے میں کافی معروف نظر آ رہی

بتیں۔ خاصی دیر تک انہیں باورچی خانے سے باہر نکلنے کی فرصت نہیں ملی۔ پھر جب نفشہ اخبار اپنے سامنے پھیلا کر بیٹھی ہی تھی کہ شجو رانی آگئیں۔ نفشہ کے سامنے بیٹھتے ہوئے وہ بولیں۔

"کل رات میں نے ایک خواب دیکھا ہے۔"

"اچھا! کونسا خواب؟" نفشہ نے پوچھا۔

"میں نے دیکھا کہ سجاد بھائی واپس آگئے ہیں اور آپ دلہن بنی ہوئی ہیں۔" شجو نے کہا۔

نفشہ نے ایک لمحے کے لئے اخبار پر سے نگاہیں ہٹا کر شجو کی طرف دیکھا اور اور سر جھکا لیا۔

"اور شاید میں نے ایک خوشخبری آپ کو نہیں سنائی،" شجو نے کہا۔

"کونسی خوشخبری؟" نفشہ نے پوچھا۔

"میں سے عنقریب ہی پی۔ ایچ ڈی کرنے کے لئے باہر جانے والی ہوں،" شجو نے کہا

"اچھا مبارک ہو،" نفشہ نے کہا۔

"آپ میرے بغیر اداس نہیں ہوں گی؟" شجو نے پوچھا۔

"یقیناً میں اداس ہو جاؤں گی،" نفشہ نے کہا۔

اسی وقت بڑے بھیا کمرے میں آگئے۔ شجو کچھ دیر بیٹھی ان سے باتیں کرتی رہی پھر اٹھ کر اماں بیگم کے پاس چلی گئی۔ چند منٹ کے لئے کمرے میں بالکل خاموشی چھا گئی۔ نفشہ گھٹنے پہ ٹھوڑی ٹکائے چپ چاپ بیٹھی تھی اور بڑے بھیا سامنے بیٹھے اسی کی طرف دیکھ رہے تھے پھر بڑے بھیا نے اخبار اس کے سامنے سے اٹھا کر ایک طرف

رکھ دیا اور بولے۔

"آخر تمہارا کیا ارادہ ہے؟"

نفشہ نے استفہامیہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔

"میرا مطلب ہے اب تم ٹھیک ہو جاؤ،" بڑے بھیا نے کہا۔

نفشہ کی آنکھیں ایک دم جھلملا گئیں لیکن اس نے اپنے آنسوؤں کو پی لیا۔

"کیوں؟ کیا خیال ہے؟" بڑے بھیا نے آہستہ سے اس کا سر ہلایا۔

"میرا دل نہیں چاہتا ٹھیک ہونے کو،" نفشہ نے کہا۔

"کیوں؟" بڑے بھیا نے پوچھا۔

"معلوم نہیں،" نفشہ نے کہا۔

"پھر تمہارا دل کیا چاہتا ہے؟" بڑے بھیا مسکرائے۔

"میرا دل ——— میرا دل مر جانے کو چاہتا ہے،" نفشہ نے کہا۔

"احمقانہ باتیں مت کرو،" بڑے بھیا نے مصنوعی ناراضگی سے کہا۔

نفشہ خاموش رہی۔ پھر بڑے بھیا جتنی دیر بھی اس سے باتیں کرتے رہے وہ "ہوں" "ہاں" میں جواب دیتی رہی۔ پھر بڑے بھیا نے ایک دم ہی محسوس کیا کہ وہ بڑی نڈھال اور تھکی تھکی سی لگ رہی ہے لیکن انہوں نے اپنے اس احساس کا اظہار کرنا مناسب نہ سمجھا۔ چند منٹ بعد نفشہ نے کہا۔

"شعیب بھائی! اگر آپ برا نہ مانیں تو میں لیٹ جاؤں۔"

"اس میں برا ماننے کی تو کوئی بات نہیں مگر کیوں لیٹنا چاہتی ہو تم؟" بڑے بھیا نے پوچھا۔

"معلوم نہیں مجھے کیا ہو رہا ہے؟" بنفشہ نے کہا۔

"کیا محسوس کر رہی ہو تم؟" بڑے بھیا ایک دم اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

"معلوم نہیں کیوں میرا دل ڈوبا جا رہا ہے" بنفشہ نے بہت مدھم آواز میں کہا۔

"شجو کو بلاؤں؟" بڑے بھیا پریشان ہو کر بولے۔

"شجو کیا کرے گی؟" بنفشہ نے ایک دبی ہوئی سانس لی۔

"اچھا تم آرام سے لیٹو میں ابھی آتا ہوں" بڑے بھیا نے کمرے سے باہر جاتے ہوئے کہا۔

تھوڑی دیر بعد جب ابا میاں، دادی اماں اور شجو کمرے میں داخل ہوئے تو بنفشہ بالکل بے سدھ پڑی تھی اسے اپنے اردگرد کا بالکل ہوش نہیں تھا۔ ابا میاں نے ڈاکٹر اشفاق کو فون کیا جو بنفشہ کا علاج کر رہے تھے مگر وہ گھر پہ نہیں تھے۔ شکیل بھیا دوسرے ڈاکٹر کو لانے کے لئے چلے گئے۔ ڈاکٹر کے آنے تک دادی اماں بڑی اماں اور اماں بیگم بنفشہ کو ہوش میں لانے کے لئے اپنی سی کوششیں کرتی رہیں لیکن بنفشہ کو ڈاکٹر کے آنے پر ہی ہوش آیا۔

دوپہر کا کھانا سب نے افراتفری میں کھایا۔ بنفشہ باوجود کوشش کے ایک لقمہ بھی نہ کھا سکی۔ دادی اماں نے ایک لقمہ بنا کر بڑی شفقت و محبت سے اپنے ہاتھوں سے اس کے منہ میں ڈالا تو فوراً اسے ابکائی آ گئی۔ پھر ——— جیسے جیسے دوپہر ڈھلتی گئی بنفشہ کی طبیعت بجائے سنبھلنے کے بگڑتی گئی اور ——— جب شام آئی تو بنفشہ ایک بار پھر بیہوش ہو چکی تھی۔ بنفشہ بیہوش ہو گئی اور گھر کے در و دیوار ایک بے نام سی اداسی اور سوگواری کا لبادہ اوڑھ کر آنے والے لمحات کے منتظر ہو گئے یہ بہار کی شام تھی ———

رخصت ہوتی ہوئی بہار کی شام ——— بہار کی آخری شام رخصت ہو جانے والے لمحات کا سوگ ماحول پہ طاری تھا۔ بڑے المناک سے لمحات تھے اور بڑی غمناک سی ساعتیں تھیں۔

شجو کو بالکل یاد نہ آ سکا کہ اپنی زندگی کے پچھلے تمام برسوں میں اتنی افسردہ سی شام بھی اس کی نگاہوں سے گزری ہو۔ ایسا لگتا تھا جیسے ہر طرف سے دبی دبی سسکیوں کی آواز آ رہی ہو۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے ہر دروازے پہ کوئی پراسرار وجود کھڑا دستک دے رہا ہو ——— جانے کون دستک دے رہا تھا؟ جانے کیسی تھیں یہ صدائیں؟ کوئی نظر بھی نہیں آتا تھا لیکن ——— پھر بھی ہر لمحہ کسی کے اندر آنے اور باہر جانے کی مدھم سی چاپ سنائی دیتی تھی۔ دبی دبی سسکیوں کی آوازیں ہر لمحہ بلند ہوتی جا رہی تھیں۔ شام ڈوبتی جا رہی تھی۔ ڈھلتی ہوئی مدھم مدھم دھوپ میں۔ درختوں کے سائے طویل ہو گئے تھے۔ زمین پہ بکھرے ہوئے چمپا کے زرد پھول ایک حسرت و یاس کے عالم میں آسمان کی وسعتوں کو تک رہے تھے ہوا لگنے درختوں کے درمیان سسکیاں بھرتی ہوئی گزر رہی تھی مغرب کی سمت سورج نے چپکے سے دم توڑا۔ آسمان لالہ گوں ہو کر جانے کس کی بجھی ہوئی حسرتوں پہ ماتم کناں ہو گیا۔ سوگوار فضاؤں کا سکوت کچھ اور بڑھ گیا۔ دبی دبی سسکیوں کی آوازیں کچھ اور بلند کچھ اور غمناک ہو گئیں ——— دروازوں پہ دستک کی آوازیں اور بلند ہو گئیں ——— اور پراسرار سرسراہٹوں کی آواز کچھ اور شدید ہو گئی۔

ڈاکٹر کے ساتھ گھر کے تقریباً سبھی افراد اسی ایک کمرے میں جمع تھے ——— بنفشہ کے اردگرد ——— کچھ بیٹھے تھے کچھ کھڑے تھے سب کے چہرے

افسردہ تھے اور پریشان ـــــ سب کی نگاہیں سہمی ہوئی تھیں ـــــ آنے والے لمحات کے خوف سے ـــــ اور سب منتظر تھے ـــــ اس ایک ساعت کے جب بنفشہ آنکھیں کھول کر ان کی طرف دیکھے گی۔ اماں بیگم کی حالت سب سے زیادہ غیر تھی۔ شکیل بھیا انہیں بار بار تسلی دے رہے تھے اور ان سے اصرار کر رہے تھے۔ کہ وہ اپنے کمرے میں جا کر آرام کریں مگر وہ کسی طرح اس کمرے سے جانے کے لئے رضامند نہیں ہو رہی تھیں۔ کمرے کے باہر برآمدے میں دادی اماں مصلّے بچھائے تسبیح کے دانوں پر جانے کون سا وظیفہ پڑھ رہی تھی۔ بڑے بھیا بنفشہ کے سرہانے کھڑے چپ چاپ اس کی صورت تکے جا رہے تھے۔ ضبط کی کوشش کے باوجود وہ اپنے دلی جذبات کو چھپانے میں کامیاب نہیں ہو رہے تھے۔ انہوں نے کئی بار بنفشہ کے چہرے اور بالوں پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے اٹھایا۔

"بنفشہ!"

"آنکھیں کھولو بنفشہ!"

"میری طرف دیکھو بنفشہ!"

پھر ـــــ وہ لمحہ بھی آیا جب ـــــ بنفشہ کی بند آنکھوں میں ہلکی سی جنبش ہوئی اس کی پلکیں دھیرے سے کانپ کر رہ گئیں مگر آنکھیں پھر بھی نہ کھل سکیں۔ کئی اور لمحے سوگوار سی خاموشی کا دامن تھام کر آگے بڑھ گئے تو بنفشہ نے بڑی آہستگی سے آنکھیں کھولیں۔ سر گھما کر اپنے اردگرد دیکھا اور دھیرے سے بولی۔

"یہ کیسا اندھیرا چھاتا جا رہا ہے؟"

بڑے بھیا اس کے سامنے آ گئے۔

"بنفشہ!" انہوں نے انتہائی والہانہ انداز سے اسے پکارا۔

بنفشہ ان کی بات کا جواب دیئے بغیر بولی۔

"سب کے چہرے اتنے دھندلے کیوں نظر آ رہے ہیں؟"

ابا میاں نے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا تو بنفشہ نے کہا۔

"میرا دل ڈوب رہا ہے ابا میاں! میرا دل ڈوب رہا ہے۔"

"نہیں بیٹی! تم بالکل ٹھیک ہو، تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گی۔" ابا میاں نے کہا۔

بڑے بھیا نے بھی آہستہ سے اس کا ہاتھ تھام کر تسلی دینے کی کوشش کی لیکن ان کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی بنفشہ،

"شعیب بھائی آپ ....." کہہ کر خاموش ہو گئی، اس کی ادھوری بات پوری نہ ہو سکی ـــــ اس کی پلکیں دھیرے سے تھرتھرائیں اور آنکھیں ایک بار پھر بند ہو گئیں۔ ہمیشہ کے لئے ـــــ وہ سو گئی ـــــ ابدی نیند ـــــ اس کا سفر تمام ہو گیا ـــــ زندگی کا سفر ـــــ ایک کہانی تھی ـــــ جو ختم ہو گئی عمر کے پہلے لمحے سے آخری لمحے تک کی کہانی ـــــ ایک افسانہ اپنی تکمیل کو پہنچ گیا ـــــ درد بھرا افسانہ ـــــ المیہ افسانہ ـــــ ایک داستان تھی ـــــ جو ختم ہو گئی ـــــ زندگی کی ناکامیوں کی داستان ـــــ شکستِ پیہم کی داستان ـــــ ایک شمع تھی ـــــ دھیرے دھیرے جلتی ہوئی شمع ـــــ چپ چاپ سلگتی ہوئی شمع ـــــ جو آخری بار بھڑکی اور بھڑک کر گل ہو گئی ـــــ بجھ گئی ـــــ ہمیشہ کے لئے ـــــ یہ تھا انجام ـــــ اس معصوم ہستی کا ـــــ جس کی تقدیر

نے اسے سوائے حسرت و یاس کے اور کچھ نہ دیا ـــــ جو راستے کا پتھر بنی ایک کے بعد دوسرے اور دوسرے کے بعد تیسرے مرد کے قدموں کی ٹھوکر کھاتی رہی وہ تو اس قابل تھی کہ اسے ٹوٹ کر چاہا جاتا مگر قسمت اس پہ مہربان نہیں تھی وہ تو ایسی لڑکی تھی کہ اسے پوجنے کی حد تک اس سے محبت کی جاتی مگر حالات نے کبھی اس کا ساتھ نہیں دیا۔ زندگی کے لمحات تو وقت، حالات اور قسمت کے محتاج ہوتے ہیں۔ وقت ساتھ دے ـــــ حالات سازگار ہوں اور قسمت مہربان ہو تو زندگی سراپا بہار بن کر رقص کرتی ہے ورنہ وہی زندگی سرتاپا خزاں بن جاتی ہے

شمع جل بجھی ـــــ ایک گیت تھا ـــــ درد بھرا گیت ـــــ جو ختم ہو گیا ـــــ آوازیں تھم گئیں ـــــ صدائیں رک گئیں ـــــ سسکیوں کی صدائیں ـــــ پراسرار سرسراہٹوں کی آوازیں اور پھر ـــــ گھر کے در و دیوار آہ و فغاں سے لرز اٹھے ـــــ نالہ و فریاد سے آسمان تھرا اٹھا۔ زمین کانپ گئی۔ مگر وہ آہ و فغاں وہ نالہ و فریاد جانے والی ہستی کو دنیا میں واپس نہ لا سکے جو اس دنیا سے گزر گیا وہ پھر لوٹ کر نہ آسکا یہ دیکھنے کے لئے کہ وہ اپنے پیچھے رنج و غم اور دکھ درد کے کیسے انبار چھوڑ کر گیا ہے۔ بنفشہ بھی سب کو روتا سسکتا چھوڑ کر چلی گئی ـــــ رخصت ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی بہار کی وہ آخری شام بھی رخصت ہو گئی یہ کیسی بہار آئی تھی کہ چمن ویرانہ بن کر رہ گیا تھا ـــــ سب کچھ اجڑ کر رہ گیا تھا۔ شام کا افسردہ غبار لمحہ بہ لمحہ پھیلتی ہوئی رات کی تیرگی میں تحلیل ہو گیا اور ہوائیں درختوں کے زرد پڑتے ہوئے پتوں پہ سر رکھ کر سسک پڑیں، چیخ اٹھیں اور فضا غمناک ہو گئی۔

فصلِ گل آئی اور چلی گئی نگاہیں اسکے تعاقب میں بھٹکنے لگیں زندگی کی ہر خوشی اور ہر مسرت جانے کہاں کھو گئی دلوں کے گلشن اجڑ کر رہ گئے۔ اب نہ پھول تھے۔ نہ شگوفے، نہ وہ کونپلیں تھیں نہ سبزہ دور ـــــ حدِ نظر تک ایک بحرِ آتشیں نظر آتا تھا۔ اس بحرِ آتشیں میں سب کچھ کھو گیا تھا، سب کچھ گم ہو گیا تھا، قہقہے مسکراہٹیں ہنسی، مسرت اور خوشی۔ آنسو باقی رہ گئے تھے اور سسکیاں، اب بہار نہیں رہی تھی۔

ہاں بہاروں کے خزاں دیدہ نقوش رہ گئے تھے۔ گم گشتہ بہاروں کا خیال آتے ہی ذہن میں جانے کتنی یادوں کی شمعیں جل اٹھتی تھیں۔ جو لمحے گزر کر دھندلکوں میں سرک گئے وہ ماضی کا نقش بن گئے ـــــ ایک خواب بن گئے۔

بنفشہ کی جوان موت ایک کرب بن کر دلوں میں سما گئی ـــــ اس کی یاد درد کا جلتا صحرا بن کر دل کے ویرانوں سے ہم آغوش ہو گئی۔ سب اس کے بارے میں سوچتے تھے اور بڑی شدت سے سوچتے تھے۔ لیکن شجو کے دل کا درد سب سے سوا تھا۔ آنسوؤں کا ایک سمندر تھا جو اس کی آنکھوں میں سمٹ آیا تھا ـــــ دکھ کی ایک لہر تھی جو اس کے پورے وجود میں سرایت کر گئی تھی ـــ نہ آنسو تھمتے تھے نہ آہیں رکتی تھیں۔ بہار کی ایک آخری شام وہ تھی جب ـــ بنفشہ نے ابا میاں کے ساتھ اس گھر میں قدم رکھا تھا اور ـــــ بہار کی ایک آخری شام وہ تھی جب ـــــ بنفشہ نے چپ چاپ آنکھیں بند کر لی تھیں اور دوسروں کے کاندھوں کا سہارا لے کر لحد تک کا سفر طے کیا تھا۔ یہ دو شامیں تصویر کے نقوش کی مانند ذہن کے گوشوں سے چمٹ گئی تھی۔ تصویر کے یہ نقوش بند آنکھوں سے بھی دیکھے جا سکتے تھے۔ ان دو یادگار شاموں کا خیال آتے ہی شجو کی گرم گرم پلکوں سے سینہ برسنے لگتا تھا۔

بنفشہ کی اس بے وقت موت پر اماں بیگم کو دل کا پہلا دورہ پڑا۔ اتنی پریشانی اور اتنا غم ـــــ کہ دماغ ماؤف ہو گئے۔ بڑھاپے کی دہلیز پر کھڑی ہوئی دادی اماں نے اپنی زندگی اور موت کے درمیانی فاصلے کو اچانک بہت کم ہوتے ہوئے محسوس کیا اور بڑے بھیا کو یوں محسوس ہوا جیسے پلک جھپکتے ہی انہوں نے وقت کے ایک طویل فاصلے کو طے کر لیا ہو۔ کہاں تو بہار رقص کرتی مسکراتی تھی اور کہاں خزاں کی گھڑیاں گئے دنوں کے جمال کے افسانے کو دہراتی تھیں۔ خزاں کی زرد، بیمار شام کی مدہم دھوپ میں نہائے ہوئے برگِ خشک ہوا کی سسکیوں کے ساتھ ہم آہنگ

ہو کر بلتی ہوئی بہار کا دکھ بھرا راگ الاپتے تھے۔ بجھتی ہوئی شام کی بے جان پھیکی مسکراہٹیں ماحول کو ایک بے نام دکھ سے آشنا کرتی تھیں۔ درختوں کی سوکھی ہوئی شاخیں اپنی باہیں پھیلائے ایک تصویرِ بے کسی بنی آسمان کی وسعتوں کو تکتی تھیں۔ دکھ کے وہ لمحے ـــــ جب بنفشہ اس گھر سے رخصت ہوئی تھی، گزر گئے تھے مگر ـــــ ان لمحوں کی یاد ایک تڑپ، ایک کسک بن کر آج بھی دلوں میں موجود تھی۔ شجو کے کانوں میں آج بھی ان چیخوں کی بازگشت سنائی دیتی تھی جو بنفشہ کی آنکھیں بند ہوتے ہی گھر کے در و دیوار سے ٹکرائی تھیں ـــ "بنفشہ بیٹی! اس بڑھاپے میں اپنی دادی کے دل کو اتنا بڑا صدمہ نہ پہنچاؤ۔"

"یہ وقت تو میرے قبر میں اترنے کا تھا تم کیوں چل دیں؟"

دادی اماں نے اپنے کانپتے ہاتھوں سے اس کا چہرہ تھام کر کہا تھا۔

"بنفشہ بیٹی! اس طرح روٹھ کر نہ جاؤ۔ میرا کمزور دل یہ دکھ برداشت نہیں کر سکے گا۔" اماں بیگم یہ جملہ کہتے کہتے چکرا کر شکیل بھیا کے بازوؤں میں جھول کر رہ گئیں۔ بڑی اماں کی ہچکیاں، چھوٹی چچی کی سسکیاں، بن میاں اور شفو بٹیا کی چیخ پکار، "بڑ بیا" ابا میاں اور چچا جان کی خاموش افسردہ نگاہیں، ضبط کی کوشش میں چہروں کے بدلتے رنگ اور ـــــ بڑے بھیا کی آنکھوں میں کانپتے لرزتے ہوئے دکھ کے سائے ـــــ یہ سب کچھ ایسا نہیں تھا جسے ذہن فراموش کر دیتا۔ گزرتے ہوئے وقت کے دھندلکے بھی ان یادوں کو مدہم نہ کر سکے۔

اور پھر ـــــ رنج و غم کی اس تصویر پر لمحات کی گرد ابھی اپنی ایک تہہ بھی نہ جمانے پائی تھی کہ ـــــ خزاں کی ایک سوگوار، ڈوبتی ہوئی شام کو سجا دکھائی

اچانک، بالکل اچانک آگئے ـــــ نہ کوئی اطلاع نہ خبر۔ دیکھنے والوں نے انہیں دیکھا لیکن انہیں اپنی نگاہوں پہ اعتبار نہ آیا، سجاد بھائی کو دیکھتے ہی اماں بیگم کو پچھلی تمام باتیں یاد آگئیں۔ سجاد بھائی نے ان کے گلے میں باہیں ڈالیں تو اماں بیگم نے کہا۔

"سجاد! میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔" یہ کہتے ہوئے ان کی آواز کانپ گئی۔ ان کے دل کا عجب عالم تھا۔ ایک طرف غیض و غضب کے جذبات تھے۔ جو انہیں مجبور کر رہے تھے کہ بیٹے کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھیں اور دوسری طرف ممتا کے جذبات تھے جو پکار پکار کر کہہ رہے تھے۔ سب کچھ بھول جاؤ، سب کچھ بھلا دو ـــ اپنے بیٹے کو ـــ اس بیٹے کو ـــ جو تمہیں سب سے زیادہ عزیز ہے ـــ جس کے دید کو تمہاری آنکھیں ایک مدت سے ترس رہی تھیں۔ سینے سے لگا لو، دل میں چھپا لو آنکھوں میں جگہ دے دو، بنفشہ کی صورت نگاہوں میں پھرتی تھی تو دل میں ایک ٹیس سی اٹھتی تھی۔ دل سے آواز آتی تھی۔ تمہارا ہی بیٹا اس کی برباد زندگی کا باعث ہے۔ مگر دماغ کہتا تھا ـــ نہیں ـــ یہ جھوٹ ہے بنفشہ تو تقدیر کے ہاتھوں کا کھلونا تھی، حالات کی ستم ظریفیوں کا شکار تھی قصور سجاد کا نہیں، قصور کسی کا بھی نہیں اس کی قسمت ہی اس پہ مہربان نہیں تھی اور جب تقدیر امتحان لینے پر اتر آئے، حالات ساتھ نہ دیں، قسمت نامہربان ہو تو زندگی اسی طرح المیہ بن کر سامنے آتی ہے لمحے گزر رہے تھے۔ سجاد بھائی، اماں بیگم کے ہتھیلیوں پہ دونوں ہاتھ رکھے، ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ کتنی حسرت تھی ان کی نگاہوں میں؟ اور دکھوں کے کتنے گہرے سمندر جھانک رہے تھے ان کی افسردہ نگاہوں سے؟

اماں بیگم کی نگاہیں نیچی تھیں، پلکیں تھرا رہی تھیں، ہونٹوں کے گوشے کانپ رہے تھے، آنکھوں کے کنارے آنسوؤں کی نمی سے بھیگتے جا رہے تھے اور ضبط کی کوشش میں ان کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ سب اماں بیگم کو سمجھا رہے تھے، کبھی دادی اماں کی آواز کمرے کے پرسکوت ماحول میں گونجتی تھی، کبھی ابا میاں کی، کبھی بڑے ابا کی آواز دیواروں سے ٹکراتی تھی، کبھی بڑی اماں کی۔ سب یہی کہہ رہے تھے ـــ اسے معاف کر دو زلیخا! بیٹے کو سینے سے لگا لو، اس کا جرم ناقابل معافی تو نہیں۔

پھر ممتا کے جذبات دل کے ہر جذبے پہ غالب آگئے۔ اماں بیگم نے ایک نگاہ ـــ بس صرف ایک نگاہ سجاد بھائی پر ڈالی، اپنی دونوں باہیں پھیلا کر انہیں سینے سے لگا لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔ سجاد بھائی کا دل بھی چیخ چیخ کر رونے کو چاہا لیکن وہ مرد تھے اور ان میں بے پناہ قوت برداشت تھی، وہ چیخ چیخ کر تو نہیں روئے لیکن اپنی آنکھوں میں چراغوں کو جھلملانے سے نہ روک سکے۔

"سجاد! تم میری اتنی سعادت مند اولاد! تم نے میری توقع کے خلاف ایسا کام کیا، کیا سوچ کر تم نے میرے دل کو یہ دکھ پہنچایا؟ اپنی پسند، اپنی خواہش پر تم نے اس سے منگنی کی اور پھر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

اماں بیگم نے روتے ہوئے کہا۔

"میں مجبور تھا اماں بیگم! بہت مجبور!" سجاد بھائی نے کہا۔

"کیا مجبوری تھی؟" اماں بیگم نے پوچھا۔

"میں نے اسے زندگی کی مسرتیں اور خوشیاں دینے کے لئے اپنانا چاہا تھا۔ اس پہ بوجھ بننے کے لئے نہیں،" سجاد بھائی نے کہا۔

سب کی سوالیہ نگاہیں سجاد بھائی پہ جمی ہوئی تھیں۔

سجاد بھائی نے اپنی پتلون کا پائنچا اوپر سرکا کر اپنی ٹانگ اماں بیگم کے سامنے کر دی۔

" یہ دیکھئے! میری مصنوعی ٹانگ! اب اتنے سالوں میں اس قابل ہو سکا ہوں کہ....."

سجاد بھائی کی بات پوری نہ ہو سکی۔ اماں بیگم انہیں پھر گلے سے لگا کر سسک پڑیں سب کی حیرت زدہ آوازیں ایک ہلکی سی چیخ بن کر کمرے کے در و دیوار سے ٹکرا گئی۔

" سجاد! میرے بیٹے! تم نے مجھے پہلے کیوں نہ بتایا؟ مجھ سے کیوں چھپایا؟"

اماں بیگم کا گلا فرطِ غم سے رندھ گیا۔

ابا میاں سجاد بھائی کے کاندھے پر اپنا شفقت بھرا ہاتھ رکھے رنج و غم اور صبر و ضبط کی تصویر بنے کھڑے تھے۔

" میں اگر اس وقت سب کچھ صاف صاف بتا دیتا تو بنفشہ کسی قیمت پہ بھی میرا ساتھ چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوتی، ہر دکھ، ہر تکلیف اپنی جان پہ جھیل جانا اس کی فطرت ہے،" سجاد بھائی نے کہا۔

سب خاموش، چپ چاپ، سجاد بھائی کی طرف دیکھتے رہے۔

" میں بنفشہ کو اپنے گھر میں خوش اور آباد دیکھنا چاہتا تھا۔ یہی سوچ کر میں نے یہ قدم اٹھایا،" سجاد بھائی نے کہا۔

" اگر بنفشہ اسے میرا جرم سمجھے تو جو چاہے مجھے سزا دے، میں بخوشی سزا قبول کرنے کو تیار ہوں۔ وہ کہاں ہے؟ میں اس سے معافی مانگنے کو تیار ہوں،" سجاد

بھائی نے کہا۔

اور جب سجاد بھائی کو حقیقت حال کا علم ہوا تو ان کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ اماں بیگم کے شانوں پہ ان کے ہاتھ کانپ کر رہ گئے۔ ان کا چہرہ سفید ہو گیا۔ کئی منٹ تک سجاد بھائی کی یہی کیفیت رہی۔ بڑی اماں نے آگے بڑھ کر انہیں پانی پلایا تو ان کی حالت قدرے بہتر ہوئی۔ لیکن وہ اپنے چہرے کی سوگواری کو پھر بھی نہ چھپا سکے۔

سجاد بھائی کے آنے کے کئی روز بعد ـــــ جب ایک خزاں زدہ ڈوبتی ہوئی شام کے اداس ماحول میں وہ اور شجو بیٹھے باتیں کر رہے تھے ـــ کچھ گزری ہوئی باتیں ـــــ اور کچھ گزرے ہوئے لمحوں کو یاد کر رہے تھے تو شجو نے کہا۔

" سجاد بھائی! آپ نے اگر اس وقت ہمیں صحیح صورت حال سے باخبر کر دیا ہوتا تو آج صورت حال کس قدر مختلف ہوتی؟"

" شجو رانی! میں یہ کیسے برداشت کر سکتا تھا۔ کہ وہ معصوم لڑکی ـــــ جس نے پورے خلوص اور اعتماد کے ساتھ میری محبت پہ یقین کیا تھا اسے زندگی بھر کی تکلیف میں مبتلا کر دیتا،" سجاد بھائی نے کہا۔

" آپ جس بات کو اس کے لئے بوجھ اور تکلیف سمجھتے تھے، کیا خبر وہ ان کے لئے مسرت اور خوشی کی بات ہوتی،" شجو نے کہا۔

" ہوں،" سجاد بھائی نے ایک طویل سانس لی اور بڑی گہری سوچوں میں ڈوب کر کہا۔

" بہرحال! شجو رانی! اب تو سب کچھ ختم ہو گیا ـــــ وقت گزر گیا ـــ وقت

کسی کا انتظار نہیں کرتا۔"

"ہاں سجاد بھائی! وقت بے شک گزر گیا لیکن یادیں تو باقی ہیں، کچھ بھی تو نہیں بھلایا جاتا کس کس بات کا ذکر کروں؟"

شجو کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

سجاد بھائی کا چہرہ دکھ اور کرب کے احساس سے سرخ ہو گیا۔

"بس تو شاید اپنی زندگی کے آخری لمحوں تک ان دو شاموں کو نہیں بھول سکتی۔" شجو نے کہا۔

سجاد بھائی اس کے جملے کا مطلب سمجھ کر بھی اس کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

"نہ بہار کی اس شام کو ـــــ جب نفیسہ باجی یہاں آئی تھیں اور نہ بہار کی وہ آخری شام ـــــ جب نفیسہ باجی۔۔۔۔۔۔" شجو نے اپنا جملہ پورا کئے بغیر دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا لیا اور رو پڑی۔

سجاد بھائی کی زبان سے تسلی کا کوئی لفظ نہ نکل سکا۔ وہ شجو کو کیا سمجھاتے؟ کیا تسلی دیتے؟ ان کے دل کا درد تو شجو کے درد سے بھی سوا تھا۔ نفیسہ سے محبت شجو نے بھی کی تھی اور سجاد بھائی نے بھی۔ لیکن محبت کے انداز جدا جدا تھے اور دونوں کے احساسات بھی جدا جدا۔ سجاد بھائی اپنے شکستِ دل کا ماتم کر رہے تھے اور سوچ رہے تھے۔

"ان بہاروں کا ذکر کیوں کرتی ہو شجو رانی! ان بھری بہاروں میں تو سب کچھ لٹ گیا۔ یہ کیسی فصلِ گل آئی تھی میرے دل کا گلشن اجڑ کر رہ گیا۔"

دونوں اپنی اپنی سوچوں میں گم بیٹھے رہے۔ خاموش ـــــ چپ چاپ! خزاں رسیدہ شام کے سائے گہرے ہوتے رہے۔

اور ـــــ بہت دنوں بعد ـــــ جب ایک دوپہر کو شجو رانی اپنے دور دراز سفر پہ روانہ ہونے کے لئے اپنی بکھری ہوئی چیزوں کو سمیٹ رہی تھیں تو دریچے کے قریب ـــــ رائٹنگ ٹیبل پہ سے اپنی چند کتابیں اٹھاتے ہوئے ان کی نگاہیں باہر کی طرف بھٹک گئیں۔ "بڑے بھیا" اپنے کمرے کی اس کھڑکی میں ـــــ جو لان کی طرف کھلتی تھی۔ چپ چاپ کھڑے تھے ـــــ اداس ـــــ سوگوار ـــــ! ان کا تھکا تھکا سا سنولایا ہوا چہرہ اور بجھی بجھی سی نگاہیں دیکھ کر شجو رانی کے دل میں درد کی ایک لہر سی اٹھی۔ وہ کتابوں پہ دونوں ہاتھ رکھے بڑی گہری سوچوں میں ڈوب گئیں۔

دوپہر ڈھل کر شام آئی اور پھر ڈوبتی ہوئی شام بھی رات کی تیرہ و تار بانہوں میں سما گئی۔ آسمان کی وسعتوں پہ اوائل تاریخوں کا چاند نمودار ہوا اور ہوا درختوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے سسکیاں بھرنے لگی۔ شجو جب رات کا کھانا کھا کر اپنے کمرے میں آئی۔ تو دریچے کے قریب سے گزرتے ہوئے اس نے دیکھا ـــــ بڑے بھیا پھر اسی دریچے میں جھکے کھڑے تھے۔ ان کے ہاتھ میں سلگتے ہوئے سگرٹ کا ننھا سا شعلہ لان کی تاریکی میں چمک رہا تھا۔ شجو آہستہ قدموں سے باہر برآمدے میں نکل آئی اور اس کے قدم بڑے بھیا کے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔ سجاد بھائی اپنے کمرے کی خاموش تنہائیوں میں بیٹھے مدھم سروں میں ریکارڈ سن رہے تھے۔ شجو کے قدم ٹھٹھک کر رہ گئے۔ مگر پھر وہ آگے بڑھ گئی۔

بڑے بھیا کے کمرے میں داخل ہو کر شجو نے انہیں پکارا تو وہ چونک گئے۔

ان کی انگلیوں میں دبا ہوا سگرٹ کانپ کر رہ گیا۔ انہوں نے پلٹ کر دیکھا اور بولے۔

"آؤ شجو!"

شجو صوفے پر بیٹھ گئی تو بڑے بھیا بھی اس کے سامنے بیٹھ گئے۔

چند سیکنڈ تک کمرے میں بالکل خاموشی رہی۔ پھر بڑے بھیا نے کہا۔

"ہاں! تو تم جا رہی ہو شجو!"

"جی! بڑے بھیا!" شجو نے کہا۔

"چار پانچ سال سے پہلے تو واپس نہیں آؤ گی" بڑے بھیا نے کہا۔

"ہاں! لیکن سچ تو یہ ہے کہ میرا دل واپس آنے کو نہیں چاہتا" شجو نے کہا۔

"ایسی بات مت سوچو شجو! اس گھر میں اب ویسے ہی سوائے ویرانی کے اور کچھ نہیں رہا" بڑے بھیا نے کہا۔

"ایک بات کہوں بڑے بھیا!" شجو نے کہا۔

"ہاں! کہو" بڑے بھیا نے کہا۔

"آپ شادی کر لیجئے" شجو نے کہا۔

"شادی!" بڑے بھیا نے کہا اور چپ ہو گئے۔

"جی ہاں! بڑی اماں بے چاری۔۔۔۔" شجو نے کہا۔

"شجو! شادی تو میں کر چکا" بڑے بھیا نے کہا۔

"شادی کر چکے!!؟" شجو نے حیرت و استعجاب سے ان کی طرف دیکھا۔

"ہاں؟" بڑے بھیا کا سر جھک گیا۔

"کب؟ کہاں؟" شجو نے پوچھا۔

"کئی سال ہوئے" بڑے بھیا نے کہا۔

"مگر کس سے؟" شجو کی حیرت بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

"ایک ایسی لڑکی سے ۔۔۔۔ جسے کوئی اپنانے کے لئے تیار نہیں تھا" بڑے بھیا نے کہا۔

"بڑے بھیا! آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ آپ کی بات میری سمجھ میں بالکل نہیں آ رہی" شجو حیران ہونے کے ساتھ ساتھ پریشان بھی تھی۔

"شجو! یہ ایک لمبی کہانی ہے جسے تفصیل سے دہرانے کو میرا بالکل دل نہیں چاہتا" بڑے بھیا نے کہا۔

"مگر بڑے بھیا! پھر بھی ۔۔۔۔ کچھ تو بتائیے" شجو نے کہا۔

"بس! یوں سمجھ لو کہ میرے ہی ہم جنسوں کے ہاتھوں برباد کی ہوئی ایک لڑکی ۔۔۔۔ جسے اگر میں سہارا نہ دیتا تو وہ کوٹھے کی زینت بن جاتی" بڑے بھیا کا سر کچھ اور جھک گیا۔

شجو تصویر حیرت بنی انہیں تکتی رہ گئی۔ کئی لمحے اس حیرت زدہ سی خاموشی کی نذر ہو گئے۔ پھر شجو نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

"آپ نے بڑی اماں کو بھی نہیں بتایا ۔۔۔۔ کسی کو نہیں بتایا ۔۔۔۔ اسے گھر بھی نہیں لائے"

"میں اپنی ماں کی فطرت سے بڑی اچھی طرح واقف ہوں شجو! اس گھر میں اسے

کبھی صحیح اور جائز مقام نہ ملتا وہ ——— جس نے کبھی کوئی خوشی نہیں دیکھی تھی۔ اُسے اس گھر میں لاکر مزید غموں سے ہمکنار کرنے کی ہمت مجھ میں بالکل نہیں تھی،" بڑے بھیّا نے کہا۔

شجو سر جھکا کر جانے کیا سوچنے لگی پھر چند سیکنڈ بعد بولی۔

"آپ کو اس سے محبت بھی تھی؟"

"محبت؟" بڑے بھیّا نے سر اٹھا کر شجو کی طرف دیکھا اور بڑے مجروح انداز میں مسکرائے اور بولے۔

"مجھے اس سے محبت نہیں تھی۔ شجو! وہ تو وقت اور حالات کا تقاضا تھا، میرے ضمیر کی پکار تھی اور دماغ کا مشورہ تھا۔"

دو تین لمحوں تک شجو کچھ سوچتی رہی پھر کچھ کہنے کے لئے اس کے لب ہلے۔ مگر جانے کیا سوچ کر رہ گئی۔

بڑے بھیّا ——— جو اس کی طرف دیکھ رہے تھے سگرٹ کو ایش ٹرے میں بجھاتے ہوئے بولے۔

"تم کچھ کہنے والی تھیں۔ رک کیوں گئیں؟"

"بڑے بھیّا! جانے کیوں، اکثر مجھے یہ خیال آتا ہے کہ آپ کو بنفشہ باجی سے محبت تھی،" شجو نے کہا۔

صوفے کی پشت پر رکھا ہوا بڑے بھیّا کا ہاتھ کانپ کر رہ گیا۔ دل بڑی زور سے دھڑک اٹھا اور نگاہیں شجو کے چہرے پر جم کر رہ گئیں۔

"میرا خیال غلط تو نہیں؟" شجو نے پوچھا۔

بڑے بھیّا اس کی بات کا کوئی جواب دیئے بغیر اٹھ کھڑے ہوئے۔ اپنے بستر پر سے سگرٹ کا پیکٹ اٹھا کر بڑی آہستگی سے سگرٹ نکالا اور لائٹر جلاتے ہوئے ایک لمحے کے لئے شجو کی طرف دیکھا جس کی نگاہیں ان کا تعاقب کر رہی تھیں۔ وہ اپنی بات کا جواب سننے کی منتظر تھی اور بڑے بھیّا اپنے بستر کے پاس سے ہٹ کر دریچے میں خاموش کھڑے تھے۔

شجو نے جب دوبارہ اپنا سوال دہرایا تو بڑے بھیّا نے بڑی آہستگی سے شجو سے نگاہیں ملائے بغیر کہا۔

"ہاں شجو! محبت ——— میں نے صرف بنفشہ سے کی ہے۔"

شجو نے ایک طویل سانس لے کر بے حد تھکے تھکے سے انداز میں صوفے کی پشت سے سر ٹکا دیا۔

"مگر چھوڑو، اب ان باتوں کو نہ دہراؤ، وقت گزر گیا ——— کہانی ختم ہو گئی،" بڑے بھیّا نے کہا۔

ان کے لہجے کی افسردگی پر شجو کا دل دکھ سے بھر گیا۔

اس نے پلکوں کو جھپکاتے ہوئے بڑے بھیّا کی طرف دیکھا ان کے چہرے پر ڈوبتی ہوئی غزال رسیدہ شام کی سی افسردگی تھی۔

"بنفشہ باجی چاہے جانے کے قابل تھیں بڑے بھیّا! سجاد بھائی نے انہیں چاہا ——— آپ نے ان سے محبت کی اور ——— اور عباس بھائی ان کی محبت اور انہیں پا لینے کی تمنا کو دل میں پسائے جرمنی میں جا بیٹھے،" شجو نے کہا۔

"عباس!!!" بڑے بھیّا نے حیرت سے کہا۔

"ہاں! بڑے بھیا! بعض لوگ بہت گہرے ہوتے ہیں جیسے آپ — جیسے عباس بھائی!"
شبّو کی آواز مدہم تھی۔

"عباس نے کبھی تم سے کچھ کہا؟" بڑے بھیا نے پوچھا۔

"نہیں! اپنے جذبات کو دل کی گہرائیوں میں چھپانے والے اپنی زبان سے کبھی کچھ نہیں کہتے اور اپنے انداز سے بھی کچھ ظاہر نہیں کرتے۔" شبّو نے کہا۔

"تو پھر؟" بڑے بھیا نے پوچھا۔

"بس! یونہی ایک دفعہ ان کی کتابیں الٹتے پلٹتے ہوئے میری نظر سے ان کی تحریر گزر گئی۔" شبّو نے کہا۔

"عباس کی کوئی ڈائری؟" بڑے بھیا نے پوچھا۔

"نہیں! ڈائری تو نہیں کہہ سکتے، خیر چھوڑیئے! اب ان باتوں کا ذکر لاحاصل ہے۔" شبّو نے کہا۔

"بڑی عجیب بات ہے۔" بڑے بھیا نے زیرِ لب کہا۔

شبّو نے کچھ نہیں کہا۔ سر جھکا کر جانے کیا سوچنے لگی۔ کئی لمحے کمرے کی منجمد سی خاموشی سے ٹکرا کر آگے بڑھ گئے۔ پھر بڑے بھیا نے ایک طویل اور گہری سانس لے کر شبّو کی طرف دیکھا اور بولے۔

"تم کیا سوچنے لگیں شبّو؟"

شبّو نے اپنے خیالوں سے چونکتے ہوئے ان کی طرف دیکھا اور قدرے مدہم آواز میں کہا۔

"میں یہ فیصلہ نہیں کر سکی بڑے بھیا کہ بنفشہ باجی کو خوش قسمت سمجھوں یا بدقسمت؟"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔" بڑے بھیا نے کہا۔

"اب دیکھئے نا! بنفشہ باجی اس دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ یہ جانے بغیر کہ سجاد بھائی کے دل میں سوائے ان کے اور کوئی نہیں تھا اور وہ یہ جاننے کے لئے اس دنیا میں کبھی واپس نہیں آئیں گی کہ دل کے دوار اور مندروں میں بھی صرف انہی کے لئے جگہ ہے۔" شبّو نے کہا۔

بڑے بھیا چپ چاپ کھڑے اس کی طرف دیکھتے رہے۔

"مگر میں سوچتی ہوں کہ اس دنیا میں جانے کتنے لوگ ایسے ہوں گے جو کسی کو چاہنے کے باوجود اپنے جذبات کا اظہار نہیں کر سکے ہوں گے۔" شبّو کی آواز میں ہلکی سی لرزش تھی۔

"ہاں! یہ تو سچ ہے۔" بڑے بھیا نے کہا۔

"یہ جذبۂ محبت بڑی عجیب شے ہے — بہت عجیب۔" شبّو نے بڑی مدہم آواز سے کہا۔ اس کی آنکھوں کے کنارے بھیگ گئے۔

اپنی شبنمی آنکھوں کو بڑے بھیا کی نگاہوں سے بچانے کی خاطر وہ ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی اور ان کی طرف دیکھے بغیر کمرے سے نکل گئی۔ بڑے بھیا دریچے میں کھڑے اسے کمرے سے جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔ انہوں نے اسے آواز نہیں دی۔ اسے نہیں روکا۔ وہ تو اپنے دل کی دھڑکنوں کے ساز پر گزرتے ہوئے وقت کا المیہ راگ سن رہے تھے۔

شبّو باہر برآمدے میں آئی تو سجاد بھائی کے کمرے کے قریب سے گزرتے ہوئے اس کے دل میں ایک ٹیس سی اٹھی۔ وہ دو قدم آگے بڑھ کر پھر پیچھے لوٹ آئی۔ اس

نے بڑی آہستگی سے کمرے کا پردہ ہٹا کر اندر جھانکا۔ سجاد بھائی صوفے کی پشت سے سر ٹکائے آنکھیں بند کئے بیٹھے تھے۔ ان کے سامنے ہی میز پر ٹیپ ریکارڈ بج رہا تھا ——— بہت مدھم سُروں میں

دکھ کے دن اب بیت نا ہیں۔

کمرے کا پر سکوت المناک ماحول، درد کی گہرائیوں میں ڈوبا ہوا اداس نغمہ ——— ایسا نغمہ ——— جو دل کے نازک تاروں کو توڑ کر رکھ دے اور ——— سجاد بھائی کے چہرے پہ کانپتے، لرزتے ہوئے دکھ کے سائے ——— یہ سب کچھ کس قدر تکلیف دہ تھا ——— کتنا تکلیف دہ؟ شگفتہ سے برداشت نہ ہو سکا۔ وہ پردہ چھوڑ کر ہٹ گئی۔ اس کے تھکے ہارے بوجھل قدم اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔

اس کے کمرے میں اس کا سامان بندھا رکھا تھا۔ ابھی کتنی ہی چیزیں بکھری ہوئی تھیں۔ جنہیں سمیٹنے کو اس کا دل بالکل نہیں چاہا۔ اپنے کمرے کی ویرانی دیکھ کر اس کی آنکھیں ایک بار پھر جھلملا گئیں۔ اس نے بڑی بے دردی سے اپنی آنکھوں کو آنچل سے رگڑ ڈالا۔ دریچے کی چوکھٹ پہ دونوں کہنیاں ٹکا کر باہر کی طرف جھک گئی اور اداس رات کے بوجھل قدموں کی چاپ سنتے ہوئے اسے اپنے دل کے خاموش ایوان کے سناٹوں اور ویرانی کا احساس بڑی شدت سے ہوا۔ یہ کیسے دکھ بھرے لمحات تھے اور کتنا سوگوار ماحول تھا۔ کوئی قریب نہیں تھا ——— کوئی بھی نہیں ———

خزاں رسیدہ پودوں اور درختوں کے درمیان سے گزرتی ہوئی ہوا سسکیاں بھر رہی تھی اور پر آکاش اور نیچے دھرتی بیتتے ہوئے وقت پر ماتم کناں تھے۔ اوائل تاریخوں کا زرد، بیمار اور مدھم سا چاند آہستہ آہستہ سرک کر بلند ہو گیا تھا۔ اور جامن کے

درخت سے پرے سہما ہوا سا نیچے تک رہا تھا۔ ٹمٹماتے ہوئے تاروں کا خاموش کارواں آگے بڑھ رہا تھا ——— آہستگی سے ——— بے حد آہستگی سے۔ چمپا کی سوکھی ہوئی برہنہ شاخیں ہاتھ پھیلائے جانے کیا سوچ رہی تھیں۔ آسمان سے زمین تک ایک افسردہ سا غبار اُڑ رہا تھا۔ برگ خشک سوکھی ہوئی گھاس پہ بکھرے پڑے تھے۔ انجانی سمت سے آتی ہوئی خزاں کی آوارہ ہوائیں ادھر سے گزریں تو پتے درد سے کراہ اُٹھے۔ شگفتہ کو یہ درد، یہ سوز اپنے دل کی گہرائیوں میں اترتا ہوا محسوس ہوا۔ اس نے سوچا۔

"میں اب، اس گھر کو چھوڑ کر سات سمندر پار چلی جاؤں گی۔

کچھ نہیں معلوم کب واپس آؤں گی اور یہ بھی نہیں جانتی کہ جب واپس آؤں گی تو یہاں کا ماحول ——— یہاں کے حالات کس قدر مختلف ہوں گے؟ کتنی بہاریں بیت جائیں گی اور کتنی خزائیں ——— آتی جاتی رُتوں کے کتنے کارواں گزر جائیں گے مگر میں جانتی ہوں میرے دل کا درد کبھی کم نہیں ہوگا ——— میرا زخم سدا ہرا رہے گا کیونکہ ——— کیونکہ ایسا کوئی نہیں جسے میں اپنا ہمراز و غمگسار بنا سکوں ——— کس سے کہوں کہ میرے دل نے بھی کسی کو چاہا ——— جسے چاہا اسے اپنا نہیں سکی اور کبھی اپنا بھی نہیں سکتی۔

عباس بھائی! اگر آپ نے شگفتہ باجی کو یوں ٹوٹ کر چاہا تھا تو کسی سے نہ سہی مجھ سے تو کہتے یا پھر ——— کاش! آپ کی وہ تحریر ——— دل کے جذبوں کا وہ اظہار وقت بیت جانے کے بعد میری نظر سے نہ گزرتا تو میں ساری دنیا سے ٹکرا جاتی لیکن شگفتہ باجی کو آپ کا بنا کر ہی دم لیتی۔ وجاہت مرزا کے جہنم میں انہیں نہ جانے دیتی۔

آپ نے مجھ سے بھی نہیں کہا ——— کیا آپ کو یہ اندیشہ تھا کہ میں بنفشہ باجی کی رقیب بن جاؤں گی۔ نہیں ——— مگر آپ کو یہ اندیشہ کیسے ہو سکتا ہے؟ آپ کو تو میرے جذبۂ دل کی خبر ہی نہیں۔ میرا ہمراز تو سوائے میرے دل کی دھڑکنوں کے اور کوئی بھی نہیں۔ یہ دل کے جذبے ہیں ——— دل کی باتیں ہیں اور دل کا درد ہے ——— کسی اور کو اس کی خبر کیوں ہو؟ کوئی کیا جانے؟ اس درد میں کتنی لذت ہے۔ ان آنسوؤں میں کتنا حسن ہے جو کسی کی یاد میں یوں ——— چپ چاپ بہے جاتے ہیں اور ان یادوں میں کتنی رعنائی ہے؟ عباس بھائی! بنفشہ باجی! میں کیسے یاد رکھوں؟ کیسے بھول جاؤں؟

شبنو کی آنکھوں کے کنارے ایک بار پھر بھیگے، آنسو کناروں تک آئے اور چپ چاپ بہنے لگے۔ بڑھیا کے کمرے میں لالٹین کا شعلہ بلند ہوا ——— ایک اور سگرٹ سلگا اور سجاد بھائی کے کمرے میں ٹیپ ریکارڈ کی آواز بلند ہو گئی

دکھ کے دن اب بیت نا ہیں
دکھ کے دن اب . . . . . .